ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین

رجسٹرڈ ایل

نمبر (۸۳۵)

خاتم النبیین نمبر

الفضل قادیان

ایڈیٹر - غلام نبی

The ALFAZL QADIAN.

۸ نومبر ۱۹۳۱ء

قیمت چار آنے
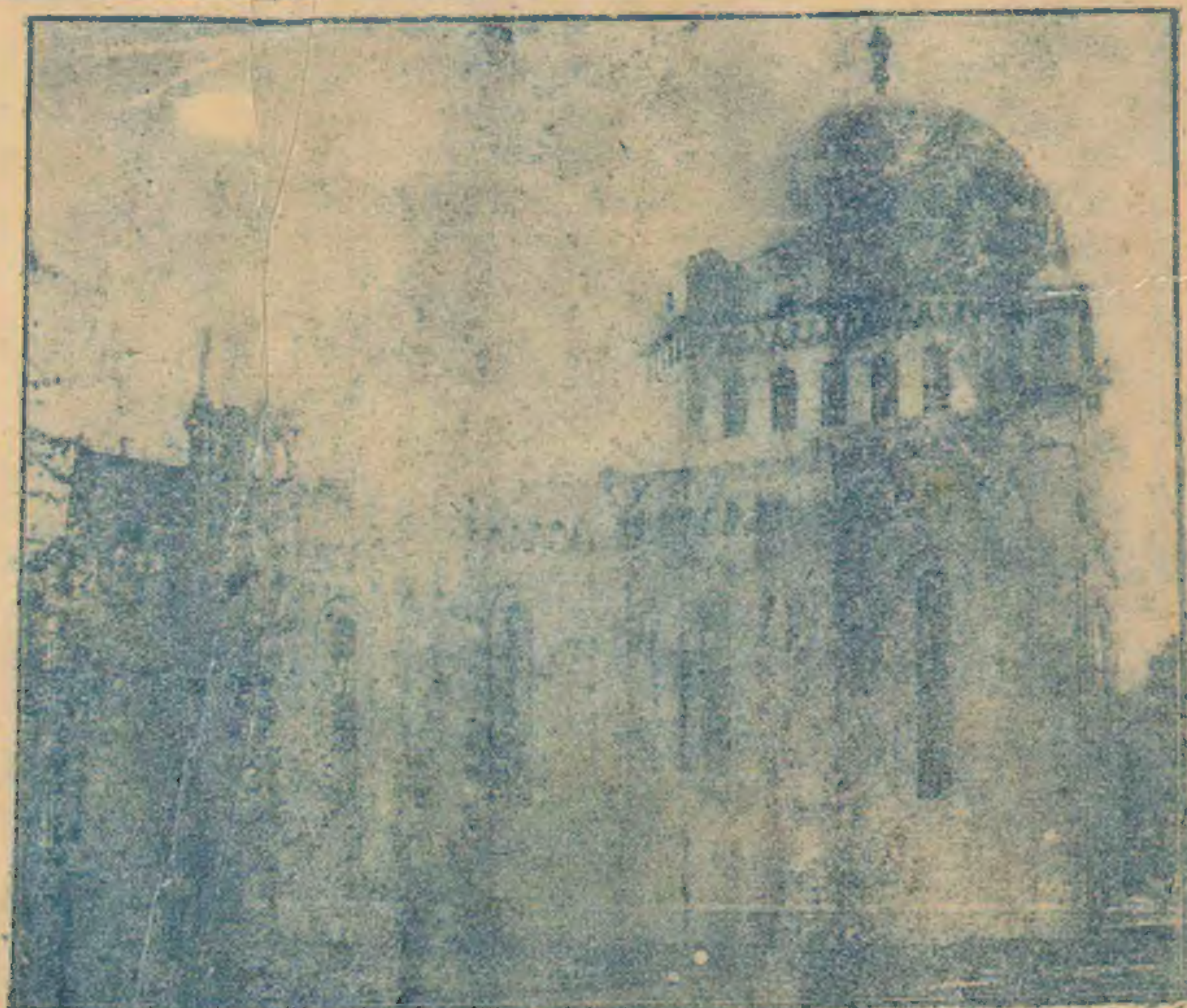
مرکز تثلیث میں خدائے واحد کی پہلی عبادت گاہ - یعنی مسجد احمدیہ لنڈن کا ایک رُخ

الفضل کا خاتم النبیین نمبر ۱۹۳۱ء

حجم: صفحات ۶۴

قیمت: چار آنہ (4 ANNAS)

فہرست مندرجات

مردوں کے مضامین

خواتین کے مضامین

نظمیں

الفضل — خاتم النبیین نمبر

نمبر ۵۶ | قادیان دارالامان مورخہ ۸ نومبر ۱۹۳۱ء | جلد ۱۹

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم — نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ — ھو الناصر

حریتِ انسانی کا قائم کرنے والا رسول صلے اللہ علیہ وسلم

(حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے قلم سے)

غلامی کا سوال ایک پیچیدہ سوال ہے۔ کہ بہت ہی کم لوگوں نے اس کو سمجھا ہے۔ اور بہت ہی کم لوگوں نے اسے سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ بلکہ افسوس ہے۔ کہ اکثر لوگوں نے اس سوال کی پیچیدگی کو بھی محسوس نہیں کیا۔ اور بغیر غور اور فکر کے اس کے متعلق رائے قائم کرنی شروع کر دی ہے۔ غلامی نہ ہر زمانہ اور ہر ماحول میں بُری قرار دی جا سکتی ہے اور نہ اسے کوئی شخص ایک جنبش قلم سے روک سکتا ہے۔ جو شخص بھی نیچر کا یا ماضی کے ایک لمبے سلسلے کے پیدا کئے ہوئے ماحول کا مقابلہ کرنا چاہتا ہے۔ بغیر اس کے کہ اصولی طور پر اس کی تمام جزئیات کا علاج کرے۔ وہ یقیناً اپنے ہاتھ سے اپنی ناکامی کی بنیاد رکھتا ہے اور عارضی طور پر اگر وہ دُنیا کی نگاہوں میں مقبول بھی ہو جائے تو ہو جائے۔ لیکن ضرور ایک زمانہ ایسا آئیگا۔ کہ اس کا حسن بدصورتی اور اس کی کامیابی ناکامی نظر آنے لگے گی۔

انسانی تمدن کے مدارج کا ایک درجہ

اگر ہم غلامی کے سوال پر ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ اور اس بات کو نظر انداز کر دیں۔ کہ لوگ ہمیں کیا کہیں گے اور ناسوں پیدا ہونے والے لوگ جو حقیقت پر غور کرنے کے عادی نہیں۔ ہم پر کیا فتوے لگائیں گے۔ تو ہمیں معلوم ہوگا۔ کہ غلامی درحقیقت انسانی تمدن کے مدارج کے وسیع سلسلے میں سے ایک درجہ ہے۔ اور اسے کلی طور پر دُنیا سے مٹایا نہیں جا سکتا۔

غلامی کا مفہوم

غلامی کا کیا مفہوم ہے۔ یہی کہ ایک شخص دُوسرے کی مرضی کے پُورے طور پر تابع ہو جاتا ہے۔ یا تابع کر دیا جاتا ہے۔ اب اگر ایک شخص کا دُوسرے کی مرضی کے تابع ہو جانا ایک بُرا فعل ہے۔ تو جس طرح کلی طور پر تابع ہونا بُرا فعل ہے۔ اسی طرح جزئی طور پر تابع ہونا بھی بُرا فعل ہوگا۔

جزئی غلامی

لیکن ہم دیکھتے ہیں۔ کہ دُنیا کا سب کارخانہ اس جزئی غلامی پر قائم ہے۔ بچہ جس وقت سکول میں جاتا ہے۔ سکول کے نظام کے ماتحت ہوتا ہے۔ اس نظام کے قائم کرنے میں اس سے کوئی رائے نہیں لی جاتی۔ اس کے اوقات کے متعلق اس سے کوئی رائے نہیں لی جاتی۔ اس کے استادوں کے انتخاب میں اس سے کوئی رائے نہیں لی جاتی۔ اگر وہ اس نظام کو توڑتا ہے۔ تو اسے بدنی سزا تک بھی دی جاتی ہے۔ اب اس بچہ میں اور ایک غلام میں کیا فرق ہے۔ یہی نہ کہ غلام چوبیس گھنٹے کا غلام ہوتا ہے۔ اور یہ صرف پانچ چھ گھنٹے کے لئے غلام بنتا ہے۔ اور یا یہ فرق ہے۔ کہ غلام کی خدمات کا نفع دُوسرا شخص اٹھاتا ہے۔ اور اس طالب علم کی خدمت کا نفع خود اسی کو پہونچتا ہے۔ مگر جبر اور نظام کی اندھا دھند پابندی جو غلامی کے مفہوم کا جزو اعلیٰ ہے۔ وہ یہاں بھی موجود ہے۔

غلامی کی تمام صورتیں بُری نہیں

پس ہم اس نظارہ کو دیکھ کر یہ تو کہہ سکتے ہیں۔ کہ سارے وقت کی غلامی۔ اور وہ غلامی جو دوسرے کے فائدہ کے لئے ہو۔ بُری ہے۔ لیکن وہ غلامی جو عارضی ہو۔ اور اس کا فائدہ خود ہم کو پہونچتا ہو۔ وہ بُری نہیں۔ لیکن یہ نہیں کہہ سکتے۔ کہ غلامی اپنی ذات سورتوں میں بُری ہے۔

بچہ کی غلامی

طالب علم سے بھی بڑھ کر ہم کو ایک اور غلامی معلوم ہوتی اور وہ وہ غلامی ہے جو بچوں سے ماں باپ کرتے ہیں۔ اپنی جوانی کے زمانہ تک کلی طور پر اپنے ماں باپ کی مرضی کا تابع ہوتا ہے۔ اگر کماتا ہے۔ تو اس کے مالک اس کے ماں باپ ہونگے۔ اگر وہ گھر کے کام کاج میں مدد دیتا ہے۔ تو اس کی قیمت نہیں لگائی جاتی۔ گھر کے نظام میں اس کی کوئی رائے نہیں ہوتی۔ کھانے پینے، پہننے کے متعلق وہ اپنے ماں باپ کا تابع ہوتا ہے۔ اس کی آئندہ زندگی کی داغ بیل ڈالنے کے لئے اس سے کوئی رائے نہیں پوچھی جاتی۔ اس کے ماں باپ اس کے لئے ایک پروگرام بناتے ہیں۔ اور اس پر اسے چلاتے ہیں۔ غرض کیا اطاعت کے لحاظ سے۔ کیا حریتِ ضمیر کے لحاظ سے کیا ملکیت کے لحاظ سے اور کیا آزادیٔ اعمال کے لحاظ سے ہر انسان دس بارہ سال کی عمر تک کلی طور پر اپنے ماں باپ کے ماتحت ہوتا ہے۔ اور اس میں اور ایک غلام میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

کونسی غلامی بُری ہوتی ہے

اگر کوئی شخص کہے۔ کہ بچہ کو ماں باپ نہایت پیار اور محبت سے رکھتے ہیں۔ جو خود کھاتے ہیں۔ اس کو کھلاتے ہیں۔ جو پہنتے ہیں۔ اس کو پہناتے ہیں۔ پھر بچہ کا بچپن کا زمانہ سمجھ کا نہیں ہوتا۔ اگر اس کو آزاد چھوڑ دیا جائے۔ تو اس کے اور دُنیا کے لئے نقصان کا موجب ہوگا۔ اس کے ماں باپ جن باتوں کے لئے مجبور کرتے ہیں وہ خود اس کے فائدہ کے لئے ہوتی ہیں۔ تو میں کہوں گا۔ کہ معلوم ہوا۔ غلامی اُسی وقت بُری ہوتی ہے۔ جب اپنے میں اور غلام میں کوئی فرق کیا جائے۔ اور غلام کے فائدہ کا پروگرام مدنظر نہ رکھا جائے۔ جب غلام کی عقل پختہ اور فہم صحیح ہو۔ مگر باوجود اس کے اس کو مجبور کیا جائے۔ ورنہ بچے۔ اور ماں باپ کے تعلقات کو دیکھتے ہوئے بغیر قیود غلامی کو بُرا نہیں کہا جا سکتا۔

ملازموں کی غلامی

تیسری قسم کی غلامی کی مثال ملازمتوں میں ملتی ہے۔ ملازمتوں میں انسان بعض دفعہ یا بعض اعمال میں کلی طور پر دوسرے کے ماتحت ہوتا ہے۔ یا بعض اوقات میں کلی طور پر دوسرے کے تابع ہوتا ہے۔ مگر اس کا نام کوئی غلامی نہیں رکھتا۔ حالانکہ ملازمت میں اور غلامی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ شائد یہ کہا جائے۔ کہ ملازم اپنی مرضی سے دوسرے کی ملازمت اختیار کرتا ہے اس لئے وہ غلام نہیں ہوتا۔ اور غلام پر جبراً قبضہ کیا جاتا ہے۔ اس لئے ہم اس کو خادم سے الگ سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ امتیاز صحیح نہیں

اس لئے کہ اس امتیاز کے ماتحت یہ تسلیم کرنا ہوگا۔ کہ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو اپنی مرضی سے فروخت کرے۔ تو ایسے شخص کا غلام بنانا جائز ہے۔ لیکن اگر یہ بھی نہ مانا جائے۔ تو ماننا پڑے گا۔ کہ مرضی کی غلامیاں بھی غلامیاں ہیں۔ اگر کوئی کہے۔ کہ غلام اور ملازم میں یہ فرق ہے۔ کہ نوکر ملازمت چھوڑ سکتا ہے۔ لیکن غلام ایسا نہیں کرسکتا۔ تو ہمیں یوں کہنا پڑے گا۔ کہ وہ غلامی بُری ہے۔ جس کا اپنی مرضی سے اُتارا نہ جاسکے۔ لیکن وہ غلامی حقیقی نہیں ہے کا طوق ہم اپنی مرضی سے اپنی گردن سے اتار سکیں۔

غلامی تمدن انسانی کا جزو لاینفک

بہرحال اوپر کی مثالوں سے یہ ضرور ثابت ہے کہ غلامی تمدنِ انسانی کا ایک جزو لاینفک ہے۔ اور یہ کہ غلام مفہوم اس وقت تک دنیا میں نہایت مبہم رہا ہے۔ اگر ہم تشریح کریں۔ تو ہمیں دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ماننی ہوگی یا تو یہ ماننا پڑے گا۔ کہ دُنیا میں غلامی موجود ہے۔ اور موجود رہے گی۔ اور اس کے بغیر دُنیا کا گزارہ چل نہیں سکتا۔ اور یا یہ ماننا پڑے گا۔ کہ غلامی بھی دُنیا کی اور چیزوں کی طرح بعض حالات میں اچھی ہوتی ہے۔ اور بعض حالات میں بُری۔ بعض شرطوں کے ساتھ جائز اور اُن شرطوں کے بغیر ناجائز۔ بغیر قیود کے نہ اُس کی مذمت کرسکتے ہیں۔ اور نہ اُس کو جائز قرار دے سکتے ہیں۔

دُنیا میں غلامی کی بُنیاد کس طرح پڑی

اس تمہید کے بعد میں یہ بتانا چاہتا ہوں۔ کہ غلامی کی بنیاد دُنیا میں کس طرح پڑی۔ انسانی تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ انسانی پیدائش کی ابتداء میں جبکہ انسانی دماغ زیادہ پختہ نہیں تھا۔ اور جبکہ اخلاق کی باریکیوں سے بھی انسان ناواقف تھا۔ اور ان کی عادت اس میں نہ پڑی تھی۔ اس وقت جبکہ ایک انسان دوسرے انسان کو اپنے رستہ میں روک پاتا تھا۔ تو اس روک کے دُور کرنے کا وہ صرف ایک ہی علاج سمجھتا تھا۔ وہ علاج یہ تھا کہ اپنے مدِمقابل کو قتل کر ڈالے۔ کیونکہ اس دَور میں ابھی انسان میں یہ سمجھنے کی قابلیت نہ تھی کہ جب ایک دوسرا شخص مجھے اپنے رستہ سے ہٹانا چاہتا ہے تو بغیر اس کے کہ میں اس شخص کو اپنے رستہ سے ہٹا دوں۔ میری حفاظت کا اور کونسا رستہ ہوسکتا ہے۔ پس اُس زمانہ میں قتل ایک علاج تھا۔ جو خود حفاظتی کا ایک انتہائی کامل ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ اُس زمانہ میں وہ قتل جو لڑائی کے نتیجہ میں ہو کسی صورت میں بھی معیوب نہ تھا کیونکہ جو شخص اپنے دشمن کو قتل نہ کرتا۔ وہ یقیناً خود قتل کیا جاتا۔ سوائے اس صورت کے کہ باہمی صلح ممکن ہو۔ پس اس زمانہ میں نیک اور بد اقوام جب کسی دوسری قوم سے جنگ کرنے پر مجبور ہوتی تھیں۔ تو وہ جب صلح کا امکان نہ ہوتا تھا۔ تو نہ صرف جنگ میں اپنے دشمنوں کو مارتی تھیں۔ بلکہ جنگ کے بعد بھی جو دشمن ہاتھ آتے۔ ان کو قتل کر دیتی تھیں۔ اُس وقت کے حالات کے ماتحت یہ باتیں بُری نہ تھیں۔ بلکہ خود حفاظتی کے قانون کے ماتحت نہایت ضروری تھیں۔ اور اُس وقت کے معیارِ اخلاق کے ماتحت صرف وہی اقوام ظالم کہلاتی تھیں۔ جو عورتوں اور بچوں کو بھی مار ڈالتی تھیں۔

اس کے بعد ایک نیا دَور چلا۔ اور اخلاق کا معیار بلند ہوگیا۔ اب یہ فرق کیا جانے لگا۔ کہ صرف وہی شخص مارے جانے چاہئیں۔ جو فتنوں کے بانی ہوں۔ باقی لوگوں کو اگر ایسی صورت میں زندہ رکھا جاسکے۔ کہ وہ ہماری تباہی کا موجب نہ ہوں تو انہیں زندہ رہنے کا موقعہ دینا چاہیئے۔ چونکہ ابھی دُنیا کا تمدن کامل نہیں ہوا تھا۔ اور نظامِ حکومت ایسا پیچیدہ نہ تھا۔ جیسا کہ اس زمانہ میں ہے۔ اس زمانہ میں یہ انتظام کیا گیا۔ کہ جس قوم سے جنگ ہو۔ اس کے افراد کو قید کر لیا جائے۔ اور چونکہ نہ حکومت قیدیوں کا خرچ برداشت کرسکتی ہے۔ اور نہ اُن کے لئے قید خانے مہیا کرسکتی ہے۔ اس لئے انہیں ملک کے مختلف افراد کے قبضہ میں دے دیا جائے۔ کہ وہ ان کی نگرانی رکھیں۔ اور اس خرچ کے بدلہ میں جو انہیں ان قیدیوں پر کرنا پڑے۔ اُن سے کام لیا جائے۔ چونکہ اُس وقت کا نقطۂ نگاہ یہی تھا۔ کہ ہمارا ہر دشمن درحقیقت ہمارا آئندہ قاتل ہے۔ اس لئے جب کوئی اس قسم کا قیدی بھاگتا تھا۔ تو اس کے معنی یہی لئے جاتے تھے کہ یہ اپنے علاقہ میں جاکر پھر ہمارے خلاف لڑائی کا جوش پیدا کرے گا۔ اور ہمیں قتل کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس لئے اس زمانہ کے نقطۂ نگاہ سے ہر قیدی جو بھاگتا تھا۔ اسے قتل کیا جاتا تھا۔ اور اگر ہم اُس وقت کے نقطۂ نگاہ سے اس سوال پر نظر ڈالیں۔ تو ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ گو آج یہ فعل ظالمانہ نظر آئے۔ مگر اُس وقت کے حالات کے ماتحت سوسائٹی کی حفاظت کے لئے یہ ایک ضروری فعل تھا۔

صنعت و حرفت کی داغ بیل کس طرح رکھی گئی۔

دُنیا نے اس کے اوپر پھر ترقی کی۔ اور غلاموں کے وجود کو تمدن کا ایک جزو بنا لیا۔ یعنی وہ پیشے جن میں مشاقی۔ صبر۔ استقلال اور لمبی محنت کے نتیجے میں پیدا ہوتی تھی۔ ان قیدیوں یعنی غلاموں کے سپرد کئے گئے۔ اور اس طرح صنعت و حرفت جو اس وقت تمدن و ترقی کی بنیاد سمجھے جاتے ہیں۔ داغ بیل رکھی گئی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ قدیم الایام سے صنعت و حرفت ذلیل پیشے خیال کئے جاتے ہیں۔ اور اہلِ صنعت و حرفت دوسری قوموں کی نسبت ادنےٰ خیال کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ جو کام کلی طور پر غلاموں کے سپرد ہوگئے۔ وہ لازماً غلاموں سے تعلق رکھنے کی وجہ سے حقیر خیال کئے جانے لگے۔ اُس زمانہ میں صنعت و حرفت سے تعلق رکھنا گویا اپنے غلام ہونیکا ثبوت دینا تھا۔ جب غلامی کا دَور کم ہُوا۔ اور صنعت و حرفت کو آزاد لوگوں نے بھی اختیار کر لیا۔ تو بوجہ اس کے کہ اکثر پیشہ ور جو گو خود غلام نہ تھے۔ مگر غلاموں کی اولاد تھے۔ حقیر خیال کئے جاتے تھے۔ اور ان کی وجہ سے دوسرے لوگ بھی جو ان کی طرح پیشہ اختیار کرتے تھے۔ ذلیل سمجھے جاتے تھے۔

غلامی کی بنیاد ظلم پر نہیں بلکہ رحم پر رکھی گئی

مذکورہ بالا تاریخی واقعات سے یہ معلوم ہوگا۔ کہ غلامی کی بنیاد ظلم پر نہیں۔ بلکہ رحم پر رکھی گئی ہے۔ اور اس کے قیام کا اصل محرک جنگ میں شامل ہونے والے لوگوں کو قتل ہونے سے بچانے کا خیال تھا۔ جس وقت تک لوگوں کی یاد میں پہلا نقطۂ نگاہ تازہ رہا۔ اس وقت تک تو لوگ اس تحریک کو نیک اور ترقی کی طرف ایک صحیح قدم سمجھتے رہے۔ جب ایک لمبے عرصہ کے بعد پہلا نقطۂ نگاہ بھول گیا۔ تو پھر یہی فعل ایک سزا سمجھا جانے لگا۔ خصوصاً جبکہ انسانی دماغ ترقی کر رہا تھا۔ اور اخلاق کی مزید باریکیاں معلوم ہونے کے سبب سے ایک حصہ انسانوں کا اس بات کی طرف مائل تھا۔ کہ اپنے دشمن کے شر سے بچنے کے لئے اور ذرائع بھی اختیار کئے جاسکتے ہیں۔ پس ہمیں اُن کی تلاش کرنی چاہیئے۔

غلامی کی ناجائز صورتیں

غلامی کی ان صورتوں کے علاوہ جو کہ اپنے اپنے وقت میں جائز تھیں۔ بعض ناجائز صورتیں بھی پیدا ہوگئیں۔ مثلاً یہ کہ جب لوگوں نے دیکھا۔ کہ لوگوں کو غلاموں سے کام لینے کی عادت ہوگئی ہے۔ اور وہ ان کے لئے بڑی بڑی رقمیں ادا کرتے ہیں۔ تو انہوں نے آزاد لوگوں کو یا ان کے بچوں کو پکڑ پکڑ کر بیچنا شروع کیا۔ اور ایک ملک سے پکڑ کر دوسرے ملک میں لے جاکر بیچ دیتے تھے۔ اور اس طرح لاکھوں روپیہ کماتے تھے۔ یہ صورت انسانی تمدن کے مختلف دَوروں میں کبھی بھی معقول نہیں سمجھی گئی اور ہمیشہ اسے ناپسندیدہ اور نامناسب ہی قرار دیا گیا۔

چونکہ غلامی کی ابتداء اس خیال پر تھی۔ کہ انسان کو غلام اُس کے فائدہ کے لئے بنایا جاتا ہے۔ یعنی اس کو قتل سے بچانے کے لئے۔ اس لئے اس نقطۂ نگاہ کے ماتحت دُنیا میں ایک اور طریق غلامی کا بھی ایجاد ہوگیا۔ کہ بعض لوگ خود اپنے آپ کو۔ یا اپنے بچوں کو بیچ ڈالتے تھے۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے۔ کہ ایک مالدار آدمی کے پاس فروخت ہوجانے پر ان کی یا ان کے بچوں کی حالت اچھی ہوجائے گی۔ جہاں تک میں خیال کرتا ہوں۔ اس زمانہ کے نقطۂ نگاہ کے ماتحت یہ بات بھی کوئی معیوب نہ تھی۔ کیونکہ عمر بھر بھوکے رہنے بیماریوں میں مبتلا رہنے اور اپنے بیوی بچوں کو بھوکا تڑپتے دیکھنے سے یہ بات اس وقت کے تمدن کے لحاظ سے بہتر معلوم ہوتی تھی۔ کہ کوئی شخص اپنی ساری عمر کی خدمت کا اقرار ایک شخص سے کرے

اور اس کے بدلہ میں کوئی دُوسرا شخص اس کی رہائش اور اس کے کھانے پینے کا ذمہ وار ہو۔

میری تمہید اور غلامی کی تاریخ پر غور کرنے سے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ کہ انسانی سوسائیٹی پر بعض دُور ایسے آتے ہیں۔ جبکہ غلامی ضروری ہو جاتی ہے۔ اور یہ کہ غلامی کے اصل نقائص یہ ہیں:۔

۱۔ کہ انسان کی آزادی بالکل مسلُوب ہو جائے۔

۲۔ اس کی قید اس کے فائدہ کے لئے نہ ہو۔

۳۔ جبکہ انسان کو اس وقت مجبُور کیا جائے۔ کہ وُہ اپنی بُرائی اور بھلائی پہچان سکتا ہو۔

۴۔ جبکہ آزادی کا حصُول اس کے اختیار میں نہ ہو۔

۵۔ جبکہ غلام اور آقا کے تعلقات کی بنیاد حسن سلوک پر نہ ہو۔

غلامی کس طرح مٹ سکتی ہے

اگر کوئی ایسا قانون ہو۔ جو ان سب باتوں کا لحاظ کرے تو وُہی قانون صحیح طور پر غلامی کو دُنیا سے مٹا سکے گا۔ کیونکہ جب تک غلامی کی ضرورتوں کو جو بعض دفعہ ایک آزاد انسان کو بھی غلام بننے پر مجبُور کر دیتی ہیں۔ دُور نہ کیا جائے۔ اس وقت تک غلامی کلی طور پر دُنیا سے نہیں مٹ سکتی۔ اور جب تک ایسے لوگ کو جو اپنے نفس کو قابُو میں نہ رکھ سکیں۔ اور دُنیا کے تمدن کے تختے کو اُلٹنے کی کوشش میں ہوں۔ اُن کو خطرناک جرائم کی سزا میں بعض قیود اور حدبندیوں کے نیچے نہ لایا جائے۔ اس وقت تک نہ غلامی مٹ سکتی ہے۔ نہ دُنیا میں امن قائم ہو سکتا ہے۔

غلامی کو مٹانے کے اصول رسُول کریمؐ نے بیان کئے

افسوس کہ ان امُور کو مدنظر رکھے بغیر دُنیا نے غلامی کو مٹانا چاہا ہے۔ اور بغیر مغز کے ایک قشر تیار کر کے اس پر خوش ہو رہی ہے۔ حالانکہ غلامی اب بھی موجُود ہے۔ اور موجود رہے گی۔ اس کی بعض صورتیں مٹائی نہیں جاسکتیں۔ اور مٹائی نہیں جاسکیں گی۔ کیونکہ وُہ اچھی صورتیں ہیں۔ بُری نہیں۔ اور بعض صورتیں ظاہراً مٹا دی گئی ہیں۔ حقیقتاً موجُود ہیں۔ اور اس وقت تک موجود رہینگی جب تک کہ سوسائٹی کے تمدن کی بُنیاد ان اصول پر نہ رکھی جائیگی جن سے غلامی کی رُوح مٹ سکتی ہے۔ اور وُہ اصول صرف۔ اور صرف اسلام نے بیان کئے ہیں۔ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی بنیاد رکھی ہے۔

سر ولیم میور کا اعتراض

باوجُود اس کے سر ولیم میور جیسے ناواقف لوگ یہ سکتے ہیں۔ کہ:۔

"معمُولی اہمیت والے معاملات کو نظر انداز کر کے اسلام سے تین بہت بڑے عیب پیدا ہُوئے ہیں۔ جو ہر ملک اور ہر زمانہ میں رائج رہے ہیں۔ اور اس وقت تک رہیں گے جب تک کہ قرآن پر مسلمانوں کے ایمان کی بنیاد ہے۔ اول کثرتِ ازدواج طلاق اور غلامی کے مسائل۔ یہ پبلک کے اخلاق کی جڑ پر تبر رکھتے ہیں۔ اور اہلی زندگی کو زہر آلود بناتے ہیں۔ اور سوسائیٹی کے نظام کو تہ وبالا کرتے ہیں" (لائف آف محمد باب ۳۷ صفحہ ۵۲۲ مصنفہ سر ولیم میور)

مگر حقیقت یہی ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ سے ہی ان تینوں عیُوب کے دُور کرنے کا طریق بتایا ہے۔ اس طریق کو نظر انداز کر دو۔ تو یقیناً ایک عیب کی اصلاح کرتے ہُوئے دُوسرا عیب پیدا ہو جائے گا۔ اور اس کی اصلاح کرتے ہُوئے پھر تیسرا پھر چوتھا۔ اور ایک گڑھے سے بچنے کی کوشش میں انسان دوسرے گڑھے میں گرے گا۔ جو پہلے سے بھی زیادہ گہرا ہوگا۔ یہاں تک کہ وہ مجبُور ہو کر اس طریق کی طرف لوٹے گا۔ جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا تعالیٰ کے حکم سے قائم کیا۔

غلامی کے متعلق اسلام کی کامل تعلیم

مَیں وُہ اصُول بیان کر چکا ہوں۔ جن کی بناء پر انسانی آزادی پر قید لگانی پڑتی ہے۔ اور وُہ اصول بھی بیان کر چکا ہوں۔ جن کی بناء پر انسانی آزادی پر قید لگانا ضروری ہے۔ اور میں یہ بھی بیان کر چکا ہوں۔ کہ غلامی کی حقیقی تعریف یہی ہے۔ کہ انسان کی آزادی کو سلب کر کے اس کو بعض قیود کا پابند کر دیا جائے۔ اگر ان تینوں امُور کے متعلق میری رائے صحیح ہے۔ اور جہاں تک میرا مطالعہ اور میرا علم جاتا ہے۔ میں کہہ سکتا ہوں۔ کہ غلامی کے متعلق اصولی طور پر غور کرنے والے تمام لوگ ان تینوں باتوں میں مجھ سے متفق ہیں۔ تو میں کہہ سکتا ہوں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلامی کے متعلق جو تعلیم دی ہے۔ اس کے کامل اور اکمل ہونے کے متعلق کسی شخص کو کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

غلامی کو اسلام نے کس طرح مٹایا

پہلے میں غلامی کی ان اقسام کو لیتا ہوں۔ جو غلامی کے مشہور طریق سے جدا ہیں۔ پہلا طریق یہ ہے۔ کہ کسی آزاد کو زبردستی پکڑ کر بیچ ڈالا جائے۔ اس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تعلیم دی ہے۔ کہ آزاد کو فروخت کرنے والا واجب القتل ہے۔ چنانچہ نجد کے کچھ عیسائیوں نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ ہمیں بعض ہماری ہمسایہ قوموں نے بغیر کسی جنگ کے قید کر کے غلام بنایا ہُوا ہے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو آزاد کر دیا۔ اور فرمایا۔ کہ اگر یہ جُرم اسلام سے پہلے کا نہ ہوتا۔ تو میں اسلامی احکام کے مطابق ان آزادوں کے قید کرنے والوں کو قتل کی سزا دیتا۔ جو شخص اس قسم کی غلامی کے نتائج پر غور کرے۔ وُہ اس بات کو تسلیم کئے بغیر نہیں رہے گا۔ کہ اس رنگ میں انسان کو قید کر کے اس کے بیوی بچوں اور وطن سے جُدا کر دینا ایک نہایت ہی قبیح فعل ہے۔ اور اس کی سزا یقیناً قتل ہی ہونی چاہیئے۔ کیونکہ ایسا شخص ہزاروں جانوں کو قتل کرتا ہے۔

دُوسرا طریق

دُوسرے ایک ناجائز طریق دُنیا میں غلامی کا یہ تھا۔ کہ غلام بنانے کے لئے اپنی ہمسایہ قوم پر حملہ کر دیتے۔ یا مال و دولت لوٹنے کیلئے حملے کرتے تھے۔ اور ساتھ ہی آدمیوں کو غلام بنا لیتے تھے۔ اسلام نے اس کو بھی رد کیا۔ اور یہ قاعدہ بنا دیا۔ کہ کسی قوم کو دوسری قوم پر اس وقت تک حملہ کرنے کا حق نہیں جب تک کہ وُہ یہ ثابت نہ کر دے۔ کہ اس کے بعض حقوق اس قوم نے تلف کر دیئے ہیں۔ اور جب تک کہ ہمسایہ قوموں کو اس بات کا موقعہ نہ دیا جائے کہ وُہ دونوں فریق میں اصلاح کی کوشش کریں۔ لیکن ایسی جنگ کے بعد بھی غلام بنانے کی اجازت نہیں۔ صرف اس بات کی اجازت ہے۔ کہ جس حق پر لڑائی تھی۔ وُہ اس کو دلا دیا جائے۔ یا جو اخراجات جنگ اس پر ہوئے ہیں۔ وُہ اس کو کلی طور پر یا ان کا کچھ حصہ دلا دیا جائے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰۤى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ۔

(سورۃ الحجرات رکوع اوّل) اور اگر مومنوں سے دو قومیں آپس میں لڑنے پر آمادہ ہوں۔ تو ان میں صُلح کرا دو۔ پھر اگر اس صُلح کے بعد بھی ایک دُوسری کے خلاف زیادتی سے کام لے۔ تو جو قوم زیادتی کرتی ہے۔ اس کے خلاف سب قوموں کو مل کر جنگ کرنی چاہیئے۔ یہاں تک کہ وُہ اللہ تعالےٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے پھر اگر وُہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ تو دوبارہ ان میں عدل و انصاف سے صلح کرا دو۔ اللہ تعالیٰ یقیناً انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے۔ کہ اسلام نے دُنیوی جھگڑوں میں یُونہی حملہ کر دینے کی اجازت ہی نہیں دی۔ بلکہ سب سے پہلے دُوسری اقوام کو بیچ میں ڈال کر صُلح کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگر کوئی قوم دوسری قوم کا حق دینے کے لئے تیار نہ ہو۔ تو پھر سب قوموں کو اُس کے خلاف جنگ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور لڑائی کا انجام پھر صُلح پر رکھا ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے۔ کہ غلامی۔ یا دُوسرے کے حقُوق کے غصب کرنے کی صورت بالکل ناممکن ہو جائے گی۔

یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ اس جگہ مومنوں کے متعلق احکام ہیں۔ مومنوں کا لفظ صرف اس لئے بیان کیا گیا ہے۔ کہ مومن ہی قرآن کریم کے احکام کو مانیں گے۔ ورنہ اصولی طور پر دنیا کی سب قومیں ان احکام پر عمل کر سکتی ہیں۔ اور ان سے فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔

تیسرا طریق

تیسری صورت جو غلامی کے عام مشہور قاعدہ کے علاوہ دُنیا میں رائج ہو گئی تھی۔ یہ تھی۔ کہ لوگ اپنے آپ کو یا اپنے بیوی بچوں کو بیچ ڈالا کرتے تھے۔ اسلام نے اس طریق کو بھی بالکل روک دیا ہے۔ اور ایک عام حکم دے دیا ہے۔ کہ کسی آزاد کو غلام نہیں بنایا جاسکتا۔ خواہ اس کی مرضی سے یا بغیر مرضی کے۔ لیکن میں بتا چکا ہُوں۔ کہ بعض حالات میں آزادی سے غلامی بہتر ہوتی ہے۔ ایک آزاد شخص جو بیمار ہے۔ یا جسے کوئی ملازمت کا کام نہیں مل سکتا یا اور کوئی اسی قسم کی بات پیدا ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے وُہ روزی نہیں کما سکتا۔ وُہ آزاد رہتے ہُوئے جو تکلیف اٹھائیگا۔ بعض حالات میں غلامی میں اس سے کم تکلیف پہونچے گی۔ اسی طرح جو تکلیف اس کے بچے اس کے پاس اٹھائیں گے۔ بالکل ممکن ہے۔ کہ بعض حالات ایسے پیدا ہو جائیں۔ کہ غلامی میں اس سے کم تکلیف اسے پہونچے۔ پس یہ حکم کہ کوئی شخص خود اپنے آپ کو یا اپنے بچوں کو نہیں بیچ سکتا۔ اس وقت تک مفید اور قابلِ عمل نہیں کہلا سکتا۔ جب تک کہ ان مشکلات کا بھی علاج نہ سوچا جائے۔ جو اس حالت میں پیدا ہوتی ہیں۔ اس زمانہ میں تمدنی ترقی کے ماتحت اس حکم کو تو لوگوں نے اختیار کر لیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ جو مشکلات وابستہ ہیں۔ اُن کا کوئی علاج نہیں کیا۔ مگر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا علاج بھی بتایا ہے اور وُہ یہ ہے۔ کہ اسلامی حکومت میں ہر فرد کا کھانا مہیا کرنا۔ اور اس کا ضروری لباس۔ اور اس کے لئے رہائش کا انتظام حکومت پر یا بالفاظ دیگر ساری قوم پر واجب قرار دیا گیا ہے۔ اور اس طرح اس ضرورت کو جو آزاد کو غلام بنانے پر مجبور کرتی ہے۔ باطل کر کے غلامی کی ایک شق کا قلع قمع کر دیا گیا ہے ؎

دُنیوی جنگوں میں کسی کو غلام نہیں بنایا جاسکتا

اس کے بعد اب میں وُہ صُورت لیتا ہوں۔ جو غلامی کی بارز صُورت سمجھی جاتی رہی ہے۔ اور جو یہ ہے۔ کہ کسی شکوہ یا شکایت پر دو قومیں آپس میں لڑ پڑیں۔ اور ان میں سے غالب آنے والی قوم مغلوب کے افراد کو قید کر کے اپنا غلام بنالے۔ اس قسم کی غلامی میں سے اسلام نے اُس غلامی کو تو اُڑا دیا ہے۔ جو دُنیوی جنگوں کے نتیجے میں رائج تھی۔ اور اس کے متعلق وہی تعلیم دی ہے۔ جو میں پہلے بیان کر چکا ہُوں۔ کہ اول تو دنیوی جنگیں نہ ہی ہوں۔ اور اگر ہوں۔ تو ان کا اختتام صلح پر ہونا چاہیئے۔ اور محض حقوق کے تصفیہ پر ہونا چاہیئے۔ اور غلام وغیرہ نہیں بنانے چاہئیں۔ ان جنگوں کا اصُول اسلام نے یہ رکھا ہے۔ کہ دُوسری بے تعلق قوموں کو بھی ان میں حصہ لینا چاہیئے۔ تا کہ کوئی قوم بھی تعدی نہ کر سکے

مذہبی جنگوں میں غُلام بنانے کی ممانعت

دُوسری قسم کی جنگیں مذہبی جنگیں ہیں۔ ان کے متعلق اسلام نے جو حکم دیا ہے۔ وُہ یہ ہے۔ لکم دینکم ولی دین ؕ اور فرمایا ہے۔ لا اِکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی یعنی ہر ایک کا دین اس کے ساتھ ہے۔ اور دلیل اور صحیح طریق عمل واضح کر دینے کے بعد کسی کو ایک دُوسرے پر جبر کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ اگر ہدایت کے ظاہر ہونے کے بعد بھی کوئی شخص ہدایت کو تسلیم نہیں کرتا۔ تو اس کا نقصان اس کو پہونچے گا۔ دُوسروں کو کوئی حق نہیں۔ کہ وُہ اس پر زور دیں۔ اور اُسے مجبُور کر کے اپنے مذہب میں داخل کریں۔ پس اپنا مذہب منوانے کے لئے جنگ کرنے کا سلسلہ اسلام نے بالکل روک دیا ہے۔ اور اس طرح حملہ کر کے غلام بنانے کا طریق دنیا سے مٹا دیا ہے ؎

مظلوم قوم کے لئے اجازت

گو چونکہ ضروری نہیں۔ کہ ہر شخص اسلام کی تعلیم پر عمل کرے۔ اور چونکہ مذہبی حملے عام طور پر کمزور قوموں پر ہُوا کرتے ہیں خصوصاً ایسے مذاہب کے پیروؤں پر جو جدید ہوتے ہیں۔ اور ان سے ہمدردی حملہ آور قوم کے علاوہ دُوسری قوموں میں بھی نہیں ہوتی۔ اس لئے دنیوی جنگوں کے متعلق جو قانون تھا۔ وُہ یہاں پر چسپاں نہیں ہو سکتا۔ ایسے موقعہ پر حملہ آور قوم کی ہم مذاہب اقوام یا وُہ اقوام جو اس کی ہم مذہب تو نہ ہوں۔ لیکن دوسری قوم کے مذہب سے شدید اختلاف رکھتی ہوں۔ اس مظلوم قوم کی تائید کے لئے کبھی نہیں نکلیں گی پس ضروری تھا۔ کہ اس مظلوم قوم کے ہاتھ میں کوئی ہتھیار دیا جاتا جس سے وُہ اپنے حقوق کی حفاظت کر سکتی۔ اور حملہ آور قوم کے دل میں بھی کوئی ڈر باقی رہتا۔ پس اس کے لئے اسلام نے یہ اجازت دی۔ کہ اگر ایک قوم اپنا مذہب منوانے کے لئے کسی دوسری قوم پر حملہ کرے۔ تو اس کے قیدیوں کے ساتھ عام جنگی قیدیوں کی نسبت کسی قدر مختلف سلوک کیا جائے۔ اور وُہ یہ سلوک ہے۔ کہ اس کے قیدیوں کو فروخت کرنے کی اجازت ہو۔ تاکہ وُہ مظلوم قوم جس پر حملہ کی وجہ ہی اس کا کمزور ہونا تھا۔ قیدیوں کی پرورش کے بار کے نیچے دب کر اور بھی تباہ نہ ہو جائے۔ اس صورت کا نام خواہ غلامی رکھ لو۔ خواہ قید کی کوئی دوسری نوعیت قرار دے لو۔ بہرحال اسلام نے اس کو جائز رکھا ہے۔ مگر کوئی عقلمند انکار نہیں کر سکتا۔ کہ ایک کمزور قوم پر اس غرض سے حملہ کرنے والا۔ کہ اسے اس کی واحد دولت یعنی تعلق باللہ سے محروم کر دے۔ اور شیطان کی ابدی غلامی میں دیدے۔ یقیناً اس بات کا مستحق ہے۔ کہ اسے بتایا جائے کہ آزادی کا چھن جانا کیسا تکلیف دہ ہے۔ جو شخص حریت ضمیر انسان سے چھینتا ہے۔ اگر اسے کچھ عرصہ کے لئے جسمانی حریت سے محروم رکھا جائے۔ تو یقیناً یہ سزا اس کے فعل سے کم ہے ؎

ضروری شرائط

باوجود اس کے کہ جس جرم کی سزا میں اسلام نے فردی قید کو جائز رکھا ہے۔ وُہ بہت شدید ہے۔ اور اس کی سزا بہت کم ہے۔ پھر بھی اس نے ایسی قیود مقرر کر دی ہیں۔ کہ جن کی وجہ سے یہ قید غلامی کے اس مفہوم سے باہر نکل جاتی ہے۔ جو عام طور پر دُنیا میں سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ اسلام نے ان قیدیوں کے لئے یہ شرائط مقرر کی ہیں ؎

۱۔ ہر شخص جس کے پاس وُہ قیدی رہیں۔ وُہ انہیں وہی کچھ کھلائے۔ جو خود کھاتا ہے۔ اور وہی کچھ پہنائے۔ جو خود پہنتا ہے ؎

۲۔ کوئی شخص انہیں بدنی سزا نہ دے ؎

۳۔ ان سے کوئی ایسا کام نہ لیا جائے۔ جو وہ کر نہ سکتے ہوں ؎

۴۔ ان سے کوئی ایسا کام نہ لیا جائے۔ جس کے کرنے سے مالک خود کراہت کرتا ہو۔ بلکہ مالک کو چاہیئے۔ کہ وُہ کام میں ان کے ساتھ شریک ہو ؎

۵۔ اگر وُہ آزادی کا مطالبہ کریں۔ تو انہیں فوراً آزادی دی جائے۔ بشرطیکہ وُہ اپنا فدیہ ادا کر دیں ؎

۶۔ فدیہ کی ادائگی میں بھی یہ شرط رکھی گئی ہے۔ کہ اگر کوئی گھر سے مالدار نہیں ہے۔ اور اس کے رشتہ دار فدیہ دے کر اسے نہیں چھڑا سکتے۔ تو وُہ مالک سے ٹھیکہ کر لے۔ کہ فلاں تاریخ تک اتنی قسطوں میں۔ میں یہ رقم ادا کر دُوں گا۔ اس سمجھوتے پر مالک مجبُور ہوگا۔ اور اسی دن سے یہ قیدی اپنے مال کا مالک سمجھا جائیگا اور جو کچھ کمائے گا۔ اس کا ہوگا۔ صرف اپنے وقت معین پر مقررہ قسط ادا کرتا رہے گا۔ جس دن اصل رقم ادا ہو جائے گی۔ یہ پورے طور پر آزاد سمجھا جائے گا ؎

۷۔ غلام کو حق دیا گیا ہے۔ کہ جب کوئی مالک اس کے ساتھ نامناسب سلوک کرتا ہو۔ تو وُہ مجبُور کر کے اپنے آپ کو فروخت کرالے ؎

آزادی سلب کرنے کی اجازت کس صُورت میں دی

ان قوانین سے یہ بات ثابت ہے۔ کہ اول اسلام نے انسانی آزادی سلب کرنے کی اسی وقت اجازت دی ہے جبکہ اس میں اپنی خیر و شر سمجھنے کی طاقت باقی نہ رہی ہو۔ گویا کہ اس کی مثال ایک بچہ کی سی ہے۔ کیونکہ جو شخص تلوار کے ذریعہ سے دُوسروں کو اپنا ہم خیال بنانا چاہتا ہے۔ وُہ انسان کی ذہنی ترقی کو جو اس کی پیدائش کا اصل مقصُود ہے۔ روکتا ہے۔ اور بنی نوع انسان کو اس عظیم الشان مقصد سے محروم کرنا چاہتا ہے۔ جس مقصد کے حصول کے لئے کروڑوں جانوں کا ضائع کر دینا بھی وُہ معمولی قربانی سمجھے ہیں۔ پس اس قسم کی نادانی کرنے والا انسان یقیناً بچوں سے بدتر ہے۔ اور یقیناً اس امر کا مستحق ہے۔ کہ ایک عرصہ تک اسے قید و بند میں رکھا جائے ؎

لیکن جس وقت حکومت ایسی کمزور ہو۔ کہ وُہ باقاعدہ سپاہی نہ رکھ سکتی ہو۔ اور قوم کے افراد پر جنگی اخراجات کی ذمہ واری فرداً

فرداً فرداً پڑتی ہو۔ اس وقت قیدیوں کے رکھنے کا بہترین طریق یہی ہو سکتا ہے۔ کہ ان کو افراد میں تقسیم کر دیا جائے۔ تاکہ وہ ان سے اپنے اخراجاتِ جنگ وصُول کر لیں۔ جب حکومت کی باقاعدہ فوج ہو۔ اور افراد پر جنگی اخراجات کا بار فرداً فرداً نہ پڑتا ہو۔ تو اس وقت جنگی قیدی تقسیم نہیں ہونگے۔ بلکہ حکومت کی تحویل میں رہیں گے۔

اِسلام نے غلامی کے نقائص کس طرح دور کئے

ماتحتی کی بُری صورتوں میں سے ایک یہ صورت تھی۔ کہ ماتحت کے ساتھ ذلت کا سلوک کیا جائے۔ اور اس وجہ سے غلامی بُری کہلاتی ہے۔ لیکن جب اسلام نے یہ حکم دیا ہے۔ کہ مالک جو خود کھائے۔ وہ غلام کو کھلائے۔ اور جو پہنے۔ وہ غلام کو پہنائے۔ اور اس سے وُہ کام نہ لے۔ جو اس کی طاقت سے باہر ہو۔ اور وُہ کام نہ لے۔ جو آقا اس کے ساتھ خود مل کر کرنے کے لئے تیار نہ ہو۔ اور اُسے مارے نہیں۔ اگر مارے تو وُہ خود بخود آزاد ہو جائے گا۔ تو ایسے غلام کی حالت ایک چھوٹے بھائی یا بچہ کی طرح ہے۔ اگر چھوٹا بھائی یا بچہ غلام نہیں کہلا سکتا۔ تو یہ شخص بھی غلامی کی عام تعریف سے باہر نکل آتا ہے۔

تیسرا نقص غلامی میں یہ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ انسان ہمیشہ کے لئے ایک بات کا پابند ہو جاتا ہے۔ اس کا بھی اسلام نے علاج کر دیا ہے۔ کیونکہ غلام کا حق رکھا ہے۔ کہ وُہ اپنا فدیہ دیکر آزاد ہو جائے۔ اور اگر وُہ اپنا فدیہ یکدم ادا نہیں کر سکتا۔ تو اپنے مالک سے قسطیں مقرر کرے۔ اور جس وقت وُہ قسطیں مقرر ہو جائیں۔ اسی وقت سے وُہ اپنے اعمال میں ویسا ہی آزاد ہوگا جیسا دُوسرا آزاد شخص۔ اور وُہ اپنے مال کا مالک سمجھا جائے گا پس ہر ایسا قیدی جو مذہبی جنگ میں گرفتار ہوتا ہے۔ اس کے لئے ممکن ہے۔ کہ وُہ آزادی حاصل کرے۔ اور جب آزادی کا حصُول اس کے اپنے اختیار میں ہے۔ تو اس قسم کی قید۔ غلامی کی ناجائز شقوں میں کس طرح شامل کی جا سکتی ہے۔ قرآن کریم نے غلام کے لئے دو ہی صورتیں رکھی ہیں۔ اِمَّا مَنًّاۢ بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً۔ مذہبی جنگ میں جب کوئی شخص قید ہو۔ تو یا اس کو بطور احسان چھوڑ دیں۔ یا فدیہ لے کر چھوڑ دیں۔ پس یہ صورت اسلام میں جائز ہی نہیں۔ کہ باوجود اس کے کہ کوئی شخص اپنا فدیہ پیش کرتا ہو۔ پھر اس کو غلام رکھا جائے۔ ہاں یہ ایک صورت رہ جاتی ہے۔ کہ نہ تو کوئی شخص فدیہ دے سکتا ہو۔ اور نہ مالک بغیر فدیہ کے آزاد کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔ کیونکہ بالکل ممکن ہے۔ کہ جو رقم اس نے جنگ میں خرچ کی تھی۔ اس نے اس کی مالی حالت کو خراب کر دیا ہو۔ ایسی صورت کے لئے قرآن کریم نے یہ اصول مقرر کیا ہے۔ کہ:-

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ۔

یعنی وُہ لوگ جو کہ تمہارے قیدیوں میں سے چاہتے ہوں۔ کہ ان کے ساتھ قسطیں مقرر کر لی جائیں۔ اور انہیں آزاد کر دیا جائے تو ان کے فدیہ کی رقم کی قسطیں مقرر کر لو۔ اگر تمہیں معلوم ہو۔ کہ وُہ روپیہ کمانے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ بلکہ چاہیئے کہ تم اللہ تعالےٰ نے جو کچھ تمہیں دیا ہے۔ اس میں سے ان کی مدد کرو۔ یعنی انہیں کچھ سرمایہ بھی دے دو۔ تاکہ اس کے ذریعہ سے روپیہ کما کر وُہ اپنا فدیہ ادا کرنے کے قابل ہو جائیں۔ جو لوگ اس کی بھی قابلیت نہ رکھتے ہوں۔ ان کے لئے اسلام نے نصیحت فرمائی ہے۔ کہ مالدار لوگ انہیں آزاد کرائیں۔ اور حکومت انہیں آزاد کرائے۔ لیکن جو لوگ کسی طرح بھی کمائی نہ کر سکتے ہوں۔ اور آزاد ہو کر سوال کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہو۔ ان کے متعلق مالک کو یہی حکم ہے۔ کہ وُہ انہیں پاس رکھے۔ اور ان کی خبر گیری کرے۔ اپنے کھانے میں سے اُسے کھلائے اور اپنے کپڑے میں سے انہیں پہنائے۔

اسلام میں کوئی غلامی نہیں

ہر شخص جو ان احکام کو پڑھے۔ معلوم کر سکتا ہے۔ کہ غلامی کا جو مفہوم دُنیا میں پایا جاتا ہے۔ اس کے رُو سے اسلام میں کوئی غلامی رائج نہیں۔ ہاں فلسفیانہ اصُول پر جو غلامی کی تشریح کی جاتی ہے۔ اور جس کے ماتحت غلامی اچھی بھی ہو سکتی ہے۔ اور بُری بھی اور ضروری بھی ہو سکتی ہے۔ اور غیر ضروری بھی۔ اس غلامی کی بعض قسمیں اسلام نے جائز رکھی ہیں۔ یعنی وُہ جو اچھی ہیں۔ اور ضروری ہیں۔ اور جن کا ترک کرنا کوئی عقلمند انسان پسند نہیں کر سکتا۔ اور جن کے ترک کرنے سے دنیا میں فساد اور فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ اور حقیقی آزادی مٹتی ہے۔ اور دُنیا کی ترقی میں روک پیدا ہوتی ہے۔ اور جو غلامی کے بُرے طریق ہیں۔ ان سے اسلام نے روکا ہے۔ اور دوسرے لوگوں کی طرح صرف روکا ہی نہیں۔ بلکہ غلامی کے ان طریقوں کے موجبات اور محرکات کا بھی علاج کیا ہے تاکہ انسان مجبور ہو کر اُن غلامیوں میں مبتلا نہ ہو۔

حقیقی آزادی دینے والا انسان

پس مبارک ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجُود جنہوں نے اس غلامی کو جو دُنیا کے لئے مضر تھی۔ مٹایا۔ اور دُنیا کو حقیقی آزادی عطا کی۔ وُہ نادان جو لفظاً غلامی کو مٹاتے ہیں۔ اور عملاً اسے قائم کرتے ہیں۔ ان کی مثال اس شخص کی سی ہے۔ جو چاند پر تھوکتا ہے۔ لیکن چاند پر تھوکا خود ان کے اپنے مُونہہ پر پڑتا ہے عقلمند آدمی محسوس کرتے ہیں۔ کل سب دُنیا معلوم کرے گی۔ کہ حقیقی آزادی اسی تعلیم میں ہے۔ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی ہے اور دُنیا کو نجات دینے والی ہستی صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

نعت

از جناب منشی قاسم علی خان صاحب رامپوری

بنے یارب مرا دل عرشِ اسرارِ محمدؐ کا
مرا سینہ ہو مشرق مہرِ انوارِ محمدؐ کا

مرا ہر مُوئے تن شاہد ہو اقرارِ محمدؐ کا
مخالف میرا ہر ذرہ ہو انکارِ محمدؐ کا

ادھر اے آنے والے قلب جانی لا ادب سے آ
کہ یہ دربار ہے اور شانِ دربارِ محمدؐ کا

کہاں شاہانِ دُنیا کو۔ کوئی نسبت محمدؐ سے
کہ ہر انسان ہے محتاج سرکارِ محمدؐ کا

رحیم ایسا۔ حلیم ایسا نہیں عالم میں اک انساں
عیاں ہے فتح مکہ معجز اشیارِ محمدؐ کا

خدا اس کا وُہ مقبولِ خدا سے پاک تر ہے
دکھاتا ہے عمل سے عکس جو کارِ محمدؐ کا

غلامی سیّد والا کی اعجازِ مسیحائی
مسیحا سے ہے برتر مرتبہ یارِ محمدؐ کا

معاندلاکھ دوڑایا کرے باطل کے گھوڑے کو
نہ پائے گا غبارِ راہ راہوارِ محمدؐ کا

ہے مے خوار مئے حرص و ہوا دُنیا کا دیوانہ
اُسے کیا خاک آئے لُطف سرشارِ محمدؐ کا

نہ کیوں ہو تاج اُس پر لعل وُڈرہائے حقیقت کا
جو سر مشتاق ہے ذکرِ گہربارِ محمدؐ کا

خلش پھر دُور دل سے ہو نہیں سکتی قیامت تک
نشانہ بن گیا جو نوکِ سوفارِ محمدؐ کا

غلامانِ محمدؐ کا نہ اے نادان دشمن بن
ہلے گا عرشِ دل دُکھنے سے دلدارِ محمدؐ کا

صدا اللہ اکبر کی بوقتِ طبلِ توحیدی
بلند آواز ہے ہر سمت مینارِ محمدؐ کا

غلامِ احمدِ مرسل کا رُتبہ کوئی کیا جانے
وُہ گُل ہے تاجِ سر گلہائے گلزارِ محمدؐ کا

کہوں کیا قادیانی احمدیت کی میں شیرینی
عجب قندِ مکرر ہے۔ یہ تکرارِ محمدؐ کا

انبیاء کے جمیع کمالات کا نمونہ

"انبیاء علیہم السلام نمونوں کے لئے آتے ہیں۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جمیع کمالات کے نمونوں کے جامع تھے۔ کیونکہ سارے نبیوں کے نمونے آپ میں جمع ہیں۔ آپؐ کا نام اسی لئے محمد ہے۔ کہ اس کے معنے ہیں نہایت تعریف کیا گیا۔ محمد وہ ہوتا ہے۔ جس کی زمین و آسمان پر تعریف ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں۔ کہ دنیا کے لوگوں نے اُن کو نہایت حقارت کی نگاہ سے دیکھا۔ انہیں ذلیل سمجھا۔ اور بخیال خویش ذلیل کیا۔ لیکن آسمان پر اُن کی عزت اور تعریف ہوتی ہے وہ خدا تعالےٰ کے حضور راستباز ہوتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہوتے ہیں۔ کہ دنیا ان کی تعریف کرتی ہے۔ ہر طرف سے واہ وا ہوتی ہے۔ مگر آسمان اُن پر لعنت کرتا ہے۔ خدا اور اس کے فرشتے اور مقرب اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ تعریف نہیں کرتے۔ مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم زمین و آسمان دونوں جگہ میں تعریف کئے گئے۔ اور یہ فخر اور فضل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کو ملا ہے۔ جس قدر پاک گروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ملا۔ وہ کسی اور نبی کو نصیب نہیں ہوا۔ یوں تو حضرت موسیٰؑ کو بھی کئی لاکھ آدمیوں کی قوم ملی تھی۔ مگر وہ ایسے مستقل مزاج یا ایسی پاکباز اور عالی ہمت قوم نہ تھی۔ جیسی صحابہؓ کی تھی۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ قوم موسیٰ کا یہ حال تھا۔ کہ رات کو مومن ہیں۔ تو دن کو مرتد ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کا حضرت موسیٰؑ اور اُس کی قوم کے ساتھ مقابلہ کرنے سے گویا کل دنیا کا مقابلہ ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو جماعت ملی۔ وہ ایسی پاکباز اور خدا پرست اور مخلص تھی۔ کہ جس کی نظیر کسی دنیا کی قوم اور کسی نبی کی جماعت میں ہرگز پائی نہیں جاتی۔ احادیث میں اُن کی بڑی بڑی تعریفیں آئی ہیں۔ یہاں تک فرمایا کہ اللہ اللہ فی اصحابی۔ اور قرآن شریف میں بھی ان کی تعریف ہوئی۔ یبیتون لربھم سجدًا و قیامًا۔ جیسے ایسی جماعت جو مشکلات اور مصائب طاعون وغیرہ کے نیچے آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تیار کردہ جماعت اُس سے ممتاز اور محفوظ رہی۔ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قوتِ قدسی اور انفاسِ طیبہ اور جذب الی اللہ کی قوت کا پتہ لگتا ہے۔ کہ کیسی زبردست قوتیں آپؐ کو عطا کی گئی تھیں۔ جو ایسا پاک اور جاں نثار گروہ اکٹھا کر لیا۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ جو جاہل لوگ کہہ دیتے ہیں۔ کہ یونہی لوگ ساتھ ہو جاتے ہیں۔ جب تک ایک قوتِ جذب اور کشش کی نہ ہو۔ کبھی ممکن نہیں ہے۔ کہ لوگ جمع ہو سکیں۔ میرا مذہب یہی ہے۔ کہ آپؐ کی قوتِ قدسی ایسی تھی۔ کہ کسی دوسرے نبی کو دنیا میں نہیں ملی اسلام کی ترقی کا راز یہی ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قوتِ جذب بہت زبردست تھی۔ اور پھر آپؐ کی باتوں میں وہ تاثیر تھی۔ کہ جو سنتا تھا۔ وہ گرویدہ ہو جاتا تھا۔ جن لوگوں کو آپؐ نے کھینچا۔ اُن کو پاک وصاف کر دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی آپؐ کی تعلیم ایسی سادہ اور صاف تھی۔ کہ اس میں کسی قسم کے گورکھ دھندے اور تثلیث کی طرح نہیں ہیں۔ چنانچہ نپولین کی بابت لکھا ہے۔ کہ وہ مسلمان تھا۔ اور کہا کرتا تھا۔ کہ اسلام بہت ہی سیدھا سادہ مذہب ہے۔ اُس نے تثلیث کی تکذیب کی ہے۔ غرض آپؐ وہ دین لائے۔ جو سیدھا سادہ ہے۔ جو خدا کے سامنے یا انسان کے سامنے شرمندہ نہیں ہو سکتا۔ قانونِ قدرت اور فطرت کے ساتھ ایسا وابستہ ہے۔ کہ ایک جنگلی بھی آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے۔ تثلیث کی طرح کوئی لاینحل عقدہ اس میں نہیں۔ جس کو نہ خود سمجھ سکے۔ اور نہ ماننے والے۔ جیسا کہ عیسائی کہتے ہیں۔ تثلیث قبول کرنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ پہلے بُت پرستی اور اوہام پرستی کرے۔ اور عقل و فکر کی قوتوں کو بالکل بیکار۔ اور معطل چھوڑ دے۔ حالانکہ اسلام کی توحید ایسی ہے۔ کہ ایک دنیا سے الگ تھلگ جزیرہ میں بھی وہ سمجھ میں آ سکتی ہے۔ یہ دین عیسائی جو پیش کرتے ہیں۔ یہ عالمگیر اور مکمل دین نہیں ہو سکتا۔ اور نہ انسان اس سے کوئی تسلی یا اطمینان پا سکتا ہے۔ مگر اسلام ایک ایسا دین ہے۔ کہ کیا باعتبار توحید اور اعمال حسنہ اور کیا بلحاظ تکمیل مسائل سب سے بڑھ کر ہے۔ جب عرب کی ابتدائی حالت پر نگاہ کرتے ہیں۔ تو وہ تحت الثریٰ میں پڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بُت پرستی میں منہمک تھے یتیموں کا مال کھاتے۔ اور ہر قسم کی بدکاریوں میں دلیر اور بیباک تھے ڈاکوؤں کی طرح گذارہ کرتے تھے۔ گویا سر سے پیر تک نجاست میں غرق تھے پھر میں پوچھتا ہوں۔ کہ وہ کونسا عظیم الشان اسم اعظم تھا۔ جس نے ان کی جھٹ پٹ کایا پلٹ دی۔ اور ان کو ایسا نمونہ بنا دیا۔ کہ جس کی نظیر دنیا کی قوموں میں ہرگز نہیں ملتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اگر کوئی بھی معجزہ پیش نہ کریں۔ تو اس حیرت انگیز پاک تبدیلی کے مقابلہ میں کسی خود ساختہ خدا اور کوئی معجزہ ہمیں دکھائے۔ ایک آدمی کا درست کرنا مشکل ہوتا ہے مگر یہاں تو ایک قوم تیار کی گئی۔ کہ جنہوں نے اپنا ایمان اور اخلاص کا وہ نمونہ دکھایا۔ کہ بھیڑ بکری کی طرح اس سچائی کے لئے ذبح ہو گئے جس کو اُنہوں نے اختیار کیا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ وہ زمینی نہ رہے تھے۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیم ہدایت اور مؤثر نصیحت نے ان کو آسمانی بنا دیا تھا۔ قدسی صفات ان میں پیدا ہو گئی تھیں۔ دنیا کی خباثتوں اور ریاکاریوں سے وہ ایسے سبک اور ہلکے پھلکے کر دئے گئے تھے۔ کہ ان میں پرواز کی قوت پیدا ہو گئی تھی۔ یہ وہ نمونہ ہے جو ہم اسلام کا دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اسی اصلاح اور ہدایت کا باعث تھا۔ جو اللہ تعالےٰ نے پیشگوئی کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد رکھا تھا جس سے زمین پر بھی آپؐ کی ستائش ہوئی کیونکہ آپؐ نے زمین کو امن صلحکاری اور اخلاق فاضلہ اور نیکوکاری سے بھر دیا تھا"

(الحکم نمبر ۲۷، جلد ۶ - مورخہ ۲۳ جولائی ۱۹۰۲ء)

نبی کریمؐ کی معصومیت

"معصوم ہونے کے اسباب اور معصوم بنانے کے اسباب جس قدر ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو میسر آئے تھے۔ وہ کسی دوسرے نبی کو کبھی نہیں ملے۔ اسی لئے عصمت کے مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جس مقام اور درجہ پر ہیں۔ وہاں اور کوئی نہیں ہے خود کوئی کبھی معصوم نہیں بن سکتا۔ بلکہ معصوم بنانا خدا تعالےٰ کا کام ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر خدا کا بہت بڑا فضل تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ وکان فضل اللہ علیک عظیما۔ اور اصل یہ ہے۔ کہ انسان بچتا بھی فضل سے ہی ہے۔ پس جس شخص پر خدا تعالےٰ کا فضل عظیم ہو۔ اور جس کو کل دنیا کے لئے مبعوث کیا گیا ہو۔ اور جو رحمۃ للعالمین ہو کر آیا ہو۔ اُس کی عصمت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ عظیم الشان بلندی پر جو شخص کھڑا ہے۔ ایک نیچے کھڑا ہوا اس کا مقابلہ کیا کر سکتا ہے؟ مسیح کی بعثت اور دعوت صرف بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں تک محدود ہے۔ پھر اس کی عصمت کا درجہ بھی اسی حد تک ہونا چاہیئے۔ لیکن جو شخص کل عالم کی نجات اور رستگاری کے واسطے آیا ہے۔ ایک دانشمند خود سوچ سکتا ہے۔ کہ اس کی تعلیم کیسی عالمگیر صداقتوں پر مشتمل ہو گی۔ اور اسی لئے وہ اپنی تعلیم اور تبلیغ میں کس درجہ کا معصوم ہو گا"

(الحکم نمبر ۳۱، جلد ۹ - مورخہ ۳۱، اگست ۱۹۰۲ء)

سرور دو عالم کی قوت قدسیہ

"ہمارے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوتِ قدسی اس درجہ پر پہونچی ہوئی ہے۔ کہ اگر تمام انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں دیکھیں۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ کسی نے آپ کے مقابلہ میں کچھ نہیں کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تیار کردہ جماعت اگر دیکھا جائے تو وُہ برتن خدا ہی کے سے نظر آتے ہیں۔ اور اپنی زندگی میں کوئی نظیر نہیں رکھتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک۔ اور کامیاب زندگی کی تصویر یہ ہے۔ کہ آپؐ ایک کام کے لئے آئے اور اُسے پورا کرکے اُس وقت دُنیا سے رخصت ہُوئے۔ جس طرح بندوبست والے پورے کاغذات پانچ برس میں مرتب کرکے آخری رپورٹ کرتے ہیں۔ اور پھر چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں نظر آتا ہے۔ اُس دن سے کہ جب قم فانذر کی آواز آئی۔ پھر اذا جاء نصر اللہ اور الیوم اکملت لکم دینکم کے دن تک نظر کریں۔ تو آپؐ کی لانظیر کامیابی کا پتہ ملتا ہے۔ ان آیات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپؐ خاص طور پر مامور تھے حضرت موسےٰ علیہ السّلام کو آپ کی زندگی میں کامیابی نصیب نہ ہوئی جو اُن کی رسالت کا منشاء تھی۔ وُہ ارضِ مقدسہ اور موعُود سرزمین کو اپنی آنکھ سے نہ دیکھ سکے۔ بلکہ راہ میں ہی فوت ہوگئے۔ کافر کب مان سکتا ہے۔ اور ایک بے ایمان آدمی راہ میں فوت ہوجانے اور وعدہ کی زمین میں نہ پہونچ سکنے کے وجُوہات کب سننے لگا۔ وُہ تو یہی کہیگا۔ کہ اگر مامُور تھے۔ تو وُہ وعدے زندگی میں کیوں پُورے نہ ہُوئے۔ سچی بات یہی ہے کہ نبیوں کی نبوت کی پردہ پوشی ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے ہُوئی۔

ایسا ہی مسیح علیہ السّلام کی زندگی پر نظر کرو۔ ساری رات خود دعا کرتے رہے۔ دوستوں سے کراتے رہے۔ آخر شکرہ پر اتر آئے اور ایلی ایلی لما سبقتنی بھی کہدیا۔ یعنی اے میرے خُدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ اور ایسی حسرت بھری حالت کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے۔ کہ یہ مامُور من اللہ ہے۔ جو نقشہ پادریوں نے مسیح کی آخری حالت کا جماکر دکھایا ہے۔ وُہ تو بالکل مایُوس کُن نقشہ ہے۔ لانیں تو اتنی ہیں۔ کہ خدا کی پناہ۔ اور کام کچھ بھی نہ کیا۔ ساری عمر میں کُل بارہ (۱۲) آدمی تیار کئے۔ اور وہ بھی ایسے پست خیال اور کم فہم جو خدا کی بادشاہت کی باتوں کو سمجھ ہی نہ سکتے تھے۔ اور سب سے بڑا صاحب جس کی بابت یہ فتوےٰ تھا۔ کہ جو زمین پر کرے۔ آسمان پر ہوتا ہے۔ اور بہشت کی کنجیاں جس کے ہاتھ میں تھیں۔ اُسی نے مسیح پر لعنت کی۔ اور وہ جو امین اور خزانچی بنایا ہُوا تھا۔ جس کو چھاتی پر لٹاتے تھے۔ اسی نے تیس درم لے کر پکڑوا دیا۔ اب ایسی حالت میں کب کوئی کہہ سکتا ہے کہ مسیح نے واقعی ماموریت کا حق ادا کیا۔

اس کے مقابل ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیسا پکا کام ہے۔ اس وقت سے جب سے کہا کہ میں ایک کام کرنے کے لئے آیا ہوں۔ جب تک یہ نہ سُن لیا۔ کہ الیوم اکملت لکم دینکم آپؐ دُنیا سے نہ اُٹھے۔ جیسے یہ دعویٰ کیا تھا۔ کہ انی رسول اللہ الیکم جمیعاً۔ اس دعوے کے مناسبِ حال یہ ضروری تھا کہ کل دُنیا کے مکروکائد متفق طور پر آپؐ کی مخالفت میں کئے جاتے۔ آپؐ نے کس حوصلے اور دلیری کے ساتھ مخالفوں کو مخاطب کرکے کہا۔ کہ فکیدونی جمیعاً۔ یعنی کوئی دقیقہ مکر کا باقی نہ رکھو۔ سارے فریب۔ مکر استعمال کرو۔ قتل کے منصُوبے کرو۔ اخراج اور قید کی تدبیریں کرو۔ مگر یاد رکھو سیھزم الجمع ویولون الدبر۔ آخر فتح میری ہے۔ تمہارے سارے منصُوبے خاک میں مل جائیں گے۔ تمہاری ساری جمعیتیں منتشر اور پراگندہ ہوجائیں گی۔ اور پیٹھ دے کر بھاگیں گی۔ جیسے وُہ عظیم الشان دعوےٰ انی رسول اللہ الیکم جمیعاً کسی نے نہیں کیا۔ اور جیسے فکیدونی جمیعاً کہنے کی کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ یہ بھی کسی کے مونہہ سے نہ نکلا۔ سیھزم الجمع ویولون الدبر۔ یہ الفاظ اسی مونہہ سے نکلے۔ جو خدا تعالےٰ کے سائے کے نیچے الوہیت کی چادر میں لپٹا ہُوا پڑا تھا"!

(الحکم نمبر ۲۶۔ جلد ۶۔ مورخہ ۲۴ جولائی سنہ ۱۹۰۲ء صفحہ ۳)

خاتم النبیین

"یقیناً یاد رکھو۔ کہ کوئی شخص سچا مسلمان نہیں ہوسکتا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا متبع نہیں بن سکتا جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبیین یقین نہ کرے۔ جب تک ان محدثات سے الگ نہیں ہوتا۔ اور اپنے قول اور فعل سے آپؐ کو خاتم النبیین نہیں مانتا۔ کچھ نہیں۔ سعدیؒ نے کیا اچھا کہا ہے:۔

بزہد و ورع کوش وصدق وصفا
ولیکن میفزائے بر مصطفےٰ!

ہمارا مدعا جس کے لئے خدا تعالےٰ نے ہمارے دل میں جوش ڈالا ہے۔ یہی کہ صرف اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت قائم کی جائے۔ جو ابدالآباد کے لئے خدا نے قائم کی ہے۔ اور تمام جھوٹی نبوتوں کو پاش پاش کر دیا جائے۔ جو ان لوگوں نے اپنی بدعتوں کے ذریعے قائم کی ہیں۔ ان ساری گدیوں کو دیکھ لو۔ اور عملی طور پر مشاہدہ کرو۔ کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت پر ہم ایمان لائے ہیں۔ یا وُہ۔

یہ ظلم اور شرارت کی بات ہے۔ کہ ختم نبوت سے خدا تعالےٰ کا اتنا ہی منشا قرار دیا جائے۔ کہ مونہہ سے ہی خاتم النبیینؐ مانو۔ اور کرتوتیں وہی کرو۔ جو تم خود پسند کرو۔ اور اپنی ایک الگ شریعت بنالو۔ بغدادی نماز۔ معکوس نماز وغیرہ ایجاد کی ہُوئی ہے۔ کیا قرآن شریف یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل میں بھی کہیں اس کا پتہ لگتا ہے۔ اور ایسا ہی یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ کہنا۔ اس کا ثبوت بھی کہیں قرآن شریف سے ملتا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت تو شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا وجود بھی نہ تھا۔ پھر یہ کس نے بتایا تھا۔ شرم کرو۔ کیا شریعتِ اسلام کی پابندی اور التزام اسی کا نام ہے۔ اب خود ہی فیصلہ کرو۔ کہ کیا ان باتوں کو مان کر اور ایسے عمل رکھ کر تم اس قابل ہو۔ کہ مجھے الزام دو۔ کہ میں نے خاتم النبیینؐ کی مہر کو توڑا ہے۔ اصل اور سچی بات یہی ہے۔ کہ اگر تم اپنی مساجد میں بدعات کو دخل نہ دیتے۔ اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی نبوت پر ایمان لاکر آپؐ کے طرزِ عمل اور نقشِ قدم کو اپنا امام بنا کر چلتے۔ تو پھر میرے آنے ہی کی کیا ضرورت ہوتی۔ تمہاری ان بدعتوں اور نئی نبوتوں نے ہی خدا تعالےٰ کی غیرت کو تحریک دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر میں ایک شخص کو مبعوث کرے۔ جو ان جھوٹی نبوتوں کے بُت کو توڑ کر نیست ونابود کرے پس اسی کام کے لئے خدا نے مجھے مامور کرکے بھیجا ہے"!

(الحکم نمبر ۲۹۔ جلد ۶۔ مورخہ ۱۰ اگست سنہ ۱۹۰۲ء)

ختم نبوت کا راز

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت کا راز ہمارے مخالفوں نے ہرگز نہیں سمجھا۔ جس طرح پر وُہ ختم نبوت مانتے ہیں۔ اس طرح پر وُہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معاذ اللہ ابتر قرار دیتے ہیں۔ قرآن شریف میں آیا ہے۔ ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔ اب ابوتِ جسمانی کی تو اللہ تعالےٰ نے اس میں نفی کی ہے۔ اگر روحانی ابوت کا سلسلہ بھی جاری نہ ہُوا۔ تو پھر کیا آپؐ کو ابتر مانیں گے؟ ایسا ماننا تو کفر ہے اصل بات یہ ہے۔ کہ آپؐ کی ابوتِ رُوحانی کا سلسلہ جاری ہے۔ جیسا کہ لفظ لکن ظاہر کرتا ہے مطلب یہ ہے۔ کہ آئندہ جو نبوت یا رسالت ہوگی۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مُہر سے ہوگی۔ کوئی شخص الہام اور وحی اور روحانی فیوض سے بہرہ ور نہیں ہوسکتا جب تک وُہ آنحضرتؐ کی سچی اتباع سے استفادہ نہ کرے۔ آئندہ نبوت کا فیض آپؐ ہی کے ذریعہ اور مُہر سے ملیگا۔

ہماری مثال تو ایسی ہے۔ کہ جیسے کوئی آئینہ میں اپنی شکل دیکھے تو کیا اس شکل میں جو آئینہ میں نظر آتی ہے۔ اصل کے خواص اور صفات نہ ہونگے۔ اسی طرح پر یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا عکس اور پر تو ہے۔ آپؐ سے خارج کوئی چیز نہیں۔ وحی کے معنے قرآن شریف میں مکالمات اور مخاطبات الٰہیہ کے آئے ہیں۔ جس دین میں برکاتِ مادیہ اور مکالماتِ الٰہیہ کا سلسلہ منقطع ہوجائے۔ اس دین کو زندہ کہنا غلطی ہے۔ وُہ دین مردُود ہوگا۔ پس اسلام کو یہ لوگ مُردہ دین قرار دینا چاہتے ہیں۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مُردہ نبی۔ معاذ اللہ ہم یہ نہیں مانتے۔ ہمارے نزدیک ایسا عقیدہ رکھنا کفر ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

زندہ نبی ہیں۔ اور اسلام زندہ مذہب۔ کیونکہ آپ کے برکات اور فیوض کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے جاری ہے۔ اور آپ کی نبوت مستقل نبوت ہے جس کے ذریعے سلسلہ نبوت چلتا ہے۔ اور اسی کو ظلی نبوت کہتے ہیں۔ ہم اُس نبوت کو کفر جانتے ہیں۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط کے بغیر دعوے کی جائے۔ لیکن جو سلسلہ توسط کا انکار کرتا ہے۔ کہ ایسا سلسلہ بھی منقطع ہو چکا ہے۔ وہ بھی کافر ہے۔ کیونکہ وہ معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابتر اور اسلام کو مُردہ مذہب ٹھیراتا ہے۔ اور جب اسلام ایسا مذہب ٹھیرایا گیا۔ تو پھر اس سے نجات کی کیا امید ہوگی۔ یہ امر اگر سمجھنے کے لئے ایک معرفت کی ضرورت ہے۔ اور جب تک اس عالم میں معرفت کی تکمیل نہ کرے۔ اُس عالم میں معرفت کی کوئی امید نہیں ہوسکتی۔ اور تکمیلِ معرفت ہو نہیں سکتی جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استفادہ نہ کرے۔ یا ایسے لوگوں کی صحبت سے فائدہ اٹھائے۔ جو آپ کے استفادہ سے مستفید ہو کر وہی برکات لے کر آتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ کونوا مع الصادقین۔ اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استفادہ کرنے کے لئے فرمایا۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ اور اس جہان کی عدم معرفت سے دُوسرے عالم میں بھی معرفت سے بے نصیب ہونے کے لئے فرمایا۔ من کان فی ھٰذہ اعمٰی فھو فی الاٰخرۃ اعمٰی۔ دیکھو اللہ تعالےٰ نے جو اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم کی دُعا تعلیم کی ہے۔ اور ہر رکعت نماز میں پڑھی جاتی ہے۔ اگر یہ نعمت کسی کو ملنے والی ہی نہ تھی۔ تو اس دُعا کی تعلیم کی کیا ضرورت تھی۔ سچی بات یہی ہے۔ کہ میری باتیں سمجھ میں نہیں آسکتیں۔ جب تک آنکھ نہ کھلے۔ اور وہ صحبت سے میسر آتی ہیں۔ آنکھ کھلنے سے بصیرت اور یقینِ تام حاصل ہوتا ہے اور اسی جہان میں بہشتی زندگی شروع ہو جاتی ہے۔ اور دوسرے عالم میں وہ بصیرت بینائی کا باعث بنتی ہے۔ اور نابینائی کی تکلیف اور مصیبت سے نجات دیتی ہے۔

بڑے ہی تعجب اور افسوس کا مقام ہے۔ کہ جب یہ لوگ مانتے ہیں۔ کہ یہ امت خیر الامم ہے۔ تو کیا ایسی ہی امت خیر الامم ہوا کرتی ہے۔ جس میں کسی کو مخاطبات اور مکالماتِ الٰہیہ کا شرف حاصل نہ ہو۔ حضرت موسیٰؑ کی اتباع سے اُن کی امت میں ہزاروں نبی ہوئے۔ لیکن اس امت میں ایک بھی اُن کا مثیل نہ ہوا۔ تو پھر یہ امت کیونکر خیر الامم ٹھیری؟

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت کے یہ معنے بھی ہیں کہ جمیع کمالاتِ نبوت ورسالت آپ پر ختم ہوگئے۔ اور ایک جیسے بادشاہ کی مُہر کے بغیر کوئی فرمان مکمل نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر کے بغیر کوئی نبوت سے استفادہ نہیں کرسکتا۔ قرآن شریف میں جو فرمایا ہے ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ محبت کے کیا معنی ہیں؟ کیا یہی کہ دُور دُور رہیں۔ یہ کیسی محبت ہے۔" (الحکم نمبر ۲۱، جلد ۷)

اثباتِ نبوّتِ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

ثبوت اس جناب کی اس طرح پر ثابت ہے۔ کہ انہوں نے نبوت کا دعوے کیا۔ اور معجزے ظاہر کئے۔ لیکن ثبوت اس امر کا کہ انہوں نے نبوت کا دعوے کیا۔ تو تواتر سے ہے۔ جس کا انکار نہیں ہو سکتا۔ اور ثبوت معجزہ کا دو طرح پر ہے۔ ایک یہ کہ انہوں نے خدا کا کلام لوگوں کو سنایا۔ اور کہا۔ کہ اگر تم کو انکار ہے۔ تو ایسی کلام تم بھی بنا لاؤ۔ پس باوجود اس کے کہ وہ لاف بلاغت اور فصاحت کی مارتے تھے۔ اور اکثر ان میں شاعر تھے۔ اور چاہتے تھے۔ کہ کسی طرح الزام دیں۔ پھر بھی کم سے کم ایک سورۃ کے برابر نہ بنا سکے۔ پس باوجود اس کے کہ سب باتیں ان کی نقل کی گئی ہیں۔ مگر آج تک کسی سے منقول نہیں۔ کہ کسی نے ان میں سے جواب بھی دیا تھا۔ اور کس طرح ہوسکتا تھا۔ کہ جس کلام کو صدہا مخالف سنتے تھے۔ اور نو اعتقادوں کو پڑھایا جاتا تھا۔ اُس میں خلافِ واقعہ درج ہو۔ اور ایسا جھوٹ جس کو وہ فی الفور ثابت کرسکیں۔ لکھا جائے۔ اور یہی دلیل ہے شق القمر کی۔

دوسری قسم ثبوت معجزہ کی یہ ہے۔ کہ اس قدر خوارقِ عادات نقل کئے گئے ہیں۔ اور یہ طریقِ متعددہ سے ثابت ہوا ہے۔ کہ اس کا خلاف۔ تا عقلاً محال ہے۔ جیسے ہندوؤں میں باوجود کثرتِ اختلاف کے اس قدر بالیقین ثابت ہوتا ہے۔ کہ ان میں اگلے زمانہ میں ایک شخص مشہور ہوا ہے۔ جس کا نام راجہ چندر تھا۔ اور جیسے ثابت ہوا کہ نوشیرواں بڑا عدالت کی طرف مائل تھا۔ اور حاتم سخی تھا۔ اور یا جیسے ہر شخص اپنی ماں کو ضرور جانتا ہے۔ یا اولاد کو پہچانتا ہے۔ اسی طرح معجزات ثابت ہیں۔ اور تحدی جو کی گئی۔ وہ ثابت ہوتی ہے۔ اس لئے قرآن شریف کہتا ہے۔ یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم۔ گویا یہاں تک یقین بڑھا ہوا ہے۔ اور اس قدر ثبوت ہیں۔ کہ مشاہدہ کو اس پر فوقیت ہے۔ اور سوائے اس کے دو دیگر ثبوت نبوت کے اور ہیں۔ ایک وہ اخلاقِ عظیم کہ اُن میں تھے۔ اور ایک وہ علم وحکمت کہ باوجود اُمّی ہونے کے اُن میں تھا۔ اور باوجود اس کے کہ اکثر غزوات میں مصروف تھے۔ پھر بھی ایک نقطہ شریعت کا باقی نہ رہا۔ جو آپ نے بیان نہ کیا ہو۔ تمام فقہ عبادات۔ معاملات اور فرائض اور تعزیرات جن سے دفتر بھرے ہوئے ہیں۔ بیان کئے۔ اور اس طرح وہ شجاعت دلیلِ نبوت ہے جو ان میں تھی۔ اور وہ وثوق واللہ یعصمک من الناس پر اور وہ قوی دل کہ جنگِ بدر میں جب شکست آئی۔ اور بعض لوگ پیچھے ہٹے۔ آپ اپنی جگہ سے ایک بالشت بھر پیچھے نہ ہٹے۔ اور ہزاروں کے سامنے اکیلے حملہ کرتے تھے۔ اور یہ فرماتے تھے۔ انی انا رسول اللہ لا کذب۔

پس خیال کرنا چاہیئے۔ کہ ایسے موقعہ میں اپنا آپ معلوم کرا دینا اور بلند آواز سے کہنا کہ میں نبی ہوں۔ اور مجھی کو ڈھونڈتے ہو۔ ایسے شخص کی تلاش میں ہو۔ سوائے صادق کے کس کا کام ہے۔ اور اس طرح وہ اخلاقِ عظیم جو آپ میں تھے۔ اور وہ صبر اور وہ حلم اور وہ مروت جو اُن میں تھی۔ کہ مخالفین نے باوجود کثرتِ مخالفت کے کوئی عیب اُن پر ثابت نہ کیا۔ پس کس طرح ہو سکتا ہے۔ کہ یہ سب باتیں ایک ایسے شخص میں کہ درحقیقت نبی نہیں ہوا۔ جمع ہوں؟ اور کب ممکن ہے۔ کہ خدا تعالےٰ ان سب کمالات کو اس شخص میں جمع کرے جس کو وہ جانتا ہے کہ وہ مفتری ہے۔ اور نہ صرف جمع کرے۔ بلکہ تئیس[۲۳] برس تک اس کو مہلت دے۔ اور محفوظ رکھے۔ اور اس کے دین کو تھوڑے عرصہ میں سب دینوں پر غالب کردے۔ اور قیامت تک اس کے آثار کو باقی رکھے۔ یہ سب باتیں سوائے صادق کے کہاں ہو سکتی ہیں اور کب ممکن ہے؟ بلکہ مفتری کاٹا جاتا ہے۔ اس کو راہ نہیں ملتا۔ پر جو حق ہے۔ وہ باقی رہتا ہے۔ اور بڑھتا ہے۔ اور پھولتا ہے۔ اور اچھے درخت کی مانند پھل دیتا ہے۔ اور اس کی عمر دراز ہوتی ہے

دوسری دلیل یہ ہے۔ کہ وہ اس قوم میں ظاہر ہوئے۔ جو سب قوموں سے زیادہ تر جاہل تھی۔ جن کے پاس کوئی کتاب نہیں تھی۔ جن کو کچھ حکمت کی خبر نہیں تھی۔ جن کا مذہب بت پرستی تھا۔ اور پیشہ چوری تھا۔ اور سراسر عیبوں میں بھرے ہوئے تھے۔ آپ کے نور نے ان کے اخلاق تبدیل کئے۔ جہل کی جگہ علم وحکمت بخشی۔ اور فضائل علمی اور عملی میں کامل کیا۔ اور ایک عالم کو ایمان اور عملِ صالح سے منور کیا۔ اور ان کے اخلاقِ ذمیمہ کا قلع قمع کیا۔ اور ظاہر ہے۔ کہ عادتوں اور خلقوں کا بدلنا نہایت دشوار ہے۔ اور آدمی اپنے خلقوں کو بدل نہیں سکتا۔ پس ظاہر ہے۔ کہ جبکہ اپنا عیب دُور کرنا مشکل ہے۔ تو دوسرے آدمیوں کے عیب جو لاکھوں کا ہوں۔ تھوڑے عرصہ میں بالکل دُور کر دینا کس قدر مشکل ہوگا۔ میں جانتا ہوں۔ کہ اس مشکل سے بڑھ کر۔ اور کوئی مشکل نہیں۔ اور کلام اللہ سے یہ دونوں امور ثابت ہیں۔ اوّل ان لوگوں کا عیب دار ہونا۔ اور پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک صحبت سے پاک وصاف ہو جانا بخوبی ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ کلام اللہ میں اول کافروں کے عیب بیان ہوئے ہیں۔ پھر اُن اشخاص کا حال بیان کیا۔ کہ ان میں سے مومن ہوئے۔ ان دونوں حالات کے دیکھنے سے صاف پایا جاتا ہے۔ کہ اوّل وہ کس قدر شیطان کے پنجہ میں گرفتار تھے۔ اور پھر نورِ صحبت سے کس قدر نورانی ہوگئے۔ جیسا کہ اُن کے کفر کا حال بیان کیا ہے۔ یاکلون ویتمتعون الآیۃ۔ اور پھر ایمان کے بعد یہ نتیجہ حاصل ہوا۔ یبیتون لربھم سجدًا وقیامًا۔

(الحکم نمبر ۵۹، جلد ۷)

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگیں اسلام کی جبری اشاعت کیلئے نہیں تھیں

ذیل کا مضمون حضرت میرزا بشیر احمد صاحب ایم اے کی تازہ تصنیف سیرۃ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلد دوم سے لیا گیا ہے۔ جس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غزوات کی اصل حقیقت معلوم کرنے کے علاوہ یہ بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مذکورہ بالا تصنیف کس اعلیٰ پایہ کی ہے۔ اور اس میں نہایت اہم اور پیچیدہ مسائل پر کس درجہ بحث کی گئی ہے۔ یہ جلد نہایت اعلیٰ لکھائی چھپائی کے ساتھ ساڑھے پانچ سو صفحات پر ختم ہوئی ہے۔ قیمت اڑھائی روپیہ ہے اور مصنف صاحب بکڈپو قادیان سے مل سکتی ہے۔ اسلامی تاریخ اور خاص کر رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوانح کے متعلق صحیح علم حاصل کرنے کا شوق رکھنے والے اصحاب ضرور منگا کر اس کا مطالعہ کریں۔ (ایڈیٹر)

جہاد بالسیف کا مسئلہ جس کے ماتحت مسلمانوں کی تلوار نیام سے باہر آتی ہے، باوجود درحقیقت ایک بہت صاف اور سادہ مسئلہ ہونے کے ان متضاد خیالات کی وجہ سے جو بدقسمتی سے خود بعض مسلمانوں کی طرف سے اس کے متعلق ظاہر کئے گئے ہیں اور نیز بعض غیر مسلم مؤرخین کی تحریرات کی وجہ سے جو انہوں نے مؤرخ کی حیثیت سے ہٹ کر ایک متعصب مذہبی مناظر کی حیثیت میں لکھی ہیں، ایک بہت پیچیدہ مسئلہ بن گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسلام نے ابتداء ہی سے تلوار کے سایہ میں پرورش پائی۔ پیغمبر اسلام کی تلوار ہر اس شخص کے سر پر لٹکتی تھی جو اسلام ماننے سے انکار کرتا تھا اور ہر مسلمان کا یہ مذہبی فرض مقرر کیا گیا تھا۔ کہ وہ تلوار کے زور سے لوگوں کو مسلمان بنائے۔ یہ خیال حقیقت سے کس قدر دور ہے۔ اور تاریخی واقعات کے کس قدر خلاف ہے۔ اسکا جواب ذیل کے اوراق میں ملے گا۔

حقیقت حال یہ ہے۔ اور اس حقیقت کے شواہد ابھی ظاہر ہو جائیں گے۔ کہ اس ابتدائی زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ نے ابتداءً جو کچھ کیا۔ وہ دفاع اور خود حفاظتی میں کیا، اور وہ بھی اسوقت کیا جبکہ قریش مکہ اور انکی انگیخت پر دوسرے قبائل عرب کی معاندانہ کارروائیاں اس حد کو پہنچ چکی تھیں۔ کہ انکے مقابلہ میں مسلمانوں کا خاموش رہنا اور اپنی حفاظت کے لئے ہاتھ نہ اٹھانا خودکشی کے ہم معنے تھا۔ جسے کوئی عقلمند نظر استحسان سے نہیں دیکھ سکتا۔ اور پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دفاعی جنگ کے دوران میں جو کارروائیاں فرمائیں وہ حالات پیش آمدہ کے تحت نہ صرف بالکل جائز اور درست تھیں۔ بلکہ جنگی ضابطہ اخلاق کا جو معیار آپ نے قائم فرمایا۔ وہ آج بھی دنیا کے واسطے ایک بہترین نمونہ ہے۔ جس

سے زیادہ سختی اور سزا کی طرف مائل ہونا عدل اور رحم کے منافی ہے۔ اور اس سے زیادہ نرمی اور درگذر کا طریق اختیار کرنا دنیا کے امن کے لئے سم قاتل۔

درحقیقت اسلام کا دعویٰ ہے کہ وہ فطرت کا مذہب ہے۔ اس لئے نہ تو وہ یہ تعلیم دیتا ہے۔ کہ ہر صورت میں بدلہ اور ہر جرم کی سزا ہونی چاہئے اور نہ وہ یہ سکھاتا ہے۔ کہ کسی حالت میں بھی بدی کا مقابلہ نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ یہ ہر دو تعلیمات افراط و تفریط کی راہیں ہیں اور ان پر عمل کرنے سے کبھی بھی امن قائم نہیں ہو سکتا اور نہ اقوام و افراد کے اخلاق کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ اور صحیح اور سچی تعلیم یہی ہے۔ کہ جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (سورۃ شوریٰ ع ۴) یعنی "ہر جرم کی سزا اس کے مناسب حال ہونی چاہئے۔ لیکن اگر عفو کرنے سے اصلاح ہوتی ہو۔ تو عفو کرنا چاہئے۔ اور اس رنگ میں عفو کرنے والا شخص خدا کے نزدیک اجر کا مستحق ہوگا۔"

یہ قرآنی آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنگی ضابطہ اخلاق کا خلاصہ ہے۔ اور آپکی تمام جنگی کارروائیاں اسی آیت کی تفسیر ہیں۔

کیا اسلام میں مذہب کے معاملہ میں جبر کرنا جائز ہے؟

ابتدائی اسلامی لڑائیوں پر نظر ڈالنے سے پیشتر ہمارا فرض ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ اسلام مذہبی معاملات میں جبر کرنے کے متعلق کیا تعلیم دیتا ہے یعنی کیا اسلامی تعلیم کی رو سے یہ جائز ہے کہ لوگوں کو جبراً اسلام میں داخل کیا جائے اور تلوار کے ذریعہ اسلام پھیلایا جائے؟ اگر اسلام جبر کی اجازت دیتا ہے۔ تو پھر بیشک معاملہ مشتبہ ہو جائیگا۔ کیونکہ اس صورت میں اس بات کا امکان ہوگا۔ کہ شاید ابتدائی اسلامی جنگیں بھی لوگوں کو بزور مسلمان بنانے کی غرض سے کی گئی ہوں۔ لیکن اگر یہ ثابت ہو کہ اسلامی تعلیم کی رو سے مذہب میں جبر ممنوع ہے۔ تو پھر یہ ایک قوی ثبوت اس بات کا ہوگا۔ کہ یہ ابتدائی اسلامی لڑائیاں لوگوں کو جبراً مسلمان بنانے کی غرض سے نہ تھیں۔ بلکہ انکی وجوہات کوئی اور تھیں۔ کیونکہ یہ ہرگز ممکن نہیں اور کوئی عقلمند اسے قبول نہیں کر سکتا۔ کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے ایسے برملا طور پر اس تعلیم کے خلاف قدم مارا ہو۔ جو وہ خدا کی طرف منسوب کر کے لوگوں کو سناتے تھے۔ اور جس پر ان کی قومی ہستی کا دارومدار تھا۔

اب ہم قرآن شریف پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو وہاں صریح طور پر جبری اشاعت کے خلاف احکام پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (سورۃ کہف ع ۴) "اے رسول تو کہدے لوگوں سے کہ یہ سچائی تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ پھر اس کے بعد جو چاہے اس پر ایمان لے آئے اور جو چاہے انکار کر دے۔"

پھر فرماتا ہے کہ:۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ (سورۃ یونس ع ۱۱) یعنی "اے رسول تو لوگوں سے کہدے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آ گیا ہے پس اب جو شخص ہدایت کو قبول کریگا۔ تو اس کا فائدہ خود اسی کے نفس کو ہوگا۔ اور جو غلط راستہ پر چلے گا۔ اس کا وبال بھی خود اسی کی جان پر ہے۔ اور میں کوئی تمہاری ہدایت کا ذمہ دار نہیں ہوں۔"

پھر فرماتا ہے:۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (بقرہ ع ۳۴) یعنی "دین کے معاملہ میں جبر نہیں ہونا چاہیئے۔ ہدایت اور گمراہی کا معاملہ پوری طرح کھل چکا ہے۔ پس اب جو شخص گمراہی کو چھوڑ کر اللہ پر ایمان لے لیگا۔ وہ ایک نہایت مضبوط کڑے کو پکڑ لیگا۔ جو کبھی نہیں ٹوٹ سکتا۔ اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔"

اس قرآنی آیت کی عملی تشریح میں ایک حدیث آتی ہے کہ

فلما اجليت بنو النضير كان فيهم من ابناء الانصار فقالوا لا ندع ابناءنا فانزل الله تعالى لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۔ یعنی جب بنو نضیر مدینہ سے جلاوطن کئے گئے۔ تو ان میں وہ لوگ بھی تھے جو انصار کی اولاد تھے۔ انصار نے انہیں روک لینا چاہا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس قرآنی آیت کے ماتحت کہ دین کے معاملہ میں جبر نہ ہونا چاہیئے۔ انصار کو منع فرمایا۔ کہ ایسا نہ کریں۔

زمانہ جاہلیت میں جب کسی اوسی یا خزرجی مشرک کے اولاد نرینہ نہ ہوتی تھی۔ تو وہ منت مانتا تھا کہ اگر میرے ہاں کوئی لڑکا پیدا ہوا۔ تو میں اسے یہودی بنادونگا۔ اسی طرح اوس و خزرج کے کئی بچے یہودی بن گئے تھے ؂

پھر حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت کے متعلق وثیق رومی کی ایک روایت آتی ہے کہ کنت مملوکًا لعمر وکان یقول لی اسلم ..... قال فابیت فقال لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ۔ فلما حضرته الوفاۃ اعتقنی۔ فقال اذھب حیث شئت ؂ (عوارف بروایت ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ص) "یعنی وثیق رومی روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں میں ان کا غلام ہوتا تھا۔ آپ مجھ سے فرماتے رہتے تھے کہ مسلمان ہو جاؤ۔ مگر میں انکار کرتا تھا۔ اور حضرت عمرؓ یہ فرما کر خاموش ہو جاتے تھے کہ اچھا۔ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ یعنی دین کے معاملہ میں جبر جائز نہیں ہے۔ پھر جب انکی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے مجھے خود بخود آزاد کر دیا۔ اور فرمایا۔ اب جہاں چاہتے ہو چلے جاؤ" ؂

پھر خدا تعالے فرماتا ہے:۔

قُلْ لِّلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ وَالْاُمِّیّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ (آل عمران ع ۲) "یعنی اے رسول! کہدے اہل کتاب اور مشرکین سے۔ کہ کیا تم اسلام کو قبول کرتے ہو؟ یعنی انکو اسلام کا پیغام پہنچا دے۔ پھر اگر وہ اسلام کو قبول کرلیں تو جانو کہ وہ ہدایت پا گئے لیکن اگر وہ تیری دعوت کو رد کریں۔ تو تیرا کام تو صرف پیغام کا پہنچا دینا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خود دیکھ رہا ہے" ؂

قرآن شریف کی یہ آیات جن کو میں نے انکے نازل ہونے کی تاریخ کے مطابق ترتیب کے ساتھ درج کیا ہے۔ اس بات کا ایک قطعی ثبوت ہیں کہ اسلامی تعلیم کے رو سے دین کے معاملہ میں جبر کا ہرگز جائز نہیں ہے۔ بلکہ اسلام نے اس معاملہ کو ہر شخص کے ضمیر پر چھوڑ دیا ہے۔ کہ جس مذہب کو کوئی شخص اپنے لئے پسند کرے اختیار کرلے۔ ان آیات میں سے سورۃ کہف کی آیت مکی زمانہ کی ہے۔ سورۃ یونس کی آیت بعض محققین کے نزدیک مکی زمانہ کے آخری ایام کی۔ اور بعض کے نزدیک مدنی ہے۔ سورۃ بقرۃ کی آیت مدینہ کے ابتدائی سالوں کی ہے۔ جبکہ اسلامی جنگوں کا آغاز ہوا تھا۔ اور سورۃ آل عمران کی آیت مدینہ کے آخری زمانہ کی ہے۔ جبکہ مکہ اور طائف وغیرہ فتح ہو چکے تھے۔ اور عرب کی جنگوں کا قریبًا خاتمہ تھا۔ گویا یہ مختلف آیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے مختلف زمانوں میں نازل ہوئی تھیں۔ اور آخری آیت آپ کی وفات کے قریب نازل ہوئی تھی۔ اور یہ ساری آیات قطعی اور یقینی طور پر جبری اشاعت کو ممنوع قرار دیتی ہیں۔ اور رسول کا صرف یہ کام بتاتی ہیں کہ وہ اپنی تعلیم کھول کھول کر لوگوں کو سنادے۔ آگے ماننا نہ ماننا لوگوں کا اپنا کام ہے ؂

اب کیا یہ ممکن ہے کہ اس صریح اور واضح تعلیم کے ہوتے ہوئے جو ببانگ بلند دن رات لوگوں کو سنائی جاتی تھی۔ اور جس کی طرف خدا کو بلایا جاتا تھا۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ لوگوں کو جبرًا مسلمان بنانے کے لئے تلوار ہاتھ میں لے کر نکلتے۔ اور پھر کیا اس صورت میں کفار یہ اعتراض نہ کرتے کہ تم اپنے خدا کا کلام تو جبر کے خلاف سناتے ہو۔ اور خود جبر کرتے ہو۔ مگر تاریخ سے ثابت ہے۔ کہ کفار کی طرف سے کبھی یہ اعتراض نہیں ہوا۔ حالانکہ ان کی عادت تھی۔ کہ خوب جی کھول کھول کر آپ کے خلاف اعتراض کیا کرتے تھے۔ اور ان کے اعتراضات قرآن کریم اور کتب حدیث و تاریخ میں کثرت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں ؂

آغاز جہاد کے وقت مسلمانوں کی حالت جبر کے خیال کی مکذب ہے

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ جس وقت مسلمانوں کی طرف سے جہاد کا آغاز ہوا۔ اس وقت انکی جو حالت تھی وہ بھی جبر کے خیال کو جھٹلاتی ہے۔ بھلا چند گنتی کے لوگ جن کے خلاف گویا سارا ملک ہتھیار بند تھا۔ اور جن کا یہ حال تھا۔ کہ خوف کے مارے انکو رات کو نیند نہیں آتی تھی۔ وہ جبر کے خیال سے جنگ شروع کرسکتے ہیں؟ ایسی حالت میں تو صرف وہی شخص لڑائی کے لئے نکل سکتا ہے۔ جو یا تو یہ سمجھتا ہو کہ اب موت سے بچنے کا اگر کوئی ذریعہ ہے۔ تو یہی ہے کہ خود حفاظتی کے لئے تلوار نکال لی جاوے۔ اور یا وہ یہ خیال کرتا ہو۔ کہ اب مرنا تو ہے ہی۔ کیوں نہ مردوں کی طرح میدان جنگ میں جان دیجائے۔ ان دو غرضوں کے سوا کسی اور غرض کے لئے کوئی شخص جو مجنون نہیں ہے۔ اس حالت میں لڑائی کے لئے نہیں نکل سکتا۔ جو اسوقت مسلمانوں کی تھی۔ اور یہ اس بات کا ثبوت ہے۔ کہ مسلمانوں کی ابتدائی لڑائیاں دفاع اور خود حفاظتی کے لئے تھیں۔ نہ کہ جبر اور تشدد کی غرض سے ؂

کبھی کوئی شخص جبرًا مسلمان نہیں بنایا گیا

پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپکے صحابہؓ کی یہ لڑائیاں لوگوں کو جبرًا مسلمان بنانے کی غرض سے تھیں۔ تو تاریخ سے ہمیں ایسے لوگوں کی مثالیں نظر آنی چاہئیں۔ جو بزور مسلمان بنائے گئے۔ آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کے ہزاروں مسلمانوں اور کافروں کے نام تاریخ میں محفوظ ہیں کوئی ایک مثال تو ایسے شخص کی ملنی چاہیئے۔ جسے تلوار کے خوف سے مسلمان بنایا گیا ہو ؂

یہ ایک حقیقت ہے کہ تاریخ میں کوئی ایک مثال بھی جبری تبلیغ کی نظر نہیں آتی۔ ہاں دوسری طرف ایسی مثالیں تاریخ سے ثابت ہیں۔ کہ عین لڑائی کے دوران میں کسی مشرک نے اسلام کا اظہار کیا لیکن مسلمانوں نے اس خیال سے کہ یہ شخص ڈر کر اسلام کا اظہار کر رہا ہے۔ اور اس کے اسلام کے اظہار کے ساتھ دل کی تصدیق شامل نہیں ہے۔ اس کے اسلام کو اسلام نہیں سمجھا۔ اور اسے تلوار کی گھاٹ اتار دیا۔ چنانچہ تاریخ سے ثابت ہے کہ ایک لڑائی میں اسامہ بن زید جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کے صاحبزادے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت عزیز تھے۔ ایک کافر کے سامنے ہوئے۔ جب اس کافر نے دیکھا کہ اسامہ نے اس پر غلبہ پالیا ہے۔ تو کہنے لگا۔ میں مسلمان ہوتا ہوں۔ لیکن اسامہ نے اس کی پرواہ نہ کی۔ اور اپنا نیزہ چلا دیا۔ جب لڑائی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اس واقعہ کا ذکر ہوا۔ تو آپ اسامہ پر سخت ناراض ہوئے۔ اور فرمایا۔ کہ جب وہ شخص اسلام کا اظہار کرتا تھا تو تم نے اسے کیوں مارا؟ اسامہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! وہ ڈر کے مارے ایسا کہتا تھا۔ اور دل میں مسلمان نہیں تھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا؟ یعنی بالکل ممکن ہے کہ اسی وقت اس پر اسلام کی صداقت کھل گئی ہو۔ اور وہ دل سے مسلمان ہو گیا ہو۔ مثلاً ایسا ہو سکتا ہے۔ کہ اس نے اپنے دل میں فیصلہ کا یہ معیار رکھا ہو کہ اگر میں لڑائی میں غالب آگیا۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ ہمارے بت حق کے لئے میں لڑ رہا ہوں سچے ہیں لیکن اگر میں مغلوب ہو گیا۔ تو ثابت ہوگا کہ خدا ایک ہے۔ بہرحال اس کا میدان جنگ میں مسلمان ہونا اس بات کا یقینی ثبوت نہیں تھا۔ کہ وہ ڈر کر مسلمان ہوتا ہے ؂

پس جب اس بات کا امکان تھا۔ کہ وہ دل سے مسلمان ہوتا ہے تو اسامہ کو اپنا ہاتھ روک لینا چاہیئے تھا۔ اور اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پر ناراض ہوئے۔ اور اسامہ روایت کرتے ہیں۔ کہ آپؐ مجھ پر اسقدر ناراض ہوئے۔ کہ میں نے یہ تمنا کی۔ کہ کاش! میں اس واقعہ سے پہلے مسلمان ہی نہ ہوا ہوتا۔ اور اب اس کے بعد مسلمان ہوتا۔ تاکہ آپکی یہ ناراضگی میرے حصہ میں نہ آتی"۔ (مسلم کتاب الایمان) ؂

پھر تاریخ میں ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ کہ اگر کسی وجہ سے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی شخص کے متعلق یہ علم ہو گیا ہے کہ وہ دل سے مسلمان نہیں ہوا بلکہ محض ڈر یا طمع کی وجہ سے ایسا کر رہا ہے۔ تو آپؐ نے اس کا اسلام قبول نہیں فرمایا۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ایک روایت آتی ہے۔ کہ کسی لڑائی میں صحابہ نے ایک ایسے کافر کو قید کیا۔ جو قبیلہ ثقیف کے حلیفوں میں سے تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قیدی کے پاس سے گزرے۔ تو اس نے قید سے رہائی پانے کے خیال سے کہا۔ "اے محمدؐ! مجھے کیوں قید میں رکھا جاتا ہے؟ میں تو مسلمان ہوتا ہوں"۔ آپؐ نے فرمایا۔ "اگر تم اس حالت سے پہلے اسلام لاتے تو خدا کے حضور یہ اسلام مقبول ہوتا۔ اور تم نجات پا جاتے۔ مگر اب نہیں"۔ اس کے بعد آپؐ نے اس کے بدلے میں دو مسلمان قیدی بنو ثقیف سے چھڑوا لئے۔ اور اسے کفار کو واپس کر دیا۔ (مسلم بحوالہ مشکوٰۃ باب حکم الاسرٰی)

الغرض تاریخ میں کوئی ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی۔ کہ صحابہؓ نے کسی شخص کو ڈرا کر مسلمان بنایا ہو۔ بلکہ جو مثال بھی ملتی ہے۔ اس کے خلاف

ملتی ہے۔ اور یہ اس بات کا ایک عملی ثبوت ہے۔ کہ مسلمانوں کی یہ لڑائیاں لوگوں کو جبراً مسلمان بنانے کی غرض سے نہ تھیں ؛

اس جگہ اگر کسی کو یہ شبہ پیدا ہو۔ کہ لڑائی میں کسی کافر کی طرف سے اسلام کے اظہار پر اسے چھوڑ دینا یہ بھی تو ایک رنگ کا جبر ہے۔ تو یہ ایک جہالت کا اعتراض ہوگا۔ وجہ مخاصمت کے دور ہو جانے پر لڑائی سے ہاتھ کھینچ لینا حسنِ اخلاق اور احسان ہے۔ نہ کہ جبر و ظلم۔ کفار عرب کے خلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جنگ کرنا صرف اس بنا پر تھا۔ کہ انہوں نے آپ کے خلاف تلوار اٹھائی تھی۔ اور اسلام کی پُرامن تبلیغ کو بزور روکنا چاہتے تھے اور اسکے مقابل آنحضرت صلعم ملک میں امن اور مذہبی آزادی قائم کرنا چاہتے تھے۔ اب اگر کوئی شخص مسلمان ہو جاتا تو قطع نظر اس کے کہ کسی گھر میں بیٹھے ہوئے اسلام پر شرح صدر پیدا ہو جاتا ہے یا میدانِ جنگ میں؟ جب بھی وہ اسلام کا اظہار کرے گا۔ تو اس کے اس اظہار کے کم از کم یہ معنی ضرور ہوں گے۔ کہ اب اس کی طرف سے وہ خطرہ دور ہو گیا ہے۔ جس کی بنا پر یہ جنگ ہو رہی تھی۔ تو اس صورت میں لازماً اس کے خلاف کارروائی بند کر دی جائیگی ؛

درحقیقت جیسا کہ ابھی ظاہر ہو جائیگا۔ جنگ کی ابتداء تو کفار کی طرف سے تھی پس جب کوئی شخص مسلمان ہوتا تھا۔ تو طبعاً اس کے یہ معنی ہوتے تھے۔ کہ اب وہ جنگ کو ترک کر کے صلح کیطرف مائل ہوتا ہے پس اس کے خلاف لڑائی روک دیجاتی تھی۔ یہی مفہوم آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث کا ہے۔ جس میں آپ نے فرمایا ہے۔ کہ :-

اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَقُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ؛ (مسلم کتاب الایمان) یعنی مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ان کفار سے جنگ کروں۔ جو اسلام کے خلاف میدان میں نکلے ہیں۔ سوائے اس کے کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔

گر غلطی سے بعض لوگوں نے اس حدیث کے یہ معنے سمجھ لئے ہیں کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا کے تمام کافروں کے خلاف اس وقت تک لڑنے کا حکم دیا گیا تھا۔ کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ حالانکہ یہ معنی قرآنی تعلیم اور تاریخی واقعات کے صریح خلاف ہیں۔ اور یہ ایک سراسر خلافِ دیانت فعل ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی قول کے وہ معنی چھوڑ کر جو قرآن و تاریخ کے مطابق ہیں اور لغتِ عرب کی رو سے بھی ان پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ وہ معنی کئے جائیں۔ جو واضح قرآنی تعلیم اور صریح تاریخی واقعات کے بالکل خلاف ہیں۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کا یہی مطلب ہے کہ جن کفار نے مسلمانوں کے خلاف تلوار اٹھائی ہے اور ملک میں نقضِ امن کا موجب ہوئے ہیں۔ مجھے ان کے خلاف لڑنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن اگر وہ مسلمان ہو جائیں۔ اور ان کی طرف سے یہ خطرہ جاتا رہے۔ تو مجھے لڑائی بند کر دینے کا حکم ہے۔ گویا مراد یہ ہے۔ کہ مجھے ان کفار کے خلاف اس وقت تک لڑنے کا حکم ہے کہ یا تو جنگ کا کوئی نتیجہ ظاہر ہو جائے۔ یعنی یہ لوگ جو اسلام کے خلاف لڑتے ہوئے ہیں مفتوح ہو جائیں . . . . اور جنگ کا خاتمہ ہو جائے۔ اور یا وہ اسلام کی صداقت کے قائل ہو کر مسلمان ہو جائیں۔ اور ان کی طرف سے امن شکنی کا کوئی اندیشہ نہ رہے۔

اس کا مزید ثبوت یہ ہے کہ صرف اسلام کے اظہار پر ہی لڑائی بند نہیں ہوتی تھی بلکہ اگر کوئی قبیلہ مسلمانوں کے خلاف جنگ ترک کر دیتا تھا۔ اور مسلمانوں کی سیاسی حکومت کو قبول کر لیتا تھا۔ تو خواہ وہ کفر و شرک پر ہی قائم رہتا تھا اس کے خلاف بھی جنگ کی کارروائی روک دیجاتی تھی۔ چنانچہ اس کی بہت سی مثالیں تاریخ میں مذکور ہیں جو اپنے موقعہ پر بیان ہونگی۔ الغرض اسلام کے اظہار پر لڑائی بند کر دینے کے حکم کو قطعاً کوئی تعلق جبر سے نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک حسنِ سیاست کا فعل ہے۔ جو ہر عقلمند کے نزدیک قابلِ تعریف سمجھا جانا چاہیئے۔

یہ تشریح جو اس جگہ اس حدیث کی گئی ہے۔ یہ محض عقلی تشریح نہیں۔ بلکہ خود قرآن کریم کمال صراحت کے ساتھ اس تعلیم کو پیش کرتا ہے۔ کہ اگر کفار اپنے مظالم سے باز آجائیں اور ملک میں فساد اور امن شکنی کا موجب نہ بنیں۔ تو اس صورت میں مسلمانوں کو ان کے خلاف فوراً کارروائی روک دینی چاہیئے۔ چنانچہ قرآن شریف فرماتا ہے :-

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّیَكُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰهِ ۔ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ (بقرہ ۲۴)

یعنی اے مسلمانو تم جنگ کرو ان کفار سے جو تم سے جنگ کرتے ہیں۔ اس وقت تک کہ ملک میں فتنہ نہ رہے۔ اور ہر شخص اپنے خدا کے لئے (نہ کہ کسی ڈر اور تشدد کی وجہ سے) جو دین بھی چاہے رکھ سکے۔ اور اگر یہ کفار اپنے ظلموں سے باز آجائیں۔ تو تم بھی رک جاؤ۔ کیونکہ تمہیں ظالموں کے سوا کسی کے خلاف جنگی کارروائی کرنے کا حق نہیں ہے ؛

اس آیت کی تفسیر حدیث میں اس طرح آتی ہے کہ :-

عن ابن عمر ان اللّٰه یقول وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ۔ قال ابن عمر قد فعلنا علی عهد رسول اللّٰه صلعم اذا کان الاسلام قلیلا فکان الرجل یفتن فی دینه اما یقتلوه و اما یوثقوه حتی کثر الاسلام فلم تکن فتنة (بخاری کتاب التفسیر سورۃ الانفال) یعنی یہ جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ لڑو ان کفار سے جو تم سے لڑتے ہیں اس وقت تک کہ ملک میں فتنہ نہ رہے۔ اس کے متعلق ابن عمر کہتے ہیں۔ کہ ہم نے اس الٰہی حکم کی تعمیل یوں کی۔ کہ جب کہ رسول اللہ کے زمانہ میں مسلمان بہت تھوڑے تھے اور جو شخص اسلام لاتا تھا۔ اسے کفار کی طرف سے دین کے راستے میں دکھ دیا جاتا تھا۔ اور بعض کو قتل کر دیا جاتا تھا۔ اور بعض کو قید کر لیا جاتا تھا اور ہم نے جنگ کیا۔ اس وقت تک کہ مسلمانوں کی تعداد اور طاقت زیادہ ہو گئی۔ اور مسلموں کے لئے یہ فتنہ نہ رہا" ؛

اس واضح اور بیّن آیت اور اس واضح اور بیّن حدیث کے ہوتے ہوئے کسی ذو معنیین حدیث سے جبری اشاعت کی تعلیم ثابت کرنیکی کوشش کرنا ہرگز دیانت داری کا فعل نہیں سمجھا جا سکتا ؛

صحابہؓ کی زندگیاں جبر کے خیال کی مکذب ہیں

پھر سچے ایمان کی بعض علامات ہیں جن سے وہ پہچانا جاتا ہے۔ اور جو کبھی بھی اس شخص میں پیدا نہیں ہو سکتیں جو تلوار کے زور سے مسلمان بنایا گیا ہو مثلاً سچے ایمان میں محبت ہوتی ہے۔ اخلاص ہوتا ہے۔ قربانی ہوتی ہے۔ غیرت ہوتی ہے۔ اور ناممکن ہے کہ یہ باتیں اس شخص میں پائی جائیں جس کا ایمان محض دکھاوے کا ایمان ہے۔ اور جو صرف خوف کی وجہ سے کسی عقیدہ کا اظہار کرتا ہے مگر اسکا دل اس ایمان سے خالی ہوتا ہے پس ہمیں صحابہؓ کی زندگیوں کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ اور پھر دیکھنا چاہیئے کہ کیا ان کا حال ان لوگوں کا سا نظر آتا ہے جن کا مذہب تلوار کے زور سے تبدیل کیا گیا ہو؟ کیا ان کے ایمان میں محبت کی بُو نہیں؟ کیا ان کے دل اخلاص سے خالی نظر آتے ہیں؟ کیا انمیں قربانی کی روح نہیں پائی جاتی؟ کیا انمیں غیرت کی کمی محسوس ہوتی ہے؟ اگر یہ نہیں۔ اور ہرگز نہیں۔ اور یہ سب علامات صحابہؓ میں موجود ہیں۔ اور نہ صرف موجود ہیں۔ بلکہ بدرجہ کمال پائی جاتی ہیں۔ اور ان کی زندگیوں کا ہر کارنامہ ان کے ایمان۔ ان کے اخلاص اور اسلام کے لئے انکی محبت اور قربانی اور غیرت پر شاہد ہے۔ تو یہ کسقدر ظلم ہوگا۔ کہ انکے ایمان کی سچائی پر شبہ کیا جاوے۔

دور نہ جاؤ۔ عکرمہ بن ابوجہل ہی کی مثال لے لو۔ باپ ابوجہل ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خون کا پیاسا تھا۔ اور اسی کوشش میں ہلاک ہوا۔ خود عکرمہ کا یہ حال تھا۔ کہ ہر لڑائی میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف لڑا۔ اور اسلام کو مٹانے کے لئے اس نے اپنی تمام کوشش صرف کر دی۔ اور بالآخر جب مکہ فتح ہوا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معافی کو اپنے لئے موجبِ ذلت سمجھ کر مکہ سے بھاگ گیا۔ اور مورخین لکھتے ہیں کہ وہ ان لوگوں میں سے تھا جن کے قتل کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا تھا لیکن بالآخر جب وہ مسلمان ہوا۔ تو اس کے ایمان و اخلاص کا یہ حال تھا۔ کہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت میں اس نے باغیوں کے قلع قمع کرنے میں بے نظیر جان نثاریاں دکھائیں۔ اور جب ایک جنگ میں سخت گھمسان کا رن پڑا۔ اور لوگ اس طرح کٹ کٹ کر گر رہے تھے جیسے درانتی کے سامنے گھاس گرتا ہے اس وقت عکرمہ چند ساتھیوں کو لیکر عین قلبِ لشکر میں جا کودا بعض لوگوں نے منع کیا۔ کہ اس وقت لڑائی کی حالت سخت خطرناک ہو رہی ہے۔ اس طرح دشمن کی فوج میں گھسنا ٹھیک نہیں ہے لیکن عکرمہ نے نہ مانا۔ اور یہی کہتا ہوا آگے بڑھتا گیا کہ "میں لات و عزّیٰ کی خاطر محمد رسول اللہؐ سے لڑا ہوں۔ آج خدا کے رستے میں لڑتے ہوئے پیچھے نہیں رہوں گا۔" لڑائی کے خاتمہ پر دیکھا گیا۔ کہ اس کی لاش نیزہ و تلوار کے زخموں سے چھلنی تھی۔

مالی قربانی کا یہ حال تھا کہ جب غنائم میں سے عکرمہؓ کو کوئی حصہ ملتا تھا۔ تو وہ اسے صدقہ و خیرات اور خدمتِ دین میں بے دریغ خرچ کر دیتا تھا۔ اور کہا کرتا تھا۔ کہ ایک زمانہ تھا کہ میں خدا کے دین کے خلاف خرچ کیا کرتا تھا اب جبتک خدا کی راہ میں خرچ نہ کرلوں مجھے چین نہیں

میں اس سے پہلے بھی دو مضمون اسی سلسلہ کی روشنی میں لکھ چکا ہوں۔ اب پھر ایک مضمون شائع کر رہا ہوں۔ ان پوشیدہ جذبات کو جو ہر ایک قوم کی پشت پر ہوتے ہیں۔ الفاظ میں ڈھال کر ہر شخص کے فہم کے قریب کر رہا ہوں۔ اس سے زیادہ ان واقعات کے بیان کرنے میں میرا کچھ دخل نہیں۔ حامد محمود

جنگ کے لئے کوچ

صدیاں گذریں۔ ایک آباد شہر تھا جس کے گلی کوچوں میں چہل پہل اور رونق اور آبادی اپنی شباب کو پہونچی ہوئی تھی جس طرح گنجان دمشق۔ لوگ تلواریں لٹکائے۔ نیزے ہاتھوں میں لئے۔ بندوقات اور اسباب جنگ کے اٹھائے۔ چہروں سے خوشی ظاہر کرتے ہوئے منہ ادھر ادھر تیزی سے چلتے پھرتے نظر آتے تھے۔ تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہوئے فوجوں کے دستے شہر کی گلیوں میں سے اس آب و تاب سے گزرتے ہوئے نظر آتے تھے۔ کہ معلوم ہوتا تھا۔ انہیں اپنے دشمن کو زیر کرنے کا پہلے سے ہی یقین ہے اور ان کی نظروں میں اس کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے۔ جو لوگ ان سپاہیوں کو شہر سے باہر نکلتے ہوئے دیکھتے۔ بغیر اس کے کہ ان کی شکلیں پہچانتے ہوں۔ اور بغیر اس کے کہ ان کے نام سے واقف ہوں بے اختیار ہو کر دعائیں دینے لگ جاتے۔ آنکھیں پرنم ہو جاتیں۔ اور دھڑکتے ہوئے دل سے کہتے۔ خدایا ہمارے ان بھائیوں کی حفاظت کیجیو۔ اور ظفر اور کامیابی کے ساتھ واپس لائیو۔

مسلم ماؤں کے جذبات

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا۔ کہ کسی سپاہی کی ماں اپنے مکان کا دروازہ کھولے اس انتظار میں کھڑی ہوتی۔ کہ اپنے بچے کی جو زبردست دشمن کے مقابلہ کے لئے جا رہا ہے۔ ایک بار پھر شکل دیکھ لے۔ کہ نہ معلوم پھر اس کی شکل دیکھنی نصیب ہو۔ یا نہ ہو۔ لیکن باوجود اس خطرہ کے کہ اس کا بچہ موت کے منہ میں جا رہا ہے اس کے چہرہ سے عزم و استقلال کے آثار ظاہر ہوتے تھے۔ اور چہرہ کے ہر ہر شکن سے ظاہر ہوتا تھا۔ کہ اسے اس امر کا اتنا فکر نہیں۔ کہ اس کا بچہ میدان جنگ سے زندہ واپس آئے گا۔ یا نہیں جس قدر کہ اس امر کا کہ وہ اپنا فرض منصبی ادا کرے گا۔ یا نہیں۔ اور اپنے پیدا کرنے والے مہربان آقا کے دین کی حفاظت میں اپنی جان سے بے پروا ہو کر دشمن کا مقابلہ کرے گا۔ یا نہیں۔

کبھی کبھی ایسا بھی دیکھا جاتا تھا۔ کہ کوئی کوئی ماں اپنے بچہ کو دیکھ کر بے اختیار ہو جاتی اور شدت گریہ سے اس کی آواز نہ نکلتی۔ لوگ اسے تسلی دینے کے لئے بڑھتے۔ اور سمجھتے کہ یہ عورت بے صبری دکھا رہی ہے اور اپنے بچہ کی جان کا خطرہ میں پڑنا برداشت نہیں کر سکتی۔ لیکن اتنے میں وہ عورت اپنے جذبات پر کسی قدر قابو پا لیتی۔ اور اپنے بچے کو گلے لگا کر کانپتی ہوئی آواز میں کہتی بیٹا تیرے باپ دادوں نے کفر میں کبھی پیٹھ نہیں دکھائی۔ اور تیری ماں نے تیری اچھی پرورش میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ خود جاگی۔ اور تجھے سلایا۔ خود بھوکی رہی۔ اور تجھے کھلایا۔ خود سردی میں ٹھٹھری۔ اور تجھے پہنایا۔ غرض ہر طرح تجھے مضبوط اور توانا بنانے کی کوشش کی۔ اور تجھے آرام پہونچانے کا فکر کیا۔ آج تیرا امتحان ہے۔ اپنے ایمان کو داغ نہ لگائیو۔ اور اپنے اخلاص کی پردہ دری نہ کیجیو۔ اب اس وقت کہ تیری ماں بڑھیا ہو چکی ہے۔ اور اس کی تمام طاقتیں کمزور ہو چکی ہیں۔ اور اس کے بال سفید ہو چکے ہیں۔ اس کو دنیا کی نظر میں ذلیل نہ ہونے دیجیو۔ اور اس کے سفید بالوں کو بے آبرو نہ کیجیو۔ بیٹا اگر اپنے بھائیوں کی حفاظت اور خدا کے بندوں کی جان بچانے کے لئے تو نے اپنی جان نہ لڑا دی۔ اور شرک و کفر کے مقابلہ میں دین توحید کی مدد کے لئے تمام خطرات کی برداشت کے لئے تیار نہ ہوا۔ تو خدا کی قسم قیامت کے دن اپنا دودھ تجھے نہ بخشوں گی۔ اور اگر تو نے دشمن کو پیٹھ دکھائی۔ اور فتح پا کر واپس نہ آیا۔ اور خدا اور اس کے رسول کا حق ادا نہ کیا۔ تو آئندہ تیری شکل دیکھنے کی روادار نہ ہوں گی۔

وہ لوگ جو ان ماؤں کو تسلی دینے کے لئے آگے بڑھے ہوئے ہوتے۔ شرم سے اپنی گردنیں نیچی کر دیتے۔ زبان پر تحسین و تعریف کے کلمات جاری ہوتے۔ اور دل ندامت سے پر ہوتے۔ جی ہی جی میں کہتے۔ مبارک ہیں وہ بچے جن کو ایسی مائیں ملیں۔ مبارک ہے وہ قوم جس میں ایسی دلیر عورتیں پیدا ہوئیں۔ مبارک ہے وہ رسول جس نے ایسی قربان ہونے والی خادمات تیار کیں۔ ہاں مبارک ہے انسانیت۔ جس نے ایسے اعلیٰ جذبات کے مظاہرے دکھلائے۔

فدایان اسلام کو وصال الٰہی کی تمنا

وہ انہی خیالات میں ہوتے۔ کہ سپاہیوں کا دستہ گھوڑے دوڑاتا ہوا آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا۔ اور باوجود ان رقت انگیز نظاروں کے دیکھنے کے سپاہیوں کے چہرے پھر بھی خوشی اور امنگ کے جذبات کو ظاہر کر رہے ہوتے ہر شخص کی آنکھوں سے یہی معلوم ہوتا کہ گویا وہ مقصد جس کے لئے اس نے سالوں راتیں آنکھوں میں گزاری تھیں۔ آج پورا ہونے لگا ہے۔ وہ اس موقعہ کے نصیب ہونے پر ایک دوسرے کو مبارکبادیں دیتے ہوئے۔ حمد و ثنا کے کلمات دہراتے ہوئے اپنے ان بھائیوں کی مدد کیلئے جن کو پہلے سے یہ برکت نصیب تھی۔ دوڑے جاتے۔ ان کے دلوں سے وطن گھر بار۔ عزیز و اقارب سب کی یاد محو ہوتی جاتی۔ صرف ایک ہی نقش تھا۔ جو گہرا۔ اور روشن ہوتا چلا جاتا۔ اور وہ وصال الٰہی کی تمنا کا نقش تھا۔

فاتح بہادروں کی واپسی

ان نظاروں کے ساتھ ساتھ بالکل ان سے مختلف نظارے بھی نظر آتے۔ شہر کی بعض دوسری گلیوں میں سوار شہر میں داخل ہوتے ہوئے نظر آتے۔ جن کے گھوڑے یا اونٹ پسینہ سے شرابور ہوتے۔ سوار اور سواری دونوں کا سانس پھولا ہوا ہوتا۔ اور وہ گرد و غبار سے اس طرح اٹے ہوئے ہوتے۔ کہ معلوم ہوتا ابھی کسی گرد و غبار کے طوفان میں سے نکل کر آئے ہیں۔ ان لوگوں کو دیکھتے ہی شہر کے بڑے چھوٹے باہر نکل پڑتے۔ اور ہر ایک کی زبان سے کیا خبر لائے ہو کیا خبر لائے ہو کی آواز نکل رہی ہوتی مگر سوار جو تعب سفر سے پہلے ہی تھک کر چور ہوتے تھے۔ جلدی جلدی ہانپتے ہوئے اس قسم کے فقرے کہتے چلے جاتے۔ الحمد للہ۔ زبردست کامیابی ہوئی۔ فلاں میدان مارا۔ فلاں قلعہ فتح کیا۔ فلاں فوج کو شکست دی۔ فلاں جگہ کا خزانہ لشکر کے ہاتھ آیا۔ اور ابھی چند دن میں شہر میں قافلے کے ساتھ پہنچ جائے گا۔ لوگ شکر و امتنان کے سجدے کرتے۔ اور حمد و ثنا کے گیت گاتے ہوئے مسجد جامع کی طرف دوڑتے چلے جاتے۔ اگر اس ملک کا سردار خود بھی ہانپتا ہانپتا کسی گلی یا کوچے میں اس خبر رسان سے نہ مل چکا ہوتا۔ تو سب کے سب مل کر جامع مسجد پہونچتے۔ اور وہاں سردار قوم کے سامنے تمام حالات

پھر سے تفصیل کے ساتھ بیان کیئے جانے ؛

مالِ غنیمت کی تقسیم

جب خزانوں کا قافلہ پہونچتا۔ تو کچھ تو سر عام مستحقین اور حاجت مندوں میں تقسیم کر دیا جاتا۔ باقی ضرورت کے مطابق خزانہ میں رکھا جاتا۔ ملکوں کی دولت جو صدیوں سے جمع چلی آتی تھی۔ نہ معلوم کس طرح کھنچتی ہوئی ان لوگوں کے قدموں پر آ پڑتی تھی جو مجبور روزگار چیزیں تقسیم ہو کر قیصر و کسریٰ کے محلوں میں تھیں۔ وہ اس شہر کے فقیروں کے گھر ایک منتقل ہو رہی تھیں ؛

فتح و ظفر کے موقعہ پر پُر نم آنکھیں

جس وقت فتح و ظفر کی خوشخبریاں سے ریت اور نعرے بلند ہوتے۔ تو کچھ لوگ جن کے چہروں سے اپنے باقی بھائیوں کی نسبت زیادہ نور ٹپکتا ہوتا تھا چشم پُر نم ہو جاتے۔ اور جب مال کا ایک کثیر حصہ جو مبلغ وقعہ ہزاروں اشرفیوں پر مشتمل ہوتا۔ ان کی خدمات کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کے سامنے پیش کیا جاتا۔ تو بجائے چہرہ پر خوشی کے آثار ظاہر ہونے کے شدت گریہ سے ان کی آوازیں رک رک جاتیں۔ اور بمشکل صَدَقَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ کے الفاظ ان کی زبان پر جاری ہوتے۔ دور دراز کے آئے ہوئے کئی نوجوان اس بات کو دیکھکر حیران رہ جاتے اور شہر کے نوجوان دوستوں کی طرف دیکھکر کہتے۔ کہ ان بڑھوں کو کیا ہو گیا ہے۔ کہ خوشی کے موقعہ پر روتے ہیں۔ لیکن شہر کے نوجوان عجیب ادب و احترام سے نہایت مرعوب شکل بنائے ہوئے اپنی شہادت کی انگلی ہونٹوں پر رکھ دیتے۔ اور کہتے۔ خاموش یہ آقا کے ساتھی ہیں۔ آقا کے ساتھی۔ ان کی آنکھوں نے وہ کچھ دیکھا ہے۔ جس کے لئے دنیا ترس رہی ہے۔ ان کی نظروں میں دُنیا کی سب سے قیمتی چیز اپنے محبوب کی دیرینہ صحبتیں ہیں ؛

صحبتِ دیرینہ کی یاد

ایک دن تھا۔ کہ ہمارا آقا تن تنہا بے یار و مددگار۔ بے مونس و غمگسار اس زبردست صداقت کو لے کر جو دنیا کی نجات کے لئے خدائے کون و مکان نے بھیجی تھی۔ لوگوں کے سامنے آیا۔ اس کے عزیزوں نے اسے دھتکار دیا۔ اس کے قریبیوں نے اسے گالیاں دیں۔ اس کے دوستوں نے اسے مارا۔ اور اس کے شہر والوں نے اسے قتل کرنے کی کوشش کی۔ اور اُس کے ملک نے حقارت سے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اس وقت یہ لوگ ایک ایک دو دو کر کے اس کی قربانیوں سے متاثر ہوئے۔ اور اس کی لائی ہوئی صداقت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے ساتھ آکر شریک ہو گئے۔ اس دولت کے لئے نہیں جس میں آج تم شریک ہو رہے ہو۔ بلکہ ان گالیوں کے لئے۔ ان پتھروں کے لئے۔ ان تلوار کی دھاروں کے لئے۔ ان نیزوں کی نوکوں کے لئے۔ جن کا نشانہ اُس زمانہ میں ہمارے آقا۔ اور اس کے ساتھیوں کو بنایا جاتا تھا۔ اُس وقت اُن کی داڑھیاں نوچی جاتیں۔ دوپہر کے وقت تپتی ریت پر ننگے بدن گھسیٹا جاتا۔ جہاں تک کہ جسم پر داغ پڑ جاتے۔ نوک دار پتھروں پر گھسیٹ کر جسم کو لہو لہان کر دیا جاتا۔ گلے پیچھے ڈال کر زخمی کرایا جاتا۔ اس زمانہ کے بچوں کی ایک نئی کھیل یہ ہو گئی تھی۔ کہ وہ ان پر سنگ باری کرتے اور اُن کے تڑپنے اور تلملانے کا تماشا دیکھتے جب کوئی ستم زدہ مظلوم اپنے لہو لہان جسم کو بوسیدہ کپڑوں سے چھپاتا ہوا صحبت یار کی کشش سے متاثر ہو کر در محبوب پر پہنچ جاتا۔ اور تازہ تازہ خون کے قطرے اس کی حالت کی غمازی کر دیتے۔ تو ہمارا آقا بے تاب ہو جاتا۔ لیکن دل کو قابو میں لاتے اور محبت بھری نگاہ ڈالتے ہوئے کہتا۔ اے بھائی ان مصیبتوں پر صبر کرو۔ خدا تعالیٰ کی نظروں سے تمہاری قربانیاں اوجھل نہیں۔ وہ دن آتا ہے۔ جب تم جو گدڑیاں اوڑھے پھرتے ہو اور کس و ناکس کے ظلموں کا نشانہ بن رہے ہو۔ شاہی تختوں پر بیٹھو گے۔ قوموں کی گردنیں تمہارے ہاتھ میں دی جائیں گی اور حکومتوں کے خزانے تمہارے لئے کھول دیئے جائیں گے۔ وہ ریت پر گھسیٹے جانے والے اور اونٹوں سے باندھ باندھ کر مارے جانے والے ان باتوں کو سنتے۔ ایمان سے اپنے دل میں جگہ دیتے اور حیرت و استعجاب کے سمندر میں غرق ہو جاتے۔ اب جو یہ ان باتوں کو پورا ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ اور اپنے آقا کی مدد و نہ باتیں انہیں یاد آتی ہیں۔ تو اس کے دن اس صحبت دیرینہ کو یاد کر کے دردو رقت سے بھر جاتے ہیں۔ اور یہ مال جیسا تم کو مال کی حیثیت سے خوش کرتا ہے۔ انہیں اپنے آقا کی باتیں یاد دلا دلا کر رولاتا ہے۔ اور جُدائی کے زخموں کو ہرا کرتا ہے ؛

صحبتِ دیرینہ کی ایک گھڑی کی حسرت

نو وارد اور ناواقف نوجوان ان باتوں کو سنتے۔ اور آب دیدہ ہو جاتے۔ ادب و احترام کے ساتھ ان بزرگوں کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے۔ اور اس حسرت و غم کے ساتھ پیچھے ہٹ جاتے۔ کہ کاش دُنیا کا سب مال و متاع ہم سے لے لیا جاتا۔ اور اس صحبت دیرینہ کی ایک گھڑی ہمیں بھی میسر ہو جاتی ؛

ایک نیک سیرت خاتون کے حالاتِ زندگی

اسی زمانہ میں اسی شہر کی ایک گلی میں جامع مسجد کے پاس ایک چھوٹا سا مکان تھا۔ اس میں ایک نیک سیرت خاتون رہتی تھیں۔ عمر کوئی تیس بتیس سال کی تھی۔ کوئی تیرہ سال کی تھیں جب ان کی شادی ہوئی۔ اور جن سے شادی ہوئی۔ ان کی عمر کوئی ترپن سال کی تھی۔ ان کی کئی اور بیویاں بھی تھیں۔ اور اس وجہ سے کہ ایک بیوی نے اپنی باری چھوڑ دی تھی۔ ان کی باری چوتھے پانچویں دن آجاتی تھی۔ گھر کی آسائش کا یہ حال تھا۔ کہ خود کہتی ہیں۔ بعض دفعہ دو دو مہینے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی بعض امیر ہمسائے کھانا بھیج دیا کرتے تھے۔ یا اونٹنیوں کا دودھ آ جایا کرتا تھا۔ اسی پر گزران ہوتی تھی۔ ایک دفعہ ان کے والد نے بکرے کی بھنی ہوئی ایک ران بھیجی۔ بیان کرتی ہیں۔ کہ ایک دفعہ میں پکڑتی۔ اور میرے میاں اندھیرے میں اس سے ایک بوٹی کاٹ لیتے۔ اور ایک دفعہ وہ پکڑتے۔ اور میں ایک بوٹی کاٹ لیتی کسی نے کہا۔ تمہیں اندھیرے میں بوٹی کھانے کا کیا شوق تھا تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ اگر ہمارے پاس تیل ہوتا۔ تو ہم دیا نہ جلاتے۔ قریباً تیئیس سال کی عمر میں بیوہ ہو گئیں۔ عام طور پر چھوٹی عمر کی لڑکیاں جب بڑی عمر کے مردوں سے بیاہی جاتی ہیں۔ تو ساری عمر شکوہ و شکایت میں گزار دیتی ہیں۔ لیکن یہاں تو یہ زائد باتیں بھی تھیں۔ کہ اور دوسری بیویاں بھی موجود تھیں۔ اور عیش و تنعم کا بھی کوئی سامان موجود نہ تھا۔ جو دل بہلانے کا موجب ہوتا مگر نہ معلوم اس بزرگ ہستی میں جن سے ان کی شادی ہوئی تھی۔ کیا کشش تھی۔ کہ ہر لمحہ جو ان کی صحبت میں گزرتا۔ ان کے دل کو روشن تر کر دیتا۔ اور خاوند کی محبت کے جذبات پہلے سے بھی زیادہ ترقی پا جاتے ؛

خاوند کی وفات کے بعد کے حالات

خاوند کی وفات کے بعد کچھ ایسے سامان پیدا ہوئے۔ کہ دولت و آسائش کے دروازے کھل گئے۔ تنگی و ترشی کا زمانہ گذر گیا۔ اللہ تعالےٰ نے کچھ ایسا علم دیا تھا۔ کہ رات دن علم حاصل کرنے والوں کا تانتا بندھا رہتا۔ گھر میں عورتیں بھری رہتیں اور دروازوں کے باہر مردوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگے رہتے۔ ایک سوال کرنے والا ہوتا۔ تو دس اس کے ساتھ فائدہ اٹھانے کے لئے ساتھ چل پڑتے۔ وہ مسائل جن کے حل کرنے سے بڑے بڑے عالم عاجز رہ جاتے۔ وہ انہیں نہایت سادگی سے حل کر دیتیں جب فتح و کامیابی کے بعد مسجد میں مستحقین اور حاجتمندوں کو روپیہ تقسیم کیا جاتا۔ تو سب سے پہلے ان کے لئے ایک حصہ وافر الگ کیا جاتا۔ سردار قوم یہ کہتے ہوئے۔ کہ چلو اپنے آقا کی محبوبہ بیوی کے سامنے یہ ہدیہ پیش کریں۔ وہ رقم لے کر دروازے پر آتے۔ یہ اس سے کیا سلوک کرتیں۔ وہ ہم ایک عینی شاہد کی زبان سے بیان کرتے ہیں۔ اس شہر پر ایک دن نہایت خوشی کا آیا۔ فتح و ظفر کی خوشخبریوں نے دلوں میں وہ ولولے پیدا کر دیئے کہ اللہ اکبر کے نعروں نے شہر کے در و دیوار ہلا دیئے۔ فتح و ظفر کے نشان یعنے مال و دولت میں سے ایک لاکھ روپیہ ان کی خدمت میں بھیجا گیا۔ اس روپیہ کو انہوں نے دیکھا۔ اللہ تعالےٰ کے فضل کا شکریہ ادا کیا۔ اور اظہار شکر کے طور پر اس روپیہ کو تقسیم کرنا شروع کیا۔ تقسیم کرتی گئیں۔ دور کرتی گئیں۔ یہاں تک کہ اس میں سے ایک پیسہ بھی باقی نہ رہا۔ کسی نے کہا۔ کہ بی بی اگر ایک چونی رکھ لیتیں

تو شام کے لئے گوشت آ جاتا۔ فرمایا۔ میاں! تم نے وقت پر یاد کیوں نہ کرایا؟

خوشیوں کا دن

وہ دن شہر کے لئے خوشیوں کا دن تھا۔ ہر گھر میں کامیابی کی خوشی میں گھی کے چراغ جل رہے تھے۔ روپیہ اس قدر تقسیم ہوا تھا۔ کہ غریب بھی مالدار ہو گئے تھے۔ آج اس شہر میں عید تھی۔ حقیقی عید! جس میں دل مطمئن اور جسم آسودہ ہوتے ہیں۔ غمگین و افسردہ دل لوگ حیران تھے۔ کہ آج ہماری پریشانی اور افسردگی کہاں گئی۔ بیمار اپنی بیماریاں بھول بھول کر بستر چھوڑ کر اٹھ بیٹھے تھے۔ چھوٹے بچے گلیوں میں خوشی کے مارے ناچ رہے تھے اپنے بچوں اور خاوندوں کی یاد میں پریشانی کی گھڑیاں گذارنے والی مائیں اور بیویاں ان کی سلامتی اور ان کی فتح کی خبریں سنکر اطمینان کے سانس لے رہی تھیں۔ اور مارے خوشی کے جھوم رہی تھیں۔ ہر خاندان کے بوڑھے مجالس میں بیٹھے اپنے نوجوانوں کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔ غرض اس دن شہر بھر میں عید تھی۔ ہر گھر میں عید تھی۔ ہر دل میں عید تھی۔ ہر جگہ سے خوشی و شادمانی کے ترانے اٹھ اٹھ کر اپنے ہمسایوں کے دلوں میں خوشی کی ایک نئی لہر پیدا کر دیتے تھے ؎

میدے کی نرم روٹی حلق میں اٹک گئی

اس وقت میدے کے گرم گرم اور نرم نرم پھلکے ان مبارک خاتون کے سامنے لائے گئے۔ انہوں نے اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے ایک لقمہ توڑا۔ اور بسم اللہ کہتے ہوئے اپنے منہ میں رکھ لیا۔ نہ معلوم اس نرم نرم لقمہ میں کیا تاثیر تھی۔ کہ وہ ان کے گلے میں کانٹوں کی طرح پھنس گیا۔ ان کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ وہ مسرور و شاداں و بشاش چہرہ کے ساتھ ہزاروں عورتوں اور مردوں کو درس علم دینے والی خاتون۔ وہ لاکھ روپیہ تقسیم کر کے شاداں و فرحاں اٹھنے والی خاتون اس وقت کے جذبات سے کچھ ایسی متاثر ہوئیں۔ کہ گرم گرم آنسو ان کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ گرنے لگے ؎

خوشی کے گیتوں میں غم کا ترانہ

دیکھنے والیاں حیران رہ گئیں۔ کہ ان خوشی کے گیتوں میں یہ غم کا ترانہ کیسا۔ ان شادمانی کے نعروں میں ان گرم آنسوؤں کے معنے کیا۔ کسی نے حیرت سے پوچھا کہ خیر تو ہے۔ کیسی عمدہ نرم نرم روٹی ہے۔ اور آپ کے گلے میں پھنس رہی ہے۔ اور بجائے خوش ہونے کے آپ رو رہی ہیں۔ انہوں نے ایک آہ کھینچی اور کہا۔ میرے گلے میں روٹی اپنی خشکی کی وجہ سے نہیں پھنسی۔ بلکہ اپنی نرمی کے باعث۔ رنج کے جذبات نے مجھے رنجیدہ نہیں کیا۔ بلکہ خوشی کی گھڑیوں نے مجھے افسردہ بنا دیا ہے۔ ایک دن تھا۔ کہ میرا سرتاج۔ ہمارا آقا ہمارے اندر موجود تھا۔ اسی کے طفیل اور اسی کی برکت سے آج ہمیں یہ کامیابیاں۔ یہ خوشیاں۔ یہ عیش میسر ہیں۔ لیکن خود اس کا یہ حال تھا۔ کہ دو دن گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ اور اگر روٹی پکتی بھی۔ تو اس طرح کہ ہم غلہ سل بٹہ پر پیس لیا کرتے تھے۔ اور پھونکوں سے اس کے چھلکے اڑا کر اس کی روٹی پکایا کرتے تھے۔ اے بہن۔ یہ روٹی میرے گلے میں اس لئے نہیں پھنسی۔ کہ یہ خشک ہے۔ بلکہ اس لئے کہ یہ نرم ہے۔ ہاں اس لئے کہ یہ نعمتیں جس کے طفیل سے ہمیں میسر ہوئی ہیں۔ وہ آج ہم میں نہیں۔ کہ ہم یہ نعمتیں اس کے سامنے پیش کرتے۔ اور یہ دولتیں اس کے قدموں پر نثار کر دیتے۔ یہ بات سنکر مجلس پر ایک خاموشی طاری ہو گئی۔ خوشیوں کے نعرے پھر بھی لگ رہے تھے۔ تکبیریں پھر بھی بلند ہو رہی تھیں۔ بچے اب بھی ناچ رہے تھے۔ لڑکیاں اب بھی گا رہی تھیں۔ مائیں اور بیویاں اب بھی خوشی سے جھوم رہی تھیں۔ بوڑھے اپنے نوجوانوں کے کارناموں پر اب بھی فخر کر رہے تھے۔ لیکن یوں معلوم ہوتا تھا۔ کہ خوشی کے پھل کا چھلکا تو قائم ہے لیکن اس کا بیج کھایا گیا ہے۔ شہر کی دیواریں مسرت سے خیرہ نہ ہوتی تھیں۔ بلکہ حسرت سے تھراتی ہوئی نظر آتی تھیں ؎

سیدہ عائشہؓ کے آنسو

ہاں سیدہ عائشہؓ کے دل کی گہرائیوں سے نکلے ہوئے آنسوؤں نے شہر اور اس کی مسرتوں کے درمیان ایک عظیم الشان سمندر حائل کر دیا۔ مال و دولت۔ فتح و کامیابی سب کچھ لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گیا تھا۔ اور میرے محمدؐ کا چہرہ سورج کی طرح بلند ہو کر آنکھوں کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا۔ وہ کون ہے۔ جو میرے محمدؐ کی محبت کی گھڑیوں کو یاد کرنے کے بعد بھی دنیا کی لذتوں۔ اور اس کی مسرتوں میں کوئی لذت یا کوئی سرور پا سکے۔ مبارک ہے وہ ذات جس کی محبت سب دنیوی چیزوں کی محبت پر فوقیت لے گئی۔ پھر مبارک ہے وہ بھی جس کے دل میں اس کی محبت گھر کر گئی۔ کیونکہ اس نے محمدؐ میں ہو کر اپنے پیدا کرنے والے خدا کو پا لیا۔ اور اس فانی دنیا سے منہ موڑ کر غیر فانی دنیا میں اپنا گھر بنا لیا۔ اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد وبارک وسلم انک حمید مجید ؎

کحل الجواہر

(از لسان القوم جناب مولانا سید علی نقی صاحب نقی لکھنوی)

توحید و مساوات کا چمکا وہ ستارہ
فاران کی چوٹی سے ہدایت کا منارہ

اخلاق سے اُمّی نے انہیں موم کیا تھا۔
سختی میں جو دل تھے صفت آہن و خارہ

اعراب کے اخلاق حیا سوز نہ پوچھو
ہر فرد بشر جن میں شرارت کا شرارہ

فخر نبی آدم! یہ سمجھ میں نہیں آتا
کس طرح کیا تو نے درندوں میں گزارا

لازم ہے کرے وہ تری سیرت کی تاسی
جس کو عمل خیر کا لینا ہو اجارہ

شاہانہ تزک تھا۔ نہ امیرانہ تجمل
ہر چند مدینہ تھا۔ ترا دار امارہ

اُس وقت دیا حکم پئے جنگ دفاعی
جب اس کے سوا تو نے نہ دیکھا کوئی چارہ

فطرت کے قوانین کا مجموعہ ہے قرآن
ہے آشتی و امن کا اسلام ادارہ

یہ دین ہے کل سابقہ ادیان کا جوہر
وہ گوہر علاوت میں شکر ہے دوبارہ

لہرائے پھر اپنا علم مصطفوی کا
زندہ ہو دل مردہ ہوا کھا کے دوبارہ

جب تک نہ ہو عشق محمدؐ کی حرارت
چڑھ سکتا نہیں قوم کا اترا ہوا پارہ

تفریق میں بھی مسلک توحید نہ چھوڑو
یوں مل کے چلو جیسے کہ چھٹتا ہے ہزارہ

کب خواب سے چونکے ہو حکومت نہ رہی جب
اسباب معیشت نے کیا تم سے کنارہ

مل جل کے رہو شوکت اسلام بڑھاؤ
وحدت کا ہے انگشت شہادت سے اشارہ

مل جاتے ہیں غیروں کے ثبات ایک کیا خوب
جس طرح لپٹتا ہے درختوں سے بیارہ

دلسوزی قوم اب انہیں دو باتوں پہ ہے ختم
اسپیچ دھواں دھار جگارے پہ جگارہ

اسپنسری و ڈاروِنی فلسفہ سب حفظ۔
قرآں کا مگر یاد نہیں ایک بھی پارہ

ہے سیرت سلطان رسل قابل تقلید
اس پر جو عمل ہو نہ اٹھاؤ گے خسارہ

سرو علم مصطفوی جھوم رہا ہے
جلد آؤ جو منظور ہو طوبےٰ کا نظارہ

میلاد محمدؐ کا نقی چھیڑ دیا ذکر
سرچشمۂ کوثر سے نہ کم ہے نہ غزارہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو کیا دیا

(از جناب ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب سول سرجن)

ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا ایک حصہ تو وہ تھا جس میں خود آپ کے عزیز رشتہ دار اہل وطن دوست غرض سب کے سب آپ کے مخالف اور خون کے پیاسے ہو گئے تھے۔ پھر آہستہ آہستہ آخر میں وہ زمانہ آ گیا۔ کہ وہی لوگ پروانہ وار حضور پر سے تصدق ہوتے تھے۔ اور آپ سے بڑھ کر ان کو کسی سے محبت اور تعلق نہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ نے ان کو کوئی ایسی خاص چیز دی تھی۔ جس کے مل جانے سے وہ آپ کو اپنا سب سے بڑا دوست۔ اپنا سب سے زیادہ خیرخواہ اور اپنا سب سے زیادہ محسن سمجھنے لگے تھے۔

سوال کیا گیا ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل بیان کئے جاتے ہیں۔ تو بیان کرنے والے سب سے زیادہ زور حضور کے اخلاق حمیدہ پر دیتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرویدہ ہو گئے تھے۔ وہ آپ کے اخلاق دیکھ کر گرویدہ ہوئے تھے۔ اخلاق تو اور لوگ بھی دکھلاتے ہیں۔ اور خود اہل عرب میں بعض بڑے بڑے اعلیٰ اخلاق موجود تھے۔ اور یہ بھی درست ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واقعی سب سے اعلیٰ اخلاق ظاہر کئے۔ مگر صرف ان کی وجہ سے وہ عشق وہ محبت وہ جاں نثاری جو صحابہ رضی اللہ عنہم نے ظاہر کی۔ کبھی ظاہر نہ ہو سکتی تھی۔ اعلیٰ اخلاق کی وجہ سے کچھ لوگ آپ کی عزت بے شک کرنے لگتے۔ مگر وہ کیفیت کبھی نہ پیدا ہوتی۔ جو تاریخ ہمیں بتاتی ہے۔

صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو ایسی اعلیٰ اور عظیم الشان چیز دی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ ہر قربانی کو آپ کے احسان کے مقابلہ میں ہیچ سمجھتے تھے۔ سو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ وہ اعلیٰ چیز جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دی تھی۔ وہ **خدا** تھا۔ فرض کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو خدا تعالیٰ سے نہ ملاتے۔ لیکن اس کی جگہ بڑی دولت۔ بڑی حکومت اور فتوحات۔ اعلیٰ قانون اور انتظام بہترین فلسفہ حکمت اور علوم دیتے۔ تو کیا وہ اس عزت اور قدر کے لائق ہوتے۔ جیسا کہ ہوئے۔ ہرگز ہرگز نہیں۔

عرب کے آپ کے لئے جس جاں نثاری کا اور پروانوں کی طرح گرے جب آپ نے ان کو ایک عجیب خدا دکھا دیا۔

یعنی وہ اللہ جو تمام ستودہ صفات سے متصف اور ہر نقص اور کمزوری سے پاک نہایت درجہ محبت کرنے والا۔ ہر نیک اور عمل کو بہت بڑھ چڑھ کر اجر دینے والا۔ ماں سے زیادہ شفیق۔ باپ سے زیادہ مہربان۔ استاد سے زیادہ مربی۔ آقا سے زیادہ سلوک کرنے والا۔ بزرگوار۔ بڑھ کر وفادار۔ ہر دوست سے بڑھ کر کام آنے والا خود ہدایت کا ذمہ دار۔ جس کو اپنے بندے کی جان نکالتے وقت تردد ہوتا ہے۔ اور جو اپنے دوستوں کے دکھ پر ایذا محسوس کرتا ہے۔ لا انتہا ترقیوں کا مالک۔ ازلی۔ ابدی حی و قیوم ذات۔ بندہ ایک قدم اس کی طرف چلے۔ تو وہ دس قدم بندہ کی طرف آنے والا۔ اور اپنی طرف چل کر آنے والے کو ہنگ۔ ہے دوڑ کر ملنے والا۔ اس کی دعاؤں کو قبول کرنے والا۔ اس کے گناہوں کو بخشنے والا۔ ہر بات پر قادر شاکر قدردان۔ دستگیر۔ ہادی۔ غفور رحیم۔ پردہ پوش حلیم علیم حکیم۔ تواب۔ قدوس۔ محدود اعمال کے بدلے غیر محدود راحت و ترقی کی زندگی بخشنے والا۔ اسی دنیا میں اپنے پیارے بندوں سے کلام کرنے والا غرض کہاں تک اس کے محامد و محاسن بیان ہو سکیں۔

یہ وہ خدا تھا جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ملایا تھا اور یہ وہ خزانہ تھا۔ جس کے دستیاب ہونے پر تمام عرب اپنی جان مال اور عزت آپ کے اشارہ پر قربان کرنے کو تیار ہو گیا تھا۔ جبھی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر یہ کہا۔ کہ من کان یعبد محمداً فان محمداً قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت یعنی اے لوگو! تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر جانے سے کیوں مرتے جاتے ہو۔ دیکھو جو تم میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرستش کرتا تھا۔ وہ جو چاہے کرے۔ کیونکہ محمد تو واقعی فوت ہو کر ہم سے الگ ہو گئے ہیں مگر جو تم میں سے اللہ کی عبادت کرتا تھا۔ اسے معلوم ہو۔ کہ اللہ تو اب بھی ہمارے ساتھ ہے۔ اور ہمیشہ زندہ رہے گا اس کے لئے کوئی موت نہیں۔

یہ تو ایک بڑے صحابی کا خیال تھا۔ اب ایک غریب خادمہ کی بات بھی سن لو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ایک دن ام ایمن جو آپ کی آزاد کردہ ایک لونڈی تھیں بہت زار و قطار رو رہی تھیں۔ لوگوں نے پوچھا ام ایمن تم کو کیا ہوا۔ جو یہ حالت ہے۔ کہنے لگیں میں اس لئے روتی ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خدا تعالیٰ کا کلام اترنا بند ہو گیا۔

غرض ایک لونڈی سے لیکر خلیفہ تک ہر شخص یہی سمجھتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خدا سے ملا دیا اور پھر اس جماعت کے افراد کی زندگیوں پر غور کر کے دیکھو کہ واقعی وہ ایسے لوگ تھے جنہوں نے دنیا کی کسی چیز سے کبھی دل نہیں لگایا اور ان کا ہر کام اور ہر عمل اور ہر نیت یہی ثابت کرتے ہیں۔ کہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل خدا مل گیا تھا۔ اور وہ اسی کے ہو گئے تھے۔

اللھم صل وسلم وبارک علی محمد وآلہ واصحابہ

ہزاروں چاند کے ٹکڑے ہیں دامانِ محبت میں
مگر جس حسنِ کامل نے دلوں کو کر دیا گھائل

جبینِ شوق جس کے در کی چوکھٹ پر جھکی جا کر
بنہ حجاب جس کی زلفِ مشکبو سے ہر دلِ بسمل

سکوں کو لوٹ کر بیتاب جس نے کر دیا یکسر
مریضِ ہجر جس کے وصل کا ہر وقت ہے سائل

نگاہِ ناز پر جس کی تصدق جان و دل میرا
جو مہتابِ رسالت ہے جو ہے انوار کا حامل

عرب کو جس نے روشن کر دیا اپنی تجلی سے
عجم میں زیرِ احساں جس کے ہے ہر بالغ و عاقل

وہی جو مومنوں کی آنکھ کا تارا ہے دنیا میں
وہی جس نے الٹ دی جنبشِ لب سے صفِ باطل

وہی سینا سے جو فاران کی چوٹی پہ آ نکلا
وہی امی لقب پا کر ہو جو علم میں کامل

وہی جس کا خدا نے خود **محمد** نام رکھا ہے
وہی تحمید پر جس کی ہے عالم آج سب مائل

مرا محبوب ہے طاہر وہی سردار پاکوں کا
مری جاں اس پہ قرباں ہے مرا دل اس پہ ہے شیدا

(از جناب قاضی اکمل صاحب)

م۔ محمد مصطفےٰ ہو۔ مظہر نور خدا تم ہو
(ل) امام مرسلیں خلق خدا کے رہنما تم ہو

ح۔ حدیثِ عشق سوزاں کس سے کہیئے اور کیا کہیئے
(ک) کہ مطلوب خلائق ہو تو محبوب خدا تم ہو

م۔ مری بے تابیاں از حد فزوں ہیں ہجر جاناں میں
(م) مریض لا دوا میں ہوں مسیح مجتبےٰ تم ہو

د۔ دل پرشوق اکمل کی حکایت گر سنی جائے
(ل) لب اعجاز بول اٹھیں کہ ہاں میرے فدا تم ہو

رسولِ کریمؐ کی بعثت

صدیوں قبل جبکہ ضلالت اور گمراہی سے دنیا تباہ ہو رہی تھی۔ جبکہ مخلوق اپنے خالق کو بھی فراموش کر چکی تھی۔ کفر کی ظلمت ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا نور حسبِ قدیم نوشتوں کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وجود میں جلوہ گر ہوا۔ جس نے اپنی قوت قدسی سے کفر کی ظلمتوں کو دور کر دیا۔ اور صداقت کی روشنی کے متلاشیوں نے سپیدۂ سحر نمودار ہوتے دیکھ لیا۔ اس میں انہوں نے وہ دُرِّ مقصود پا لیا جس کی انہیں ضرورت تھی۔ وہ دُر بانیٔ اسلام محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وجود تھا۔ جو دنیا کے لئے حقیقی صداقت و راستی۔ رشد و ہدایت کا پیغام لایا۔ اور جو دنیا کے لئے مجسم رحمت بن کر آیا۔ جس نے اپنے خالق سے بھٹکے ہوئے بندوں کو پھر اس تک پہنچنے کا راستہ بتایا۔

جامع جمیع کمالات انسانی

رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جامع جمیع کمالات انسانی تھے۔ آپ کی ذات ان تمام اعلیٰ و بلند اخلاق اور محامد کی حامل تھی جو بنی نوع انسان کے لئے ہر زمانہ میں کامل نمونہ کا کام دے سکے۔ اتنے عظیم الشان آدمی کی توصیف میں جو جن و انس و ملک سب میں افضل ہے جس کی شان لولاک لما خلقت الافلاک ہے ایک انسان حیران رہ جاتا ہے۔ کہ وہ کیا لکھے۔ کس حصہ مکارم کو بیان کرے۔ اور کسے چھوڑے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی مفہوم کا اپنے ایک شعر میں اس طرح ذکر فرمایا ہے:-

اوچہ میدارد بمدح کس نیاز ٭ مدح او خود فخر ہر مدحت گرے
ہست او در روضۂ قدرِ جلال ٭ در خیال ما دہاں بالاترے

میں اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے شمائل میں سے صرف آپ کی سادگی اور تکلف و تصنع سے مبرا زندگی کے متعلق مختصراً کچھ لکھنا چاہتی ہوں۔ اس زمانہ میں خصوصاً مسلمانوں نے آپ کے اس عظیم الشان اسوۂ حسنہ کو فراموش کر دیا ہے جس کی وجہ سے وہ گوناگوں مصائب اور آلام کا شکار بن رہے ہیں۔

ہر شعبۂ زندگی میں سادگی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سوانح حیات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سادگی اور بے تکلفی کس طرح آپ کے تمام شعبہ ہائے زندگی پر حاوی تھی۔ کھانا پینا۔ لباس۔ رہائش۔ سامانِ آسائش۔ طرزِ کلام۔ معاشرت وغیرہ امور میں نمایاں طور پر آپ کی اس صفت کا اظہار ہوتا ہے۔

تکلف سے تکلیف

بادی النظر میں اگرچہ پُر تکلف افعال سوسائٹی میں خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔ اور فی زمانہ متمدن اور مہذب لوگوں میں اس کا بہت رواج ہو رہا ہے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ:-

است ذوقِ تکلف میں ہے تکلیف سراسر

ہر ایک جو اس پر عمل کرتا ہے۔ مجبوراً کسی نہ کسی غرض سے۔ اب تو یہ بلا اس قدر عام ہو گئی ہے۔ کہ بلا تخصیص ہر ایک طبقہ اس مرض میں مبتلا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر علماء کے طبقہ کو دیکھا جائے۔ تو انہیں ہر وقت اپنی شان و شوکت کو قائم رکھنے کی فکر لگی رہتی ہے۔ اس وجہ سے وہ اپنے آپ کو مجبور سمجھتے ہیں۔ کہ تصنع اور ظاہر داری سے کام لیں۔ اسی طرح عالموں کو اپنے علمی رعب میں فرق آنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اگر مذہبی لیڈروں کی طرف دیکھا جائے۔ تو ان کی زندگی اور بھی زیادہ کشمکش میں نظر آتی ہے۔ انہیں ہر وقت تصنع کے ذریعہ اپنے تقدس اور نیکی کے اظہار کا خیال دامنگیر رہتا ہے۔ پھر جو لوگ ان بڑے گروہوں میں شامل نہیں۔ ان کے لئے کم از کم بڑا بننے کی خواہش ہی تکلف و تصنع کی محرک ہوتی ہے۔

ہمارے ہادی اور رہبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو ساری دنیا کے لئے رحمت بن کر آئے تھے۔ اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے کل دنیا کے لئے کامل نمونہ بنایا ہے۔ انہوں نے اپنے عمل سے یہ سبق دیا ہے۔ کہ ہمیں لوگوں کی نظروں میں جھوٹی عزت حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ کیونکہ اصل عزت وہی ہے۔ جو خدا کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔ اور مومن کو صرف خدا سے ڈرنا چاہیئے نیز یہ کہ نیک اور پاک جذبات کو دبانا نہیں چاہیئے۔ اور جو بُرے جذبات ہوں۔ انہیں بھی مار دینا چاہیئے۔ نہ کہ صرف لوگوں سے چھپا کر اندر ہی اندر ان کی پرورش کرتے رہنا چاہیئے۔

وسیع الاخلاقی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سادگی کا یہ عالم تھا۔ کہ نادار سے نادار اور عاجز سے عاجز انسان بلا جھجک آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر [illegible] کر سکتا تھا۔ مفلس سے مفلس انسان کی آپ دعوت قبول فرما لیتے۔ اور جو کچھ وہ پیش کرتا۔ بڑی خوشی سے تناول فرماتے۔ آپ کے بے انتہاء رفق۔ فروتنی۔ سادگی کا یہ نتیجہ تھا۔ کہ لوگوں کے قلوب خود بخود آپ کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔ قرآن کریم میں آپ کے اس خلق کی طرف اس طرح اشارہ کیا گیا ہے۔ لو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک کہ اگر آپ سخت دل ہوتے۔ تو آپ کو لوگوں میں اس درجہ مقبولیت نہ حاصل ہوتی۔

ہر کام خود کر لیتے

آپ ایسی قوم میں پیدا ہوئے تھے۔ جو تفاخر میں بہت مشہور تھی خصوصاً ان کے سرداروں میں خدم و حشم کا بہت رواج تھا۔ اور جنہیں وہ اپنی شان و شوکت کے اظہار کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ لیکن آپ نے باوجود ایک مشہور اور معزز خاندان کا فرد ہونے کے پھر روحانی پیشوا اور سردار ہونے کے پھر ایک خود مختار بادشاہ ہونے کے ہمیشہ سادگی اپنا شیوہ رکھا۔ آپ ہر قسم کا کام خود اپنے ہاتھ سے سرانجام دے لیتے اور محنت میں راحت محسوس کرتے۔ اگر بچپن میں آپ نے بکریاں چرائیں۔ تو جوانی میں آپ نے بحیثیت حصہ دار تجارت کرنا عار نہیں سمجھا۔ پھر منصبِ رسالت پر سرفراز ہونے کے بعد جب کہ ہزاروں نفوس آپ کی غلامی اپنے لئے فخر کا موجب سمجھتے تھے۔ آپ چھوٹے سے چھوٹا کام کرنے میں بھی اپنی کسرِ شان نہیں تصور فرماتے تھے۔

خوراک میں سادگی

کھانے میں اتنی سادگی تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ دو دو مہینے گذر جاتے کہ ہمارے گھروں میں آگ نہ جلتی۔ اور ہم لوگ کھجور اور پانی پر گزارہ کرتے۔ سوائے اس کے کہ انصار ہمسایوں کے ہاں سے رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے دودھ بطور ہدیہ آ جاتا۔ اور آپ ہمیں پلا دیا کرتے۔ خوراک کے متعلق آپ کی سادگی تھوڑی مدت تک ہی نہیں رہی بلکہ آخر تک آپ کا یہی رویہ رہا۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ ان کا ایک جماعت کے پاس سے گزر ہوا۔ جن کے سامنے ایک بھنی ہوئی بکری تھی۔ انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضؓ کو بھی مدعو کیا۔ مگر آپ نے یہ کہہ کر اس کے کھانے سے انکار کر دیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس دنیا سے گزر گئے۔ اور آپ نے پیٹ بھر کر روٹی نہیں کھائی۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ [illegible] آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے کھانے پینے کا کوئی خاص اہتمام نہ فرمایا۔ بلکہ حد درجہ کی سادگی سے گزارہ فرماتے رہے۔ اور بھی متعدد حدیثیں ہیں۔ جن سے آپ کی خوراک کی سادگی کا حال معلوم ہوتا ہے۔

لباس میں سادگی

لباس میں بھی آپ کی سادگی کا یہی حال تھا۔ حضرت عائشہؓ

فراخی میں جب آپؐ فوت ہوئے۔ تو آپؐ کے جسم مبارک پر ایک پیوند والی چادر اور ایک گاڑھے کا کرتہ تھا۔ بستر کا یہ حال تھا کہ آپؐ کھجور کے کھُردرے بوریئے پر استراحت فرماتے۔ حتیٰ کہ اس چٹائی کے نشان آپؐ کے جسم مبارک پر پڑ جایا کرتے ؛

ایک ناواقف کہہ سکتا ہے۔ کہ جب کچھ پاس ہی نہ ہو۔ تو فراخی کی زندگی کیونکر بسر کی جا سکتی ہے۔ مگر تاریخ سے ثابت ہے۔ کہ اس وقت بھی جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے حکومت اور بادشاہت عطا کی۔ اور اموال بکثرت آپؐ کے پاس آنے لگے۔ آپؐ کو کبھی اپنے نفس پر یا اپنے متعلقین پر خرچ کرنے کا خیال تک نہ آیا۔ تمام مال و اسباب غرباء و مساکین میں تقسیم فرما دیتے۔ اور اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال کے لئے کچھ نہ رکھتے۔ غرض باوجود مال و دولت کے آپؐ اس قدر سادگی اور کفایت شعاری سے بسر فرماتے ہیں۔ جس کی مثال کسی اور جگہ ملنی ناممکن ہے ؛

گھر کا کام

رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر کا کام خود کر لیا کرتے تھے۔ بخاری میں ایک حدیث ہے۔ کہ حضرت عائشہ رضی سے سوال کیا گیا۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں کیا کیا کرتے تھے۔ آپؐ نے جواب دیا۔ کہ آپؐ اپنے اہل کو گھر کے کام میں امداد دیتے۔ اور جب نماز کا وقت آ جاتا۔ تو آپؐ نماز کے لئے باہر تشریف لے جاتے ؛

اللہ اللہ کس کمال درجہ کی سادگی ہے۔ آپؐ دونوں جہان کے بادشاہ ہیں۔ ہزاروں ذمہ واریاں آپؐ کے کندھوں پر ہیں۔ مگر اللہ تعالےٰ کا جری نہایت اطمینان سے اپنے اہل خانہ کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاتا ہے۔ اور اپنے لئے کوئی خادم رکھنا بھی پسند نہیں کرتا۔ جو اسے اس جسمانی مشقت سے آزاد کر دے۔ حتیٰ کہ جب آپؐ کی لخت جگر فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا چکی پیس پیس کر ہاتھوں میں چھالے پڑ جاتے ہیں۔ اور وہ آپؐ سے ایک خدمت گار کا مطالبہ کرتی ہیں۔ تو آپؐ ان کے لئے بھی پسند نہیں کرتے۔ کہ انہیں اس مشقت سے بچائیں ؛

صحابہؓ کے ساتھ کاموں میں شرکت

یہی نہیں۔ کہ آپؐ اپنے گھر کا کام کیا کرتے تھے۔ بلکہ اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کے ساتھ معمولی کاموں میں بھی بخوشی شریک ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت آپ صحابہؓ کرام کے ساتھ اینٹیں ڈھوتے تھے۔ پھر جنگ احزاب کے موقعہ پر آپؐ نے خندق کی کھدائی میں حصہ لیا۔ حتیٰ کہ لکھا ہے۔ مٹی گرگر کر آپ کا جسم گرد آلود ہو گیا تھا ؛

کلام میں سادگی

آپؐ کے کلام میں بھی اسی سادگی کی جھلک ہے۔ جو آپؐ کے کاموں میں نظر آتی ہے۔ ایک حدیث میں ہے۔ انی لاقوم فی الصلوٰۃ ارید ان اطول فیھا فاسمع بکاء الصبی فاتجوز فی صلاتی کراھیۃ ان اشق علیٰ امہ۔ یعنی میں نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں۔ اور ارادہ کرتا ہوں کہ لمبی کروں۔ لیکن بچے کے رونے کی آواز سنکر نماز مختصر کر دیتا ہوں اس خوف سے کہ بچہ کی ماں کو مشقت میں نہ ڈالوں ؛

کس سادگی سے فرمایا۔ کہ بچے کے رونے کی وجہ سے نماز مختصر کر دیتا ہوں ؛

اسی قسم کا ایک اور واقعہ بھی ہے۔ کہ ایک دفعہ آپؐ کو کسی انصاری نے کہلا بھیجا۔ کہ آپؐ کی اور چار اور آدمیوں کی ہمارے ہاں دعوت ہے۔ جب آپؐ ان کے گھر تشریف لے جانے لگے تو راستہ میں ایک اور شخص آپؐ کے ساتھ ہو لیا۔ آپؐ نے انصاری کے گھر پہنچکر اس سے فرمایا۔ کہ تم نے تو پانچ آدمیوں کی دعوت کی تھی۔ کیا اس چھٹے کو بھی اجازت ہے۔ جب اس نے اجازت دی۔ تب آپؐ اس کے مکان میں داخل ہوئے۔ بظاہر یہ عجیب معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپؐ اجازت طلب فرماتے ہیں۔ اور وہ بھی ایک ایسے شخص سے جو اپنا مال اور جان سب کچھ آپؐ کا ہی سمجھتا ہے ؛

علاوہ ازیں ایسے موقعوں پر عموماً خاموشی اختیار کر لی جاتی ہے۔ مگر آپؐ نے بے تکلفی سے معاملہ کو واضح کر کے مسلمانوں کو یہ سبق دیا۔ کہ خواہ مخواہ تکلف میں کسی کو تکلیف نہیں دینی چاہیئے۔ اور انسان کو اپنا معاملہ صاف رکھنا چاہیئے ؛

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سادگی کے متعلق واقعات تو بے شمار ہیں۔ لیکن ہماری غرض صرف واقعات کی نقل نہیں۔ بلکہ نصیحت حاصل کرنا ہے۔ اور اس کے لئے جو کچھ لکھا گیا ہے۔ اس سے بخوبی ثابت ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک زندگی کے ہر حصہ میں سادگی پر عمل کر کے مسلمانوں کے لئے یہ نمونہ قائم کیا ہے کہ انہیں بھی تکلفات سے بچنا چاہیئے۔ کیونکہ حقیقی مومنانہ اور خوشگوار زندگی سادگی میں ہی حاصل ہو سکتی ہے ؛

اللھم صل علےٰ محمد و بارک وسلم

گاندھی جی اور اسلام

"میں جوں جوں اس حیرت انگیز مذہب کا مطالعہ کرتا ہوں حقیقت مجھ پر آشکارا ہوتی جاتی ہے۔ کہ اسلام کی شوکت تلوار پر مبنی نہیں۔ بلکہ اس کے خلفائے اولین کی قوت برداشت ان کی قربانی اور بزرگی پر منحصر ہے" (ینگ انڈیا اخبار ۲۲۔ فروری)

نعت رسول کریمؐ

از جناب والمعظم نواب سراج الدین احمد خان صاحب سائل دہلوی۔

خیِ رتبہ ہے یوں شاہِ رسولاں تیرا
تُو ہے اُمّت کا نگہباں وہ نگہباں تیرا

تیرے روضہ پہ پہنچکر نہ تشفی کیوں ہو
خاص لطف رہا کونسا مہماں تیرا

یہ تمنّا ہے درِ روضہ پہ حاضر جب ہوں
جلوہ آ جائے نظر اے شہِ خوباں تیرا

یا نبی آفتِ خورشیدِ قیامت سے بچا
حشر میں سر پہ رہے سایۂ داماں تیرا

دل میں ہو جاتی ہے تسکین سی پڑھتے پڑھتے
آگیا راس مرے درد کو درماں تیرا

ہم تو لے آئے تھے ایمان ازل میں تجھ پر
لوحِ محفوظ پہ سرِ قوم تھا عنواں تیرا

کس کے منہ میں ہے زباں ایسی بھلا شافعِ حشر
جس سے اظہارِ تشکر کرے انساں تیرا

ذوق پابوس کے پر ہوں تو مدینہ کی طرف
لے کے اُڑ جائے مجھے دید کا ارماں تیرا

عزم رکھتا ہے مدینہ کا تو جا اے سائل
حق کو سونپا تجھے اللہ نگہباں تیرا

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قلبی کیفیت

(از جناب شیخ عبدالرحیم صاحب سابق سردار جگت سنگھ)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قلبی کیفیت کے متعلق کچھ لکھنا بے شک چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔ لیکن ما لا یُدرک کلّہ لا یُترک کلّہ کے مطابق بے محض مطلب اور مقتدی کے متعلق جو کچھ کہا جا سکے۔ وہی باعث شرف وسعادت ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا تعالےٰ کے ساتھ عجیب قسم کا قلبی تعلق تھا۔

کفار کی شہادت

کفار نے بھی جن کی نظر اور بصیرت خدا تعالیٰ کے رسول کے متعلق بالکل سطحی ہوتی ہے۔ عشق محمد ربّہ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اکو اپنے رب کا عشق ہو گیا۔ بے ساختہ بارہا کہا تھا کیونکہ وہ بھی طرح محسوس کرتے تھے۔ کہ دن کے اکثر اوقات میں۔ جبکہ لوگ دنیاوی دھندوں میں معروف ہوتے۔ اگر اللہ اکبر کی گونج سنائی دیتی ہے۔ تو رات کے اندھیرے میں بھی یہ شخص اُٹھتا ہے۔ اور اس کے گھر سے اور اس کے ساتھیوں کے گھروں سے جو اسی کے رنگ میں رنگین ہیں۔ سوز و گداز سے بھری ہوئی اس قسم کی آوازیں آتی رہتی ہیں جیسی از خود رفتہ عاشق اپنے محبوب کے فراق میں نہایت ہی بے صبر اور بے اختیار ہو کر حسرت بھرے دل سے نکالتا ہے۔ انہوں نے آپ کے سامنے سب کچھ پیش کر کے بھی تجربہ کر لیا۔ کہ یہ اپنی دُھن کا پکا دنیا اور دنیا کی ساری متاع کو بھی اپنے رب کے سامنے ہیچ سمجھتا ہے۔ انہوں نے کئی بار لشکر کشی کر کے آپ کو زبردستی اس والہانہ جوش سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ اور سینکڑوں جاں نثار ہستیوں کے پاک خون نے بھی آپ کی آنکھوں کے سامنے زمین کو گل لالہ کی طرح سُرخ و لالہ کیا لیکن پھر بھی یہ تمام کوششیں خواہ وہ قید کے متعلق تھیں۔ یا آپ کے قتل یا جلا وطنی کے متعلق بھی شہادت دے رہی تھیں۔ کہ جو دل آپ اپنے محبوب حقیقی سے لگا چکے۔ اور جس نشہ محبت سے آپ سرشار ہیں۔ اس کا اُترنا نہ تیر کی نوک سے ممکن ہے نہ تلوار کی دھار سے۔ اور نہ ہی بھالے کی انی سے۔ ان میں سے اکثر اپنی اُن تھکا دینے والی کوششوں کی ناکامی کو دیکھ کر اپنے کئے پر نادم بھی ہوئے۔ اور اس ندامت کا اظہار انہوں نے اپنی جان و مال سے کیا۔ مگر جو اس سعادت سے محروم رہے۔ وہ بھی اس بات کا انکار کرنے کے قابل نہ تھے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے رب سے جو قلبی تعلق ہے وہ اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ وہ آپ کو حقارۃً مجنون کہتے۔ لیکن درحقیقت حقیقت شناس کے نزدیک یہ ایسا بے نظیر کلمہ آپ کی تعریف میں ان کے منہ سے نکل جاتا جس کی تفسیر صرف وہی سمجھ سکتا ہے جس کے ہر گوشہ میں سوائے اپنے محبوب حقیقی کی سچی محبت کے اور کچھ نہ ہو۔ اور صرف اسی کی دُھن باقی رہ گئی ہو۔

ہر حالت میں خدا کی یاد

گو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس قلبی کیفیت کا مطالعہ کفار نے آپ کی زندگی کے ہر پہلو میں بخوبی کر لیا تھا۔ مگر پھر بھی اُسی رنگ میں جو ان کی معمولی بصیرۃ کی غبار آلودہ آنکھ کر سکتی تھی۔ لیکن قرآن شریف کو تدبر سے پڑھنے والا صاحب بصیرۃ اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعامل کا گہرا مطالعہ کرنے والا انسان اس نتیجہ پر فوراً پہنچ جاتا ہے۔ کہ آپ کو اپنے محسن اور منعم و متعال مولیٰ سے وہ قلبی تعلق تھا جس کی اگر زمین کی بلندیاں اور پستیاں بزم اور رزم کے گھاٹ اور وسیع میدان بخوبی شہادت دے رہے ہیں۔ تو ساتھ ہی آسمان کے چمکدار اجرام بھی بتا رہے ہیں۔ کہ ہم نے ہر حالت میں محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے آقا کی یاد میں محو پایا ہے۔ پھر آپ کی اپنی ہی یہ حالت نہ تھی۔ بلکہ آپ نے رفتار اور گفتار میں زن و شوئی کے تعلقات میں۔ بیاہ و شادی کی رسوم میں۔ میدان کارزار کی سرگرمیوں میں۔ موت اور پیدائش کے اوقات میں۔ غرض زندگی کے ہر شعبہ میں سعید لوگوں کا رُخ اپنے مولیٰ کی طرف پھیر دیا۔ کھانا پینا۔ سونا۔ اُٹھنا۔ چلنا پھرنا۔ مرنا جینا۔ ہر قسم کی خلوت اور جلوت الغرض جو حالت بھی دیکھو۔ آپ کا دھیان صرف ایک ہی طرف نظر آتا ہے۔ اور وہ خدا تعالیٰ کی طرف ہے۔ عجیب محبت اور عجیب ولولہ ہے۔ بچہ پیدا ہوتا ہے۔ تو اس کے لئے بھی یہی صدا ہے اللہ اکبر۔ کوئی مرتا ہے۔ تو اس کے لئے بھی یہی نغمہ ہے اللہ اکبر۔ پھر آپ نے تمدنی پہلو کے کسی شعبہ میں بھی خدا تعالیٰ کی بینا آنکھ سے اوجھل ہو کر کوئی کام کرنا پسند نہیں کیا۔ ان اللہ علیم بذات الصدور۔ اور ان اللہ بما تعملون بصیر۔ کا ذکر اگر بکثرت آپ کی زبان پر رہتا تھا۔ تو ساتھ ہی لا تکونوا کالذین نسوا اللہ فانسٰھم انفسھم بھی آپ کی زبان پر تھا۔ لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل کی تلقین فرماتے تھے۔ تو کسی کی چیز کو للچائی ہوئی نظر سے دیکھنا بھی آپ نے ناپسند کیا۔ مٹک مٹک کر چلنا اور تواضع بھرے دن کے بغیر فاخرانہ لباس پہننا اگر آپ کو ناپسند تھا۔ تو ساتھ ہی متکبرانہ وضع اور عُجب اور غرور اور خود پسندی اور بے جا تعلّی بھی گوارا نہ تھی۔

اخلاق کے درجہ کمال پر

آپ بے شک بشر تھے۔ مگر آپ کی فطرت کا خمیر خدا تعالیٰ کے اخلاق کی ملونی سے ایسا رنگ لے چکا تھا۔ کہ اب اس میں خدا تعالےٰ کے اخلاق کی طرح تمام مخلوق کے لئے بجز رحمت اور شفقت کے اور کچھ نہ تھا۔ اور آپ انسانی اخلاق کے کمال کے اور اس کمال کے جہاں تک نہ کوئی اور پہنچا۔ اور نہ پہنچیگا۔ حامل تھے۔ خدا تعالےٰ نے جو کام شروع کیا۔ بالآخر بتدریج اس کی تکمیل بھی کی ہے انسانی اخلاق کی تکمیل کے لئے اگر کچھ کچھ حصے میں وقتاً فوقتاً انبیاء کے توسط سے خدا تعالےٰ کے اخلاق سے حسب زمانہ بطور معلم ایک ایک حصہ دنیا نے حاصل کی ہے۔ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خدا کی شان میں خاتم النبیین اور اس آخری اینٹ کا حصہ پایا ہے۔ جس کی کسر انسانی اخلاق کے محل میں باقی رہ گئی تھی۔ وربک یخلق ما یشاء و یختار۔ وذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔ فاعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین آپ کا ماٹو تھا۔ اور رب المشرق والمغرب لا الٰہ الا ھو فاتخذہ وکیلاً آپ کا شیوہ۔ جس طرح آپ گھر میں مختلف طبائع سے برتاؤ کرتے ہوئے ویل للمطففین پیش نظر رکھتے۔ اسی طرح لوگوں کے ساتھ لین دین کرنے میں بھی آپ الا یظن اولٰئک انھم مبعوثون لیوم عظیم۔ یوم یقوم الناس لرب العالمین۔ سے بے توجہ نہ تھے۔ کیونکہ آپ ایمان باللہ میں منافقت کو اور قلب سلیم میں کسی کھوٹ اور ملونی کو خلق عظیم انسانی اخلاق کے بالکل خلاف پاتے تھے۔ جن کے ذریعہ خدا تعالیٰ کے ساتھ حقیقی پیوند ہوتا ہے۔ کسی مہربان چھوٹے چھوٹے یتیم بچوں کے سر پر جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا شفقت بھرا ہاتھ نظر آتا ہے اور آپ یہ فرماتے ہیں۔ کہ جو میرا ساتھی ہونا پسند کرتا ہے۔ وہ ان کے سر پر میری طرح ہی محبت بھرا ہاتھ رکھے۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپکے دل میں جہاں بڑوں کی ہر قسم کی بہبودی کا خیال ہے۔ وہاں چھوٹے چھوٹے بے بس معصوم بچے بھی آپ کی شفقت سے حصہ لینے میں محروم نہیں ہیں۔

دل و زبان سے خدا کی یاد

غرض خدا تعالیٰ کی یاد کے لئے اگر اس طرح ہر کام میں آپ کے دل کو لگاؤ ہے۔ تو آپ کی زبان بھی ہر وقت اپنے محسن و مربی کے نام سے تر رہتی ہے۔ نمازیں اور آپ کے رات دن کے وظائف میں آپ کی زبان جو لطف اور مزا خدا تعالیٰ کے ذکر سے لیتی ہوئی نظر آتی ہے اس کا عشر عشیر بھی بیان میں نہیں آتا۔ خدا تعالیٰ کے ذکر سے سو سے زیادہ فوائد بیان کرنا تو خالی از طوالت نہیں ہے۔ مگر زمین و آسمان

---

۵ تمام اُن باتوں پر موقوف ہے۔ تو اس کے لئے جتنا آپ کی زبان مبارک نے کام کیا۔ [illegible] ہے۔ کہ اتنی بڑی حمد کے نتیجہ میں مقام محمود بھی صرف آپکے لئے ہی مخصوص کیا گیا۔ اور لواء الحمد کے اٹھانے کا بھی آپ کے دست مبارک ہی قیامت کے دن شرف حاصل کریں گے۔ دراصل جب تک [illegible] عکس کسی کے دل پر نہ پڑے [illegible] کی کیفیت بیان کرنا محال ہے۔ کیونکہ وہ [illegible]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ خصائل

(از سیدہ ناصرہ بیگم صاحبہ بنت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز)

آقائے نامدار سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف حمیدہ اور خصائل حسنہ بیان کرنا مجھ جیسی ناچیز کے لئے کوئی آسان کام نہیں۔ کہاں آپ کے اوصاف اور کہاں میرا قلم۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک آپ کی زندگی کا ہر شعبہ اعلیٰ ترین اخلاق کا نمونہ ہے جس کی نظیر دنیا میں نہیں پائی جاتی۔ تاہم ذیل کی سطور آپ کی شان میں پیش کرنے کی جرأت کرتی ہوں:

حضرت عایشہؓ کی شہادت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جنہیں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا نہایت ہی قریب سے مطالعہ کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کے متعلق فرماتی ہیں۔ کان خلقه القرآن یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کا بہترین نقشہ قرآن ہے جس چیز کی قرآن شریف میں ممانعت ہے۔ آپ نے اس سے ہمیشہ احتراز کیا۔ اور جس چیز کا قرآن نے حکم دیا ہے۔ آپ نے ہمیشہ اس پر عمل فرمایا۔ قرآن حکم دیتا ہے کہ نیکی۔ تقویٰ۔ طہارت۔ صداقت۔ عفو۔ چشم پوشی رحم۔ ایثار۔ شجاعت۔ خاکساری۔ قناعت۔ استقلال۔ صبر۔ شکر وغیرہ جملہ نیکیاں اختیار کرو۔ اور دوسری طرف قرآن ہر قسم کی برائی۔ مثلاً جھوٹ۔ ناشکری۔ بزدلی۔ ظلم۔ جبر۔ گندگی۔ غرور۔ تکبر۔ بے صبری سے روکتا ہے۔ جو شخص ان سب محاسن پر پورا پورا عمل کرے اور ان برائیوں سے بکلی احتراز کرے۔ اس کی زندگی کیا اخلاق حمیدہ وخصائل پاکیزہ کا نمونہ نہ ہوگی۔ میں مختصر طور پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کی چند مثالیں قارئین کے سامنے پیش کرتی ہوں۔

اہل مکہ کے لئے دعاء

جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ تو سوائے چند اشخاص کے سارا مکہ آپ کا دشمن ہوگیا۔ اور غیر تو خیر خود آپ کے قبیلہ والے بھی آپ کے خون کے پیاسے بن گئے۔ اور سب سے بڑھ کر آپ کا چچا ابولہب آپ کی مخالفت کے لئے کمر بستہ تھا۔ جو ہر ممکن طریق سے آپ کو دکھ دینے کی کوشش کرتا۔ آپ پر اور آپ کے متبعین پر قسم قسم کے دردناک مظالم توڑے گئے۔ آپ ان سب مظالم کو دیکھتے۔ مگر کبھی آپ کی زبان مبارک سے ان لوگوں کے خلاف کوئی بددعا نہ نکلی۔ بلکہ آپ ہمیشہ یہ فرماتے۔ کہ خدا ان کو ہدایت دے۔ اور ان کے سینوں کو اپنے نور سے منور کردے۔

اہل طائف کیلئے دعاء

ایک مرتبہ آپ اہل طائف کو پیغام حق پہنچانے کے لئے تشریف لے گئے۔ مگر وہ لوگ دکھ اور تکلیف دینے میں مکہ والوں سے بھی سبقت لے گئے۔ انہوں نے آپ کو گالیاں دیں۔ اور آپ کی دعوت کو نہایت سختی سے رد کر دیا۔ جب آپ وہاں سے لوٹے۔ تو ظالموں نے آپ کے پیچھے شریر لڑکوں کو لگا دیا۔ جن کی سنگباری سے آپ کا جسم خون سے تر بتر ہوگیا۔ مگر آپ نے ایک لفظ بھی ان کے خلاف نہ کہا۔ بلکہ جو کچھ آپ کی زبان مبارک سے نکلا۔ وہ یہ تھا۔ اے خدا ان لوگوں کو کیا علم۔ کہ میں جو کچھ کہتا ہوں۔ وہ حق ہے۔ تو ان سے ناراض نہ ہو۔ اور نہ ہی ان پر عذاب نازل کر بلکہ ان کو سچائی کے قبول کرنے کی توفیق دے۔ ایسے لوگوں کے لئے اس قسم کے الفاظ کی نظیر اگر دنیا کی تاریخ میں کوئی نہیں۔ تو یقیناً اس قسم کے انسان کے رحمۃ للعالمین سید البشر اور فخر رسل ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں ہوسکتا۔

اہل مکہ کے لئے عفو عام

جب آپ نے مکہ فتح کیا۔ اور فاتحانہ وشاہانہ حیثیت سے آپ اس میں داخل ہوئے۔ تو خدا کی قدرت سب سے پہلے جو شخص آپ کے سامنے لایا گیا۔ وہ ابوسفیان تھا۔ جو آپ کا سخت جانی دشمن تھا۔ آپ نے اس کو کوئی سزا نہ دی۔ اور نہ کوئی تاوان ڈالا۔ بلکہ اس کو یونہی بطور احسان رہا کر دیا۔ جس پر ابوسفیان آپ کی وسعت قلب کو دیکھ کر حیران وششدر رہ گیا۔ اور کلمۂ توحید پڑھتا ہوا اسلام میں داخل ہوگیا۔ پھر آپ نے اہل مکہ کے سامنے ایک خطبہ دیا۔ اور قریش کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا۔ تم لوگ مجھ سے آج کس قسم کے سلوک کی توقع رکھتے ہو۔ انہوں نے کہا اَخٌ کریمٌ وابن اخٍ کریمٍ یعنی ہم آپ سے ایسے ہی سلوک کی امید رکھتے ہیں۔ جو ایک نیک بھائی اور نیک بھائی کے بیٹے سے متوقع ہوتا ہے۔ چونکہ وہ لوگ یہ پہلے ہی جانتے تھے۔ کہ یہ آپ کی عادت کے خلاف ہے۔ کہ کسی مغلوب دشمن کو تکلیف یا دکھ دیں۔ اس لئے ان لوگوں کے دلوں میں یہ ڈر نہیں تھا۔ کہ آپ ان سے کسی قسم کا برا سلوک کریں گے۔ مگر آپ نے وہ کیا۔ جو ان کی امید ول نہ دتہ وگمان سے بھی بڑھکر تھا۔ آپ نے فرمایا۔ لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین اذھبوا انتم الطلقاء یعنی تم لوگ ڈرو نہیں آج تم پر کوئی گرفت نہیں ہے۔ بلکہ میں خدا سے دعا کرتا ہوں۔ کہ وہ تمہارے گناہوں کو معاف کر کے تمہیں اپنی مغفرت کے سایہ میں جگہ دے۔ کیونکہ وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔

اللہ اللہ باوجود ظالموں کے اس قدر ظلم وتعدی کے اس قدر مشفقانہ سلوک۔ یہ ہے اس عظیم الشان انسان کی وسعت قلب جو حقیقۃً رحمۃ للعالمین تھا۔ ان تکالیف اور مظالم پر جو اہل مکہ نے آپ پر اور آپ کے متبعین پر کئے۔ ایک لفظ ملامت کا نہ کہا۔ اور نہ ان کے افعال قبیحہ کے متعلق اف روا رکھی۔

جنگ احد کا واقعہ

جنگ احد میں آپ کا سر مبارک زخمی ہوگیا جسم لہولہان ہو گیا۔ سامنے کا دانت شہید ہوگیا۔ جس پر صحابہ نے کہا۔ یا رسول اللہ آپ ان کے لئے بددعا کیوں نہیں کرتے۔ فرمایا۔ میں لعنت کرنے والا نہیں ہوں۔ بلکہ میں تو رحمت اور ہدایت کی طرف بلانے والا ہوں۔ چنانچہ اس وقت بھی آپ نے یہ دعا فرمائی۔ اے میرے رب اس قوم کے گناہ معاف کردے۔ اس کو بخش دے۔ کیونکہ یہ جو کچھ کر رہے ہیں۔ اپنی نادانی سے کر رہے ہیں۔

تکالیف برداشت کرنے کی تلقین

آپ سے مسلمانوں کی تکالیف ومصائب دیکھی نہ جاتی تھیں مگر پھر بھی آپ ہمیشہ ان کو صبر وبرداشت کی تلقین کرتے۔ ایک دفعہ خباب بن ارت آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کی۔ یا رسول اللہ مسلمانوں کو قریش کے ہاتھوں اس قدر تکلیف پہنچ رہی ہے۔ آپ ان کے لئے بددعا کیوں نہیں کرتے۔ آپ لیٹے ہوئے تھے اُٹھ بیٹھے اور فرمایا۔ دیکھو تم سے پہلے وہ لوگ بھی گزر چکے ہیں۔ جن کے سروں پر آرے چلائے گئے۔ اور وہ چیر ڈالے گئے۔ مگر انہوں نے اُف تک نہ کی۔ بلکہ اپنے کام میں لگے رہے۔ تم بھی ہر سختی کو صبر سے برداشت کرو۔ اور اپنے کام کی تکمیل میں لگے رہو۔ خدا تمہارے ساتھ ہوگا۔

یہود سے سلوک

یہود آنحضرت فداہ روحی وجسمی کے ساتھ عداوت و دشمنی میں حد سے تجاوز کر گئے تھے۔ اور ہر ممکن طریق سے آپ کی مخالفت کرتے تھے۔ مگر آپ کے اعلیٰ اخلاق کا نمونہ دیکھو مدینہ منورہ میں ایک یہودی کا لڑکا بیمار ہوا۔ تو آپ خود اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ اسی طرح آپ نے ایک یہودی کی نعش کو جاتے دیکھا۔ تو کھڑے ہوگئے۔ اور آپ کے چہرہ مبارک پر تکلیف و پریشانی کے آثار تھے۔ جس پر کسی صحابی نے پوچھا۔ یا رسول اللہ یہ تو ایک یہودی کی نعش ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں لیکن اس میں بھی خدا کی پیدا کی ہوئی روح تھی۔

مدینہ میں تشریف آوری

آپؐ نے جب مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ تو انصار کو بے حد خوشی و مسرت ہوئی۔ اور ہر ایک عاشق زار اس بات کا متمنی ہوا۔ کہ محبوب خدا اس کے ہاں قیام کر کے اس کے غریب خانہ کو منور کرے۔ آپ نے خیال کیا۔ اگر آپ خود کسی شخص کے گھر کو منتخب کریں۔ تو یہ دوسرے مسلمانوں کی دلشکنی کا باعث ہوگا۔ اس لئے آپ نے انصار سے فرمایا۔ میں اپنی اونٹنی چھوڑتا ہوں۔ جس جگہ وہ جا کر ٹھہریگی۔ میں وہیں قیام کروں گا۔ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ اس طرح آپ کی مہمان نوازی کی عزت و سعادت ابو ایوب انصاری کو نصیب ہوئی۔

آپ نے اپنے متبعین کو اتحاد کی تعلیم دی۔ ان کو ایک لڑی میں منسلک ہونے کی ترغیب دی۔ اور ان میں مؤانست و اخوت کی ایک ایسی روح پھونکی جس کی مثال اوراق تاریخ پیش کرنے سے عاجز ہیں۔

ہر ایک سے محبت

آپ کی محبت اور آپ کے اخلاق کی جھلک چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی نظر آتی ہے۔ مثلاً اگر آپ کسی سے مصافحہ کرتے۔ تو جب تک وہ خود آپ کا ہاتھ نہ چھوڑتا۔ آپ اپنا ہاتھ الگ نہ کرتے۔ اسی طرح اگر آپ کو کوئی شخص ملتا۔ اور وہ آپ کو کسی غرض سے ٹھہرا لیتا۔ آپ اسی جگہ کھڑے رہتے۔ جب تک وہ خود واپس نہ چلا جاتا۔ الغرض آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی شعبۂ زندگی ایسا نہ تھا جس میں آپ کا کمال حسن ظاہر نہ ہو۔ اور جو آپ کے عمل و خلق کا نمونہ پیش کرتا ہو۔ اللھم صل علیٰ محمد ؐ

اظہارِ خیال

(از جناب سید محمد کاظم علی صاحب سابق سب پوسٹ ماسٹر اعظم گڑھ یوپی)
(خاص الفضل کے خاتم النبیین نمبر کے لئے)

ہے شرع میں مولا یہ طلبگار تمہارا
کب ہوگا میسر اسے دیدار تمہارا

کیا وصف رقم ہو شہ ابرار تمہارا
کیا تاب کروں وصف جو سرکار تمہارا

جنت کی طرف اٹھ کے بلائے مجھے رضوان
جاؤنگا نہ خود چھوڑ کے دربار تمہارا

اللہ نے بخشا ہے تمہیں رتبۂ عالی
ہمسر نہیں پیدا ہوا سرکار تمہارا

جلد اس کو مدینہ میں بلا لو مرے مولا
بیتاب ہے اب شائق دیدار تمہارا

کملی والیا تیری سدا ہی جے

(از جناب شیخ محمد یوسف صاحب (سابق سردار سنگھ) ایڈیٹر اخبار نور قادیان)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بنی نوع انسان پر جس قدر بے پایاں احسان ہے۔ وہ کسی تشریح کا محتاج نہیں۔ آپ کے ظہور پرنور نے بلاشبہ دنیا کی کایا ہی پلٹ دی۔ آپ کی بعثت سے قبل ایک انسان دوسرے انسان کو بعض حالات میں حیوانوں سے بھی بدتر جانتا تھا۔ شودر کی حالت جو ہندو مذہب میں تھی کسی تشریح کی محتاج نہیں۔ اور اس ضمن میں عیسائی مذہب بھی ہندو مذہب سے کچھ کم نہ تھا۔ اس کے لئے میں ان ہر دو مذاہب کی تعلیم یا طریق کار کا کچھ ذکر کرتا ہوں۔ اس کے بعد بتاؤنگا۔ کہ اسلام نے کیا تعلیم دی۔ اور کس طرح دنیا کی حالت کو بدل دیا۔

ہندو دھرم کی تعلیم

ہندوؤں کے مقنن اعظم منوجی مہاراج نے انسانوں کے ایک طبقہ کے لئے جو ہندوؤں کے پہلو بہ پہلو بستے ہیں۔ اور جنہیں ہندو اپنی اصطلاح میں شودر کہتے ہیں۔ ہندوؤں کو یہ حکم دیا ہے۔

جو شودر برہمنوں کو دھرم کا اپدیش کرے۔ اس کے منہ اور کان میں گرم تیل ڈال دینا چاہیئے۔ (دیکھو منو ادھیائے ۸ شلوک ۲۷۲) اور ملاحظہ ہو۔ اگر شودر برہمنوں کھشتریوں یا ویش سے سخت زبانی کرے تو اس کی زبان میں سوراخ کر دینا چاہیئے۔ (منو ادھیائے ۸ شلوک ۲۷۰) پھر اسی پر اکتفا نہیں کی گئی۔ حکم دیا گیا ہے۔ جو شودر ہندو از راہ برہمن وغیرہ کے نام کو پکارے۔ اس کے منہ میں بارہ انگل کی لوہے کی جلتی سلاخ ڈال دینی چاہیئے۔ (دیکھو ادھیائے ۸ شلوک ۲۷۱)

اور دیکھئے۔ اگر شودر لالچ سے بڑوں کے کام کر کے دولت پیدا کرے۔ تو راجہ کو چاہیئے۔ کہ اس کی دولت چھین کر جلد اس کو دیش سے نکال دے۔ (منو ادھیائے ۱۰ شلوک ۹۶)

یہ تعلیم مشتے نمونہ از خروارے ہے۔ ورنہ منو سمرتی کا بیشتر حصہ اس قسم کی ناروا تعلیم سے بھرا پڑا ہے۔

عیسائی مذہب اور مساوات

اب ذرا عیسائی مذہب پر بھی نظر ڈالئے۔

ظہور اسلام سے قبل عیسائی مذہب کی جو حالت تھی۔ اور عیسائیوں نے جس طرح اخوت و مساوات کو پامال کر رکھا تھا۔ اس کے تصور سے سینہ میں دل اور دل میں درد رکھنے والے انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ چھٹی صدی عیسوی کے درمیانی عصر میں قیصر قسطنطنیہ نے یہ حکم جاری کیا۔ کہ جو شخص کیتھولک مذہب نہ اختیار کرے گا۔ اس کو سرکاری عہدہ نہ دیا جائیگا۔ جارڈین کے قیصر نے تیس ہزار یہودیوں کو صرف اس وجہ سے جلا دطن کیا۔ کہ انہوں نے اپنا مذہب حکومت کے رعب سے مرعوب ہو کر بدل قبول نہ کیا تھا۔ یہودی یا غیر کیتھولک مذہب والے بانی بھی اپنی کوئی مذہبی رسم تہوار وغیرہ کی مجلس میں ادا نہیں کر سکتے تھے۔ ان کی مذہبی کتب جبراً چھین کر جلا دی جاتی تھیں بڑے بڑے پادری پوپ اور رب جنت کے مالک سمجھے جاتے تھے۔ اور ان کے خلاف زبان ہلانا موت کو طلب کرنا تھا۔ امیر لوگ اور مذہبی سرداروں کی خوش طبعی کیلئے عوام کو ہلاک کر دینا تسمسخر کرنا معمولی بات تھی۔ محکوم لوگوں کو جانوروں سے زیادہ مرتبہ حاصل نہ تھا۔ عیسائی یہودی مجوسی وغیرہ مذاہب اور ایرانی یونانی وغیرہ قوموں پر اگر نظر ڈالی جائے۔ تو ان کی اخلاقی حالت بھی کوئی اچھی نظر نہیں آتی۔ تاہم مناسب حالات کا مفصل تذکرہ کرنا ہمیں مقصود نہیں۔ اس وقت تو صرف یہ بیان کرنا ہے۔ کہ اسلام اس معاملہ میں کیا تعلیم دیتا ہے۔

اسلام اور مساوات

تعلیمات اسلامیہ پر غور کرنے سے ہر شخص اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ کہ اسلام نسبی اور قومی امتیازات کو بالکل مٹاتا ہے۔ اور تمام بنی نوع انسان کو مساوی درجہ عطا کرتا ہے۔ اسی طرح تمام حقوق سب کے مساوی ٹھہراتا ہے۔ ہاں اسلام اس بات کا قائل ضرور ہے۔ کہ جو شخص زیادہ با اخلاق زیادہ باخدا ہوگا۔ اسکی زیادہ عزت کی جائے اور جو شخص زیادہ محنت و مشقت کرے۔ اور زیادہ کمائے وہ بحیثیت پر مستعد و کاہل نکمے لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ دولت اور سامان معیشت کا مالک ہو سکتا ہے۔

قرآن پاک کی تعلیم

قرآن کریم میں آتا ہے۔ انما المومنون اخوۃ (سورۃ حجرات) یاایھا الناس انا خلقنٰکم من ذکر و انثیٰ وجعلنٰکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم (حجرات) کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا۔ اور تم کو مختلف اقوام و قبائل بنا دیا تاکہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو۔ خدا کے نزدیک تم میں سے سب سے بڑا اور مکرم وہ ہے۔ جو زیادہ پرہیزگار ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف ارشاد فرمایا ہے۔ کہ اہل عرب کو اہل عجم پر اس لئے کوئی فضیلت نہیں ہے۔ کہ وہ عربی ہیں حضرت بلال حبشی غلام تھے جن کو حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ ثانی سیدنا کہا کرتے تھے۔ حضرت سلمان فارسیؓ حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی غلام ہی تھے لیکن محض اتقا اور باخدا ہونے کی وجہ سے ان کا بھی صحابہ کرام کے اعلیٰ طبقہ میں شمار ہوا۔

پھر فرمایا یاایھا الذین امنوا کونوا قوامین للہ شہداء بالقسط ولا یجرمنکم شناٰن قوم علیٰ ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ (سورۃ مائدہ) و اذا قلتم فاعدلوا ولو کان ذا قربیٰ (سورۃ انعام) یعنی اے لوگو خدا کے واسطے قائم اور انصاف کے گواہ رہو۔ کسی قوم کی دشمنی اس بات کا باعث نہ ہو۔ کہ تم انصاف نہ کرو۔ یہ بات تقویٰ کے قریب ہے۔ جب کہو انصاف کی بات کہو چاہے کسی قرابت دار ہی کو نقصان کیوں نہ پہنچے۔

ان دونوں آیتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسلام میں دوست اور دشمن یگانہ و بیگانہ سب سے عدل و انصاف کا حکم ہے کسی کے ساتھ بھی سلوک ناانصافی کی اجازت نہیں۔ اور قوانین منو میں شودر اور برہمن میں کوئی برابری نہیں۔ ادھر قرآن میں النفس بالنفس فرما کر کامل مساوات

قائم کی۔ اور دوسری طرف منو جی... عیسکر مقصد... اگر کسی قاتل کھتری بھی کوئی جاتی سزا دہ رکھی۔ اگر کوئی سید بھی کسی غلام یا شودر کو قتل کرے گا۔ تو بیشک قصور... نہیں۔ کہ احکام فقط لکھے گئے ہوں۔ اور مسلمانوں نے ان پر عمل کیا بلکہ قرآن کا ایک ایک حرف مسلمانوں کی زندگی کا دستور العمل تھا۔ بلکہ جو معاملہ میں لوگوں نے کہا بچانے کیلئے کام تقسیم کرنے ... آپ نے گڑیاں ہونے کا کام ... اعظم...

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم حامل شریعت کاملہ ہیں

(از جناب چودھری ڈاکٹر محمد شاہ نواز خان صاحب ایم۔ بی۔ بی۔ ایس)

انسانیت کا حقیقی کمال

فطرت انسانی کا گہرا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے ہر انسان کے دماغ میں ہر قسم کی قابلیت پیدا کرنے کی استعداد رکھی ہے۔ اور اگر انسان ان ذہنی طاقتوں کی صحیح طور پر نشو ونما کرے۔ اور ان کو ضائع ہونے سے بچائے۔ تو وہ ہر رنگ میں باکمال انسان بن سکتا ہے۔ مگر دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس طور پر تمام ذہنی طاقتوں کے صحیح تربیت یافتہ لوگ بہت کم پائے جاتے ہیں۔ اور اکثر لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ جو کسی ایک شعبۂ زندگی میں کمال حاصل کر کے دوسروں کے لئے ایک عمدہ اعلےٰ نمونہ پیش کر سکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ مختلف بچے پیدائش سے والدین کی طبائع کے مطابق خاص میلان لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ اور اس کے بعد ایک خاص مقصد کو مدنظر رکھ کر ان کی تعلیم و تربیت کی جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ ان کی بعض ذہنی طاقتیں تو ترقی کر جاتی ہیں۔ اور اکثر ذہنی قوتیں بالکل ابتدائی حالت پر رہتی ہیں۔ اول الذکر گروہ میں وہ سب شامل ہیں۔ جن کو انگریزی میں جینئس (CINIUS) یعنی عبقری کہتے ہیں۔

مگر یہ ظاہر ہے۔ ایسے لوگ دنیا کے لئے کامل نمونہ پیش نہیں کر سکتے۔ اور نہ ہی ان کا طریق اسوۂ حسنہ کہلا سکتا ہے۔ کیونکہ اکثر دیکھا گیا ہے۔ کہ ایسے ماہرین فن جہاں اپنے اس فن میں دنیا کی اعلےٰ سے اعلےٰ راہ نمائی کر سکتے ہیں۔ وہاں زندگی کے دیگر شعبوں میں نہایت ادنےٰ نمونہ پیش کرتے ہیں۔ لیکن ان کے مقابلہ میں انبیاء کا ایک ایسا گروہ ہے۔ جو دنیا کے لئے ہر لحاظ سے اعلےٰ نمونہ پیش کر سکتا ہے۔ اور کرتا رہا ہے۔ پھر انبیاء میں سے بھی وہ جس نے اپنی تمام ذہنی قوتوں اور فطرتی استعدادوں کا کمال دکھایا۔ ہمارے آقا سرور دوجہان حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود ہے۔

حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ اور سب سے بڑا کمال وہ تعلیم ہے۔ جو آپ دنیا کی ہدایت کے لئے اللہ تعالےٰ کی طرف سے لائے۔ اور جسے اسلامی اصطلاح میں شریعت کہا جاتا ہے۔

شریعت کی تعریف

قبل اس کے کہ میں یہ ثابت کروں کہ اسلامی شریعت ہر لحاظ سے مکمل ہے۔ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ شریعت کی تعریف۔ اس کی غرض۔ اور ضرورت بیان کر دی جائے۔

شریعت ان اخلاقی۔ تمدنی اور روحانی قوانین کے مجموعہ کا نام ہے۔ جو انسان کی ہر شعبۂ زندگی میں صحیح راہ نمائی کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ جس طرح گورنمنٹ قیام امن اور رعایا کی جان و مال کی حفاظت کے لئے تعزیری قوانین بناتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ نے ہماری جسمانی اور روحانی حفاظت اور ترقیات کے لئے ایک کوڈ عطا کیا ہے۔ پھر جس طرح جسمانی نظام میں بعض طبی قوانین ہوتے ہیں جن پر عمل کرنا تندرست رہنے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح روحانی صحت کے لئے بھی قوانین ہیں۔ اور جس طرح بیمار جسم کے لئے نسخہ جات اور پرہیزی غذا کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح بیمار روح کے لئے بھی روحانی معالجات اور پرہیزوں کی ضرورت ہے۔

شریعت کی غرض

پس شریعت کی غرض یہ ہے۔ کہ وہ کسی ایسے قانون کی صورت میں انسان کی راہ نمائی کرے جس سے اس کی پیدائش کی غرض اور مقصد پورا ہو سکے۔ اس وجہ سے شریعت کے لئے یہ بھی ضروری ہوتا ہے۔ کہ وہ خالق اور مخلوق کے حقوق کی پوری پوری وضاحت کرے۔ اور ان حقوق کی حفاظت کے لئے بھی سامان مہیا کرے۔ اس کے علاوہ شریعت کا سب سے اہم کام یہ ہے۔ کہ وہ انسان کی طبعی۔ اخلاقی اور روحانی حالتوں کی اصلاح اور ان کی تربیت اور تکمیل کے لئے ایسے اصول پیش کرے۔ جن کی روشنی میں انسان اپنے حقیقی کمال کو پہونچ سکے۔

شریعت کی ضرورت

دنیا میں ہم دیکھتے ہیں۔ مجرد عقل انسانی بہت کم کام آتی ہے جسمانی نظام میں عقل کو ٹھوکر سے محفوظ رہنے کے لئے تجربہ اور مشاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح روحانی نظام میں عقل کو صحیح راہ نمائی کے لئے الہام کی ضرورت ہے۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ جب جسمانی امور میں جو مشہود اور محسوس ہیں۔ مجرد عقل انسان کی راہ نمائی نہیں کر سکتی تو روحانی امور میں جو کہ غیر مشہود اور غیر محسوس ہیں مجرد عقل کس طرح انسان کی صحیح راہ نمائی کر سکتی ہے۔ جس طرح زمانہ ماضی کے حالات کا علم کرنے کے لئے عقل انسانی تاریخ کی محتاج ہے۔ اور زمانہ حال کے متعلق علم حاصل کرنے کے لئے حواس خمسہ کی ضرورت ہے۔ اسی طرح آئندہ کے حالات میں راہ نمائی کے لئے عقل کو الہام کی ضرورت ہے۔ پس ثابت ہوا کہ باوجود فطرت صحیحہ کے اور عقل سلیم کی موجودگی کے انسان کو دنیاوی اور دینی دونوں امور میں خارجی چیز کی ضرورت ہے۔ اور وہ تجربہ اور الہام ہیں۔

مذاہب عالم میں ارتقاء

صحیفۂ قدرت کا گہرا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ کائنات عالم مختلف ارتقائی تبدیلیوں کے بعد موجودہ حالت کو پہونچا ہے۔ ہر جنس میں ارتقاء ہوئی ہے۔ انسان۔ حیوان۔ نباتات جمادات سب زبان حال سے ارتقاء کا ثبوت پیش کر رہے ہیں۔ جسمانی نظام اور روحانی نظام میں ہمیشہ مطابقت ہوتی ہے۔ پس جس طرح انسان میں ذہنی ارتقاء ہوا۔ ضروری تھا۔ کہ خدا کے کلام (الہام) میں بھی ارتقاء ہو۔ اوائل میں انسانی دماغ ابتدائی اور ادنےٰ حالت میں تھا۔ اس کے بعد زمانہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ انسان کے دماغ میں ارتقاء ہوتا گیا۔ انسان کی ان ادنےٰ ذہنی قوتوں کے مناسب حال اللہ تعالےٰ نے اس کے لئے تعلیم بھی ابتدائی قسم کی الہام کی۔ پھر جوں جوں انسان کی ذہنی قوتوں کا نشو و نما ہوتا گیا تعلیم بھی مناسب حال ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ ایسا زمانہ آیا۔ جبکہ انسانی دماغ ہر لحاظ سے مکمل ہو گیا۔ اور وہ اس قابل ہو گیا۔ کہ تمام ذہنی قوتوں اور فطری استعدادوں سے پورا پورا استفادہ کر سکے! اس وقت مشیت الٰہی نے چاہا کہ اب اتم اور اکمل صورت میں تعلیم دی جائے۔

الہامی کتب میں ارتقاء

جس طرح بچہ جب سکول میں جاتا ہے۔ تو اس کی سمجھ اور ذہنی طاقت کے مطابق پہلے اس کو ابتدائی تعلیم دی جاتی ہے پھر جوں جوں اس کی سمجھ اور شعور اور ذہنی قوتوں کی نشو و نما ہوتی جاتی ہے۔ اس کو ثانوی اور اعلےٰ تعلیم کے لئے کتب مہیا کر دی جاتی ہیں اسی طرح اوائل میں انسان کو ابتدائی اور آسان اسباق کی صورت میں مذہبی کتب دی گئیں۔ پھر آہستہ آہستہ انسان کی ذہنی ترقی کے ساتھ ساتھ مذہبی کتب میں بھی تبدیلی ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ ذہنی ارتقاء کی تکمیل پر مکمل الہامی کتاب (شریعت اسلامیہ) اُتار دی گئی۔

انبیاء کا ذہنی ارتقاء

یہی حال ان مختلف شریعتوں کے حاملوں کا ہے۔ ہر زمانہ میں ہر قوم اور ہر ملک کی ضروریات کے مطابق مختلف استعدادوں کے انبیاء آتے رہے۔ اور زندگی کے بعض شعبوں میں لوگوں کے لئے نمونہ بنے۔ اس کے بعد جب انسان کی ذہنی نشو و نما مکمل ہو گئی۔ اور لوگوں کے آمد و رفت کے ذرائع بھی بڑھ گئے۔ اور تمام قومیں اور ملک

ایک ہی قوم اور ایک ہی ملک کے حکم میں آ گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس ہستی کو نازل کیا۔ جو ذہنی ارتقار کا کامل مرکزی نقطہ تھا۔ اور جو شعبۂ زندگی میں لوگوں کے لئے کامل نمونہ تھا۔ اسے بالتخصیص نہ قوم یا ملک ایسی مکمل۔ جامع اور فطرت صحیحہ کے مطابق تعلیم دی۔ جو قیامت تک تمام انسانوں کی راہ نمائی کر سکے۔ شاید کوئی یہ سوال کرے۔ کہ ذہنی ارتقار تو قیامت تک جاری رہیگا۔ پھر کیا آئندہ بھی کوئی قرآن کریم سے زیادہ مکمل کتاب نازل ہوگی۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ ذہنی ارتقار بے شک جاری ہے۔ اور قیامت تک جاری رہے گا۔ مگر شریعت کی کتاب میں تبدیلی نہ ہوگی۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کامل مرکزی نقطہ ذہنی ترقیات کا تھے۔ اور قرآن کریم میں بطور بیج کے آئندہ ہر ایک ضرورت حقہ کا علاج رکھ دیا گیا ہے۔ اور اس حقائق و معارف کے عمیق سمندر میں سے آئندہ آنے والے انبیار اور خلفار حضور کے غلام ہونگے۔ اپنے اپنے عرفان کے مطابق موتی ہائے گرانبہا نکال کر بیش قیمت موتیوں کو دنیا پر ظاہر کرتے رہیں گے۔

وید۔ انجیل اور قرآن کا مقابلہ

اس وقت تین بڑی الہامی کتب دنیا میں پائی جاتی ہیں۔ یعنی وید۔ انجیل اور قرآن۔ ان کی تعلیمات کا مقابلہ کرنے سے ہمیں صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ روحانی تعلیم میں انسان کی ذہنی ضروریات کے مطابق ارتقار ہوا ہے۔ وید میں اس قسم کی تعلیم ہے۔ جیسی کہ ایک چھوٹے بچے کو دی جاتی ہے۔ انجیل میں اس سے ذرا زیادہ سمجھ کے لوگوں کی استعداد کے مطابق تعلیم ہے اور قرآن کریم میں ایک بالغ اور باشعور کی ضروریات کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

پھر ان پرانی کتب میں بعض باتیں محض وقتی اور مخصوص قومی ضروریات کے لئے بیان کی گئیں۔ جن کی ضرورت ایک خاص زمانہ کے لئے تھی۔ اور اب ان پر عمل ضروری نہیں۔ مثلاً مصریوں نے یہود پر بہت مظالم کئے۔ جن کی وجہ سے بنی اسرائیل کی طبائع میں بہت کمزوری پیدا ہو گئی۔ اسے دور کرنے کے لئے انتقام پر زور دیا گیا۔ اس کے بعد جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے۔ تو سختی کی ضرورت نہ تھی۔ اس لئے ان کو ایسی تعلیم دی گئی۔ جس سے یہود کی طبائع میں نرمی اور رأفت کا مادہ پیدا ہو۔ یہی وجہ ہے۔ کہ توریت میں جہاں انتقام پر زور ہے۔ وہاں انجیل میں عفو کی طرف زیادہ توجہ دلائی گئی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ یہ دونوں تعلیمیں محض وقتی اور افراط و تفریط پر مبنی ہیں۔ اور مستقل طور پر ایسی تعلیم کی ضرورت تھی۔ جو میانہ روی سکھائے۔ اور حالات کے ماتحت عمل کرنے کی تلقین کرے۔ چنانچہ جب قرآن کریم نازل ہوا۔ تو اس نے وسطی راہ دکھائی۔ اور فرمایا جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا فمن عفا واصلح فاجرہ علی اللہ۔ یعنی سب موقع اور محل سختی اور عفو دونوں سے کام لو۔ گویا اسلام نے اصل مقصود انسان کی اصلاح رکھا ہے۔ اگر معاف کر دینے سے اصلاح ہو سکتی ہو۔ تو معاف کر دینے کے لئے کہا۔ اور اگر سزا سے اصلاح کی امید ہو۔ تو اس کی اجازت دی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی کتاب آئینہ کمالات اسلام کے صفحہ ۱۹۶ پر یہ بیان کرتے ہوئے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے۔ کہ وہ ہر زمانہ کے لوگوں کی استعداد کے مطابق ان پر کلام نازل کرتا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:-

"اللہ جل شانہ کی کتابیں ہمیشہ اسی قدر نازل ہوتی ہیں۔ جس قدر اس امت میں جو تعمیل کتاب کی مکلف ہے۔ استعداد ہوتی ہے۔ مثلاً انجیل کی نسبت تمام محققین کی یہ رائے ہے۔ کہ اس کی تعلیم کامل نہیں ہے۔ اور وہ ایک ہی پہلو پر چلی جاتی ہے۔ اور دوسرے پہلو کو بکلی چھوڑ رہی ہے۔ لیکن دراصل یہ قصور ان استعدادوں کا ہے۔ جن کے لئے انجیل نازل ہوئی تھی۔ چونکہ خدا تعالیٰ نے انسانی استعدادوں کو تدریجاً ترقی دی ہے۔ اس لئے اوائل زمانوں میں اکثر لوگ ایسے پیدا ہوتے رہے۔ کہ جو غبی اور بلید اور کم عقل۔ اور کم فہم اور کم دل اور کم ہمت اور کم یقین۔ اور پست خیال اور دنیا کے لالچوں میں پھنسے ہوئے تھے۔ اور دماغی اور دلی قوتیں ان کی نہایت ہی کمزور تھیں۔ مگر ان زمانوں کے بعد ہمارے سید و مولیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ زمانہ آیا۔ جس میں رفتہ رفتہ استعدادیں ترقی کر گئیں۔ گویا دنیا نے اپنے فطرتی قویٰ میں ایک اور ہی صورت بدل لی۔ پس ان کی کامل استعدادوں کے موافق کامل تعلیم نے نزول فرمایا!"

پس یہ ثابت شدہ حقیقت ہے۔ کہ سوائے ان بنیادی اصول کے جو انسانی فطرت میں مرکوز ہیں۔ مثلاً ہستی باری تعالیٰ توحید۔ حیات مابعد الموت کا عقیدہ گو ایک رنگ کی ارتقار ان عقائد کی تشریحات میں بھی ہوئی ہے۔ چنانچہ اسلام نے صفات باری تعالیٰ توحید۔ حیات مابعد الموت وغیرہ کے متعلق جو فلسفہ بیان کیا ہے۔ وہ اپنی ذات میں منفرد اور ممتاز ہے۔ باقی امور میں ارتقار ہوا ہے۔ مثال کے طور پر ہم نماز اور روزہ کے احکام کو لیتے ہیں۔

عبادت کے طریق اور روزہ کے احکام میں ارتقار

وید۔ انجیل اور قرآن تینوں نے عبادت اور روزہ کی تعلیم دی ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں۔ ان کی تفصیلات میں بہت فرق ہے اوائل میں چونکہ انسان کا ذہن ادنیٰ اور اس کی قلبی طاقت کمزور تھی۔ اس لئے نہایت آسان طریق پر یہ فرائض ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔ مثلاً وید کی رو سے صرف دل کی عبادت کافی سمجھی جاتی ہے۔ اور ظاہری حرکات کو ضروری نہیں قرار دیا گیا۔ جوں جوں انسان نے ذہنی اور قلبی ترقی کی۔ اس میں عبودیت کا مادہ زیادہ نمایاں ہوتا گیا۔ اس لئے روح کے ساتھ جسم کو بھی عبادت میں شامل کر لیا گیا۔ یعنی دل کی عبادت کے ساتھ ظاہری حرکات بھی مقرر کر دی گئیں۔ چنانچہ انجیل کی رو سے ظاہری حرکات بھی عبادت کے لئے ضروری ہیں۔ مگر ان حرکات کی انتہا سجدہ رکھتا ہے اس کے بعد پھر وہ وقت آ گیا۔ جب انسانی ذہنی استعدادیں اپنے کمال کو پہونچ گئیں۔ اور انسان میں عبودیت کا بھی اتم اور اکمل صورت میں نمودار ہوا۔ اس لئے اسلام نے ان ظاہری حرکات میں جن کی انتہا رکوع تک تھی۔ سجدہ کو (جو کہ ظاہری لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے آگے عاجزی اور تذلل کی حد ہے) شامل کر لیا۔ پس اسلامی نماز نہ صرف اپنے مغز بلکہ ظاہری حرکات کے لحاظ سے بھی دیگر مذاہب کی عبادات سے اکمل و افضل ہے۔

یہی حال روزہ کا ہے۔ اوائل میں ان کو بوجہ ذہنی کمزوری کے چونکہ اپنے جذبات پر پورا پورا قابو نہ تھا اس لئے روزہ کے معاملہ میں بہت سی سہولتیں دے دی گئیں۔ مثلاً کہا گیا۔ کہ تم پھل۔ پھول تو کھا لیا کرو۔ مگر آگ پر پکی ہوئی چیز کھانی منع ہے چنانچہ ویدوں میں اسی قسم کے روزوں کا حکم ہے۔ اسی طرح نصاریٰ میں بھی کامل روزہ کا حکم نہیں۔ ان کو بھی سوائے گوشت کے ہر چیز کھانے کی اجازت ہے۔ مگر اسلام نے انسان کی کامل ذہنی استعدادوں کو مدنظر رکھتے ہوئے پورا روزہ کا حکم دیا۔ اور صبح سے شام تک ہر چیز کھانے پینے سے منع کر دیا۔ اسی طرح اگر دیگر احکام کے متعلق غور کیا جائے۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان میں بھی ارتقار ہوا ہے۔

کامل شریعت کے شرائط

اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں۔ کہ کامل شریعت کے لئے کیا شرائط ہیں۔ اور اسلام کس حد تک انہیں پورا کرتا ہے۔ کامل شریعت کے لئے مندرجہ ذیل شرائط کا ہونا ضروری ہے:-

پہلی شرط

کامل شریعت وہ کہلا سکتی ہے۔ جو انسان کی ہر اس ضرورت حقہ کو جو اس کی طبعی۔ اخلاقی اور روحانی ترقی کے لئے ضروری ہو پورا کرے۔ اور اس میں نہ صرف موجودہ زمانہ کی ضروریات کا سامان مہیا ہو۔ بلکہ ان ضرورتوں کو بھی مدنظر رکھا جائے۔ جو قیامت تک انسان کو پیش آ سکتی ہیں۔

کامل مذہب کے لئے یہ بھی ضروری ہے۔ کہ انسان کی زندگی کے ہر پہلو کے متعلق کامل ہدایت دے۔ مثلاً اخلاق۔ تمدن۔ سیاست الوہیت۔ روحانیت۔ اور حیات بعد الموت۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت میں ہم دیکھتے ہیں۔ ان سب امور کے ہر پہلو کے متعلق مکمل ہدایات دی گئی ہیں۔ اور ایک جامع اور اکمل کوڈ اپنے متبعین کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ اس مختصر مضمون میں ان تعلیمات کے متعلق تفصیلی بحث بالکل ناممکن ہے۔ تفصیلات سے دلچسپی رکھنے والے دوست حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "احمدیت یا حقیقی اسلام" کا مطالعہ فرمائیں۔

دُوسری شرط

کامل شریعت کے لئے یہ بھی ضروری ہے۔ کہ اس کی تعلیم ہر حالت اور ہر قوم کے لئے قابلِ عمل ہو۔ اسلام نے عبادات وغیرہ کے متعلق ایسے اصول قائم کر دیئے ہیں۔ کہ دُنیا کا کوئی ملک یا قوم ایسی، جو ان پر عمل نہ کر سکے۔ پھر تعلیم اس رنگ میں دی ہے۔ کہ انسان ہر حالت میں خواہ وہ تندرست ہو۔ یا بیمار، مقیم ہو یا مسافر، سوار یا پیدل۔ ریل میں ہو۔ یا ہوائی جہاز پر۔ غرضیکہ ہر جگہ اسے ادا کر سکتا ہے ۔

تیسری شرط

کامل وہ ہے۔ جو اپنی فصاحت۔ بلاغت اور لطافت میں بے نظیر ہو اور تفصیلات کو واضح کرنے کے باوجود اس حد تک مختصر ہو کہ انسانی دماغ اسے بآسانی محفوظ کر سکے۔ قرآن کریم کی فصاحت اور بلاغت کسی ثبوت کی محتاج نہیں۔ ۱۳۵۰ سال سے خود اس کا اعلان مخالفوں کے لئے موجود ہے۔ کہ سارا قرآن تو کیا۔ ایک سورۃ یا ایک آیت کی نظیر ہی لا کر دکھا دو۔ اتنے عرصہ میں مخالفوں کا سکوت قرآن کریم کے بے نظیر ہونے کا بیّن ثبوت ہے ۔

چوتھی شرط

کامل شریعت کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ خود اپنے کامل ہونے کا دعوےٰ کرے۔ اور جو تعلیم وہ پیش کرے۔ اس کے دلائل بھی خود بیان کرے ۔

قرآن کریم میں اس کے کامل ہونے کا دعوےٰ موجود ہے۔ فرمایا الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا ۔

پھر جو تعلیم قرآن کریم پیش کرتا ہے اس کے دلائل بھی خود ہی دیتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب پہلی مرتبہ جنگ مقدس میں عیسائیوں کو چیلنج دیا۔ کہ دعوےٰ اور دلیل اپنی الہامی کتاب سے دیا جائے۔ تو بے دل کے ہاں ماتم بپا ہو گیا۔ دلیل تو درکنار خود یہ دعوےٰ بھی کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ انجیل سے نہ نکال سکے ۔

پانچویں شرط

کامل شریعت کے لئے پانچویں شرط یہ ہے۔ کہ اس کا حامل ہر رنگ میں لوگوں کے لئے کامل نمونہ ہو۔ اس کی زندگی میں انسانی زندگی کے ہر پہلو کے متعلق عملی نمونہ موجود ہو۔ اور اس کا عمل لوگوں کے لئے اسوۂ حسنہ ہو ۔

حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ زندگی شاہ ہر عمر۔ ہر طبقہ اور ہر مذاق کے لوگوں کے لئے کامل نمونہ موجود ہے۔ حضور کی زندگی میں بچوں بڑوں سب کے لئے اسوۂ حسنہ موجود ہے۔ حضور کی زندگی میں غریب۔ امیر۔ سیاست دان جرنیل سائنس دان۔ بادشاہ۔ غرضیکہ ہر طبقہ کے لوگوں کے لئے کامل ہدایات ہیں ۔

چھٹی شرط

کامل شریعت کے لئے یہ بھی ضروری ہے۔ کہ اس کی ہر قسم کی حفاظت کا انتظام خدا کے ذمہ ہو۔ اور اس کو محو کرنا کسی انسان کی طاقت میں نہ ہو۔ قرآن کریم کی ظاہری (لفظی) اور باطنی (معنوی) حفاظت کا ذمہ اللہ تعالےٰ نے خود اپنے اوپر لیا ہے۔ فرمایا۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔ ظاہری حفاظت یوں کی۔ کہ لاکھوں انسانوں کے سینوں میں قرآن کریم حفظ کرنے کی تحریک کر کے الفاظ کو قیامت تک محفوظ کر دیا۔ اور باطنی حفاظت کے لئے مجددین کا سلسلہ جاری کیا جو ہر صدی کے سر پر آ کر قرآن کریم کے مغز اور فہم کو دُنیا میں زندہ رکھتے ہیں ۔

ساتویں شرط

کامل شریعت وہی ہو سکتی ہے۔ جو غیر محرف اور غیر متبدل ہو جو قرآن کریم آج ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ وُہی قرآن آج سے ۱۳۵۰ سال قبل نازل ہوا تھا۔ اور یہ امانت بڑی احتیاط کے ساتھ بغیر زیر یا زبر کی تبدیلی کے اگلی نسلوں کے سپرد کی جاتی رہی ہے ۔

آٹھویں شرط

کامل شریعت کے لئے یہ بھی ضروری ہے۔ کہ وہ میانہ روی کی تعلیم دے تاکہ وہم پیدا نہ ہو۔ وہم ہمیشہ غلو سے پیدا ہوتا ہے اسلام نے اس کا بھی ازالہ کیا ہے۔ اور عبادات میں میانہ روی کو پسند فرمایا ہے۔ پھر قرآن کریم کی تعلیم میں طبائع کا لحاظ بھی رکھا گیا ہے۔ مثلاً خوراک اور لباس کے معاملہ میں (سوائے ان محرمات کے جو نص صریح سے ثابت ہیں۔ مثلاً مُردار۔ خون۔ خنزیر وغیرہ)۔ لوگوں کو اپنے ملک اور قوم کے رواج پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ پھر اسلام میں شریعت کے احکام اس قسم کے ہیں۔ کہ باوجود عقل کو الہام کے تابع رکھنے کے انسان کی ذہنی اور علمی ترقی کی گنجائش رکھی گئی ہے اور اس طرح اس اعتراض کو رد کر دیا گیا ہے۔ کہ الہام انسان کی ذہنی ترقی کے راستے میں روک ہے ۔

نویں شرط

کامل شریعت کے لئے یہ بھی ضروری ہے۔ کہ اس کا حامل روحانیت کی تکمیل کے لئے مندرجہ ذیل چار کام کرے :-

۱۔ اللہ تعالےٰ کی آیات اور نشانات کا علم دے ۲۔ تزکیہ نفوس کرے۔ ۳۔ الہامی کتاب کا علم۔ اور ۴۔ اس کے احکام کی حکمتیں سکھائے۔ قرآن کریم میں آتا ہے۔ کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ چاروں کام کر کے دکھا دیئے۔ فرمایا :-

ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم ایٰتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ (جمعہ ع ۱)۔

قرآن کریم نے ان باریک باتوں کی تفسیر ۔ ملائکہ۔ بعث مابعد الموت وغیرہ کے متعلق بہت سے دلائل دیئے ہیں۔ کروڑوں انسانوں کا تزکیۂ نفس کیا۔ جنہوں نے دُنیا کی اصلاح کے لئے بے نظیر قربانیاں کیں۔ علم شریعت سکھایا۔ اور ساتھ ہی ان احکام کی حکمتیں بھی بیان کی ہیں۔ جن کی تفصیل کی اس جگہ گنجائش نہیں ۔

دسویں شرط

کامل شریعت کے لئے یہ بھی ضروری ہے۔ کہ وہ اس دُنیا میں ہی اپنے متبعین کو اللہ تعالیٰ کا دیدار کرا دے۔ لاکھوں ہیں جنہوں نے قرآن کریم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع میں اللہ تعالےٰ کا دیدار حاصل کیا۔ اور اپنے پیارے مولا سے ہمکلام ہونے کا شرف حاصل کیا ۔

گیارھویں شرط

کامل شریعت وہی ہو سکتی ہے۔ جو کہ عقل اور تجربہ کے خلاف تعلیم نہ دے۔ اور نہ ہی وہ صحیح سائنس کے ساتھ ٹکرائے۔ دیگر مذاہب کی تعلیمات عموماً عقل۔ تجربہ اور سائنس کے ساتھ ٹکراتی ہیں۔ مگر قرآن کریم اس لحاظ سے بھی دیگر الہامی کتب سے ممتاز اور منفرد ہے۔ کہ اس کی تعلیم عقل۔ تجربہ اور سائنس کے مطابق ہے۔ کسی سچے مذہب اور صحیح سائنس میں تصادم ممکن نہیں۔ کیونکہ مذہب خدا کا قول اور سائنس خدا کا فعل ہے۔ خدا کے قول اور فعل میں تضاد نہیں ہو سکتا تصادم کی وجہ مذہب اور سائنس کی غلط ترجمانی ہے۔ صحیح سائنس صرف جھوٹے مذہب کے ساتھ ٹکراتی ہے۔ اور سچا مذہب صرف جھوٹی سائنس کے ساتھ ٹکرا سکتا ہے ۔

اسلام کی تعلیم سائنس کے بالکل مطابق ہے۔ بلکہ اسلام نے خود سائنس کے حیرت انگیز انکشافات کئے ہیں۔ جو دُنیا کو پہلے معلوم نہ تھے۔ مثلاً فرمایا ہے۔ دُنیا میں ہر چیز کا جوڑا ہے۔ یعنی سب چیزیں نر و مادہ ہیں۔ ہر چیز انسان کے فائدہ کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ ہر چیز کو پانی سے زندہ کیا گیا ہے۔ ستارے آسمان میں تیر رہے ہیں۔ (ایتھر کا بیان) بجلی بھی مفید ہے۔ زمین پہلے شعلہ نار تھی۔ دوزخیوں کو پیپ پلائی جائے گی۔ (اس میں ڈاکٹروں کے لئے ویکسین تھراپی (VACCINE THERAPY) کی طرف اشارہ ہے) غرضیکہ سینکڑوں ایسے احکام ہیں۔ جو سائنس۔ طب۔ و حفظانِ صحت کے اصول پر مبنی ہیں۔ جن کی طرف اس مضمون میں صرف اشارہ ہی کیا جا سکتا ہے ۔

بارھویں شرط

زندہ اور کامل شریعت کے لئے سب سے اہم شرط یہ ہے کہ وہ ہر زمانہ میں اپنے زندہ اور کامل ہونے کا ثبوت دے۔ زندہ اور کامل وجود کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ کہ وہ کچھ نتیجہ پیدا کرے۔ دُنیا میں ہم دیکھتے ہیں۔ جتنے جاندار ہیں۔ وہ سب آگے اپنی نسل چلا کر اپنے زندہ ہونے کا ثبوت دیتے ہیں۔ کامل شریعت کے لئے بھی ضروری ہے۔ کہ وہ ہر زمانہ میں پھل دے ۔

میں اپنے محسن نبی پر کیوں نہ قربان جاؤں

(از محترمہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ چوکے بہاء)

یہ شرف صرف حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہوا۔ کہ حضور کی اتباع سے حضور کے لاکھوں روحانی فرزند پیدا ہوئے جنہوں نے اپنی اپنی استعدادوں اور ضرورت زمانہ کے مطابق صدیق۔ شہید اور صالح کے مقام کو حاصل کیا۔ اور سب سے آخر وہ کامل روحانی انسان پیدا ہوا۔ جس نے اپنے آپ کو حضور کی اتباع میں بالکل فنا کر کے نبوت کا مقام حاصل کیا۔ اور یہ فخر ہی تھا۔ کہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ شرف حاصل ہو کہ آپ کی اطاعت سے ایک انسان نبوت کے مقام کو حاصل کرے کیونکہ آپ ہی وہ نبی ہیں۔ جنہیں سب سے اعلے قرب الٰہی کا مقام حاصل ہوا۔ یہی وجہ ہے۔ پہلے کوئی نبی کسی نبی کی اتباع سے نہیں ہوا۔ بلکہ اللہ تعالےٰ کی خاص تربیت سے نبوت کا مقام حاصل کیا کرتے تھے۔ مگر جب زندہ اور کامل نبی ظاہر ہو گیا۔ اس وقت اس کا روحانی نطفہ اس قابل ہو گیا کہ کامل روحانی اولاد پیدا کر سکے۔ آئندہ بھی جو نبی ہونگے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے ہی ہونگے ؛

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کے زندہ اور کامل ہونے کا ہمارے پاس اس وقت ایک بڑا ثبوت اس زمانہ کے مامور اور رسول حضرت احمد نبی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام و حضور کے خلفاء ہیں۔ زندہ شریعت وہی ہو سکتی ہے۔ جو اپنے متبعین میں زندگی کے آثار پیدا کر سکے۔ اور زندہ کامل نبی وہی ہو سکتا ہے۔ جس کی اتباع سے اور کامل وجود پیدا ہو سکیں ؛

اگر دیگر مذاہب کے پیروؤں کو اپنی شریعت کے کامل ہونے اور ان کے حاملوں کے زندہ ہونے کا دعوےٰ ہو۔ تو وہ اس زمانہ میں ان کی اتباع کے زندہ وجود دکھائیں۔ جو اس بات کے مدعی ہوں۔ کہ ان کو خدا تعالےٰ کا قرب حاصل ہے۔ اللہ تعالےٰ ان کی دعائیں سنتا ان سے ہم کلام ہوتا۔ اور ان کی ہر طرح مدد و نصرت فرماتا ہے ؛

ہزار ہزار درود اور صلوٰۃ ہو۔ اس پاک وجود پر جس کی برکت اور اتباع سے ہم میں اس تاریکی کے زمانہ میں ہمارا نجات دہندہ پیدا ہوا۔ جس نے ہم کو کامل شریعت ثریا سے واپس لا کر دی ؛

اللّٰھم صل علی محمد وعلی آل محمد وبارک وسلم

اس نبی پر جس نے ایسے وقت میں میرا اگراں قدر مرتبہ قائم کیا جبکہ دنیا مجھے اپنے دلوں سے اتار چکی تھی۔ روحانیت کے دعویدار مجھے تنفر سے دیکھتے تھے۔ عالم اور عابد مجھ سے گھن کھاتے تھے۔ عوام میرے خون کے پیاسے اور خواص میری جان کے دشمن تھے۔ دنیا کے کونے کونے میں میری ذات کے متعلق خرافات وبا کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔ بڑے بڑے رشی منی میرے برخلاف تنفر پیدا کرنے میں سارا زور صرف کر چکے تھے ؛

ایسے عجیب زمانہ میں یہی مقدس اور محترم نبیؐ تھا جس نے مجھے مجسمۂ لطف وکرم۔ پیکر محبت۔ نصف بہتر۔ اور سرمایہ حیات قرار دیا!

اوبار نے میری ذات کو کیکر کے درخت سے مشابہت دیکر مجھے ذلیل کرنے کی انتہائی کوشش کی۔ اور کہا کہ جیسے کیکر کا درخت دیکھنے میں خوشنما اور دلفریب ہوتا ہے۔ مگر کھاؤ۔ زہر قاتل۔ یہی کیفیت عورت کی ہے؟ (دیکھو اقوال سقراط)۔ مگر میں صدقے اپنے پیارے نبیؐ کے جس نے ان تمام خرافات کو ایک ایک کر کے توڑ دیا۔ اور عورت کو تمام نیکیوں اور بھلائیوں کا مصدر قرار دے کر ان کا زیاف ہونا ثابت کر دیا ؛

فرمایا۔ رہبانیت سے جسے دوسرے لفظوں میں عورت سے قطع تعلق کرنا چاہیئے۔ ہمیشہ پرہیز کرو۔ کیونکہ یہ طریق منزل مقصود سے بھٹکا دینے والا ہے۔ اسلام نے اس فعل کو خشمگین نگاہوں سے دیکھا۔ اور اللہ تعالےٰ نے ایسے انسان کو اپنی خوشنودی سے محروم کر دیا۔ مقدس نبیؐ روحی فداہ نے بالصراحت بتلا دیا۔ کہ یہ خیال کہ رہبانیت خدا تک پہنچانے والی ہے۔ سراسر دھوکا ہے ؛

ان عورت کا وقر دنیا سے بالکل زائل ہو چکا تھا۔ اس کی وقعت۔ تعدی اور نفسانیت کی بھینٹ چڑھ چکی تھی۔ اس کے جذبات لطیف کا اتلاف ہو رہا تھا۔ مگر ہمارا محسن نبیؐ ہماری سپر بن کر جلوہ فرما ہوا۔ اور ہمیں اس بھنور سے بچا لیا ؛

آج مسیحیت عورت سے موانست کے کتنے ہی گیت گائے مگر ہمیں خوب معلوم ہے۔ اس کے ہاتھوں ہماری کیسی درگت بن چکی ہے۔ بالفاظ بائبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے مقدس نبی نے جو بے انتہا رزم تعلیم سے کر مبعوث ہوئے تھے۔ ہمیں بے گناہ۔ بے خطا۔ اور بے قصور۔ شیطان کے آلہ، جیسا ذلیل کن خطاب دے دیا ؛

آج عیسائی یا دوسرے مذاہب والے "واحد بیوی" کے ہزار ڈھول پیٹیں

مگر ہم وہ وقت نہیں بھول سکتیں۔ جبکہ آج سے صدیوں پہلے ان سب میں کثرت ازدواج کا ناجائز طریق رائج تھا۔ بنی اسرائیل میں پانصد تک بیویاں رکھنے کا رواج رہ چکا ہے یا وری لاتعداد عورتیں اپنے انتخاب میں لاتے تھے نبیوں نبیوں نے بھی اس بارے میں کوئی حد مقرر نہ کی تھی؛ یہ "عورت" کے حقوق پر کس قدر بے جا تصرف تھا۔ مگر ماں باپ فدا ہوں اس محسن نبیؐ پر۔ کہ اس نے پہلے تمام ان حقوق سے ہمارے دامن کو بھرا۔ اور پھر خاص حالات میں "چار تک" عورتوں کی حد بندی کر دی۔ اور اس میں بھی ہر حال ہر صورت میں یکساں سلوک کی بڑی مضبوط شرط لگا دی ؛

حضرت مسیح ناصری عورت سے راز داری کی بات کہنے سے سختی کے ساتھ مانع تھے۔ اور اس طرح اس مظلوم کا رہا سہا اعتماد بھی، مٹا کر اس تذلیل کا کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا۔ مگر خاتم النبیین کی شفقتوں سے ترت کو وہ درجہ دیا کہ جس کی مثال دنیا پیش نہیں کر سکتی۔ اپنے بیوی کو حقیقی محرم راز اور اعلیٰ ترین مشیر بتلا کر اس کی پوزیشن کو نہایت بالا اور ارفع بنا دیا۔ اور یہاں تک سربلند فرمایا کہ پہلی وحی کی رازداری کی سعادت بیوی کی قسمت میں ہی آئی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ؛

دنیا بیٹی کو انتہائی تنفر کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔ اس کی پیدائش اس کے لئے سوہان روح۔ اور اس کا وجود باعث صد کلفت و عذاب سمجھا جاتا تھا۔ اور یہی نا سمجھ باپ بیٹی کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ مگر رحمۃ للعالمین کی وہ ذات تھی جس نے اس ظلم کا انسداد کیا۔ اور فرمایا۔ کون کہتا ہے کہ بیٹی کا وجود مصائب کا پیش خیمہ ہے۔ حقیقت یوں ہے۔ کہ جس نے دو لڑکیوں کی پرورش خندہ پیشانی سے کی۔ ان کی تادیب و تربیت سے کوتاہی نہ کی وہ خدا تعالیٰ کے خاص فضلوں کا وارث ہوگا ؛

ماں کی قدر سے کوئی گوش آشنا نہ تھا۔ اس کی عظیم الشان قربانیاں بچے کے دل پر بھی نقش نہ تھیں۔ بلکہ اس سے خدمت لینا ایک قسم کا اُسی پر احسان قرار دیا جاتا۔ یہ تو عوام کے احساسات تھے۔ مسیح ناصری جیسے انسان نے بھی ماں کی قدر و منزلت نہ پہچانی۔ انہوں نے بھی اپنی والدہ محترمہ کو کبھی اچھے خطاب سے یاد نہ کیا۔ مگر میں اور میری، دل و جان نثار اس پیکر احسان نبیؐ کے جس نے اپنی رضاعی "ماں" کی اس قدر عزت بڑھائی کہ اپنی چادر بچھا کر اس کے بیٹھنے کو بچھا دی۔ اور اس کی سنا مانگی خواہش یاد نہ رہی ست کو بے انتہا مسرت کے ساتھ تکمیل تک پہنچایا

حقیقی ماں کے "قدموں کے نیچے جنت" قرار دیکر اس کا مفہوم سمجھنے والی اولاد پر کس قدر بھاری فرائض کا جوا رکھ دیا۔ اور اس ماں کا جس کی زندگی نہایت یاس آفرین تھی۔ بلند و بالا مرتبہ پر پہنچا دیا۔ بہن جو باپ کی وراثت سے دودھ کی مکھی کی طرح نکال دیجاتی تھی۔ اسے حصہ دار قرار دیگئی۔ بیوی۔ جو دنیا کے تمام آلام کا نشانہ تھی۔ اُسے خوشبو اور عبادت کے دوش بدوش رتبہ عطا کر کے طبعی دلولوں کے لئے ایک مسرور کن ہدیہ*

*بیٹا گر اس کی ذات کو نوازدیا۔ عورت بیچاری کو بیوگی کے بعد دنیا نے ایک دلخراش چیز بنا رکھا تھا۔ وہ نکاح ثانی نہ کر سکتی تھی۔ اسے بیوہ رہنے پہ مجبور کیا جاتا۔ مگر ہمارے محسن نبیؐ نے اسے اس مصیبت سے بھی نجات بخشی ؛ ...

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذوقِ علم

(از جناب شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی ایڈیٹر [illegible])

(۱)

حسب معمول اللہ خاتم النبیین نمبر کے لئے ایڈیٹر صاحب الفضل نے مجھے مضمون کی تحریک کی۔ اور ۴۸ گھنٹہ کا نوٹس دیدیا۔ میں اپنی پیرانہ سالی و ارت ... کے فرائض کو ایک طرف دیکھتا ہوں۔ اور اس سعادت علمی میں حصہ لینے کی خوش بختی کو دوسری طرف۔ تو میری تھکی ہوئی ہڈیوں میں ایک قوت کی لہر دوڑ جاتی ہے اور میں محسوس کرنے لگتا ہوں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ایک قوت ہے۔ اور ہر حالت زندگی کو اپنی زندگی کے بہترین لمحات یقین کرنے لگتی۔

(۲)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا وجود آپ کی سیرۃ و شمائل کے مناظر بجائے خود ایک دنیا ہے۔ اور اس کا ہر ایک پہلو اور منظر کرشمہ دامن دل مے کشد کہ جا اینجا است کا مصداق ہے۔ میں نے اس مرتبہ پسند کیا۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذوق علم پر اپنے جذبات کا اظہار کروں۔ وباللہ التوفیق۔

(۳)

بدقسمتی سے مسلمانوں میں جب خود ذوق علم و معرفت کم ہو گیا اور وہ حقیقت سے دور جا پڑے۔ تو ان نے اُمّی لفظ کی حقیقت سے بے بہرہ ہو کر یہ سمجھ لیا۔ کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم صاحب علم نہ تھے۔ اور یہی آپ کا کمال اور اعجاز تھا۔ حالانکہ امی کے یہ معنے اور مفہوم نہ تھا۔ بلکہ ؎

اُمّی و در علم و حکمت بے نظیر ؛ زیں چہ باشد بہتر روشن ترے

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا کے معلم الکتاب والحکمۃ ہو کر آئے تھے۔ اور یہ ناممکن تھا کہ آپ علم و حکمت کے ذوق اور کمال سے دور رکھے جاتے۔ جن لوگوں نے اس قسم کا خیال کیا۔ انہوں نے نفس علم کی حقیقت کو بھی نہیں سمجھا۔ میں ان بحثوں میں نہ جا کر سرور دو عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذوق علم کو پیش کرتا ہوں وباللہ التوفیق:

(۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کامل انسانیت کا مظہر تھے اور یہ نرا دعویٰ نہیں۔ بلکہ ایک صداقت ہے۔ وہ انسانیت کے لئے ہی ایک رحمت اور مبشر تھے۔ اس لئے آپ ان علوم کو لے کر آئے تھے جو دنیا میں جوہر انسانیت کے نشوونما اور اس کی مخفی در مخفی قوتوں کے ارتقاء کے لئے ضروری اور مفید تھے۔ نبیوں کی تاریخ کو اگر ہم پڑھیں تو ہمیں صاف طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ معلم الکتاب والحکمۃ کا منصب صراحت کے ساتھ آپ ہی کو دیا گیا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کو جب ہم غور سے پڑھتے ہیں۔ تو اس کو علوم و معارف کا ایک بحر بیکراں پاتے ہیں۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم و تربیت کے متعلق خدا تعالیٰ کی وحی نے فیصلہ کیا ہے۔ کہ آپ پر پہلی وحی ہی تعلیمی تھی۔ جس کو اقرء سے شروع کیا گیا۔ اور پھر خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ کی علمی قوۃ کا اظہار اس طرح پر فرمایا۔ وعلمہ شدید القویٰ یہی وجہ ہے۔ کہ قرآن مجید کی تعلیم اور خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا وجود بجائے خود ایک طاقت اور قوۃ ہے۔ اور العلم طاقۃ ایک مسلم مسئلہ ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کے کسی انسان اور معلم سے اکتساب علوم نہیں کیا۔ اس میں ایک سر مخفی ہے۔ چونکہ آپ نوع انسان کے معلم اور ہادی و مزکی تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی تعلیمی تربیت خود فرمائی۔ اور ایسی تربیت کی کہ کائنات کے اسرار آپ پر کھول دیئے۔

(۵)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذوق علم کا اندازہ واقعات کی دنیا میں اس طرح پر ہوتا ہے۔ کہ دنیا میں آپ نے سب سے پہلے صحیح اور کامل طریق حصول علم اور استعمال علم کا پیش کیا۔ اور فطرت انسانی کے اس دبے ہوئے جذبہ کو ابھار دیا۔ کہ وہ کائنات کے نہ صرف علم کو حاصل کر سکتا ہے۔ بلکہ اس کی تخلیق کی غرض و غایت اس دنیا میں یہ ہے۔ کہ وہ کائنات کا مسخر ہو۔

پہلی وحی جو آپ پر نازل ہوئی۔ اور جس کی ابتدا اقرء کے لفظ سے ہوتی ہے۔ اور جس وحی میں بتایا گیا۔ کہ تیرا رب وہ ہے۔ جس نے آدمی کو قلم کے ذریعہ علم سکھایا۔ اور وہ علوم اس کو دیئے جو وہ جانتا نہ تھا۔ اس وحی نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قلبی کیفیت اور وسعت کو آئینہ بنا دیا۔ یہ سبق ایسے وقت اور ایسے حال میں دیا گیا جب انسان قلم کے استعمال اور علوم کی وسعت کا خیال بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اور نہ یہ بات بھی کسی کے وہم میں نہ آ سکتی تھی۔ کہ علم اور قلم خدا تعالیٰ کی ہستی اُس کی قدرت و عظمت کا سکہ بٹھانے والے ہوں گے۔ اور خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات ہی ان علوم کا ایک عالمگیر چشمہ ثابت ہو گی۔ ترقی اور اشاعت علوم کا ذریعہ آپ ہی ہوں گے۔ واقعات نے بتا دیا۔ کہ یہ ایک ناقابل تردید صداقت ہے:

(۶)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے انسان کی آنکھیں کھولیں۔ اور اسے اپنی ذات اور نفس کے علم اور بصیرۃ کی طرف توجہ دلائی۔ اور اسے بتایا۔ کہ انسان لاانتہاء قوتوں کو لے کر آیا ہے اور اس کا مقام اور مرتبہ اس کائنات میں سب سے افضل ہے۔ اس لئے اس مقام کو حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ دنیا کی تمام اشیاء جو اس کے لئے مسخر کر دی گئی ہیں۔ وہ اس علم تسخیر کو حاصل کرے۔ جو ان کی تسخیر کے لئے ضروری ہے۔ اس مقصد کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انسان کو متوجہ کیا۔ کہ حصول علم ہر کا فرض ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ حصول علم ہر مسلمان مرد اور عورت کا فرض ہے۔ اور کبھی فرمایا۔ کہ گہوارہ سے لیکر گور تک تحصیل علم میں مصروف رہو۔ اور کبھی کہا۔ کہ علم حاصل کرو۔ خواہ اس کے لئے تمہیں چین میں جانا پڑے۔ یعنے ممالک خارجہ کا سفر ضروری ہو۔ اور خود اپنی ذات کی نسبت تو خدا تعالیٰ کی سکھائی ہوئی دعا رب زدنی علما پر عمل۔ آپ کے علمی ذوق کا ایک مکمل خاکہ ہے۔

دنیا کی تاریخ تہذیب و تمدن کو پڑھو۔ تو یہ بات نمایاں نظر آئے گی۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے حصول علم کی طرف اس رنگ میں توجہ نہیں دلائی گئی۔ کہ اُسے ہر مسلم کا فریضہ مذہبی قرار دیا ہو۔ نہ صرف یہی۔ بلکہ وہ پہلی وحی جو آپ پر نازل ہوئی۔ اور جس نے انسان کے احترام و اکرام کی بشارت دی۔ اس نے اس تکریم کو علم سے وابستہ کیا۔ اور آدم اول کی فضیلت علمی کو تعلیمی رنگ میں پیش کر کے بتایا۔ کہ حکومت کے لئے علم بڑی قوۃ ہے۔

اب تہذیب و تمدن کی تاریخ کو پھر ایک نظر سے دیکھو تو صاف معلوم ہو جائے گا۔ کہ اشاعت علوم و فنون اور نشر نوشت و خواند کے لئے دنیا اسلام اور صرف اسلام کی مرہون منت ہے۔ یہ ذوق اسلام نے پیدا کیا۔ ہاں مجھے انشراح صدر کے ساتھ اعتراف ہے کہ اس ذوق علم میں ترقیات ہوئیں۔ اور اسی بنیاد پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود سے دنیا میں رکھی گئی۔ شاندار علمی قصر تیار ہوئے اور ترقیات کا لا انتہا ہی سلسلہ جاری ہے۔ مگر اس صداقت کا دنیا انکار نہیں کر سکتی۔ کہ یہ ذوق مسلمانوں نے پیدا کیا۔ یورپ کے منصفین نے شکر گزاری کے جذبات کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔

(۷)

حقیقت یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے انسان اس حقیقت سے ہی واقف نہ تھا کہ انسانی حیثیت کیا ہے؟ اور تسخیر کائنات کے لئے مختلف علوم کس طرح پیدا ہو سکتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسان کے سامنے اس کا

نہایت عظیم الشان نصب العین رکھا۔ اور اس کے لئے علوم کی طرف اسے متوجہ کیا۔ علوم کی تشریح اور کس طرح اسلام نے بطور مبادیات ان کو رائج کیا۔ یہ ایک لذیذ اور علمی داستان ہے۔ جسے کسی دوسرے وقت کے لئے چھوڑ دیتا ہوں۔ میں اب صرف خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذوق علمی کو لیتا ہوں۔

حصول علم کے لئے جو چیز سب سے بڑی روک ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ انسان زمان یا مکان کی قید میں مبتلا ہو۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذوق علمی کا کمال ملاحظہ ہو۔ کہ آپ نے اول حصول علم کے لئے کوئی خاص وقت مقرر نہیں کیا۔ بلکہ یہ کہ انسان ساری عمر حصول علم کے فرض سے غفلت نہ کرے۔ اور اسی میں مصروف رہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ گہوارہ سے گور تک علم حاصل کرو۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے۔ کہ علوم کا سلسلہ وسیع اور عالمگیر ہے۔ اس لئے تھکنا نہیں چاہیئے۔ اور انسانی زندگی کے روزمرہ کے فرائض میں یہ بات بھی داخل ہے۔ کہ انسان حصول علم میں مصروف رہے۔ اور اس کا علم روز بڑھنا چاہیئے۔ چنانچہ جس شخص کے دو دن برابر ہوں۔ اسے خسارہ میں بتایا ہے۔ اس کے علم و معرفت اس کی نیکی و سعادت میں ترقی ہونی چاہیئے۔

پھر یہ کہکر کہ علم حاصل کرو۔ خواہ چین میں ہو۔ آپ نے حدود و قیود مکانی سے آزاد کر دیا۔ اور نسلی اور مقامی تعصب کو دور کر دیا۔ پھر ایک اور لطیف بات فرمائی۔ کہ حکمت مومن کی گم گشتہ متاع ہے۔ وہ جہاں سے ملے اسے لے لینا چاہیئے۔

اصل یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک عظیم الشان مقصد وحدت انسانی اور عالمگیر اخوت کا لے کر آئے تھے۔ اس لئے آپ کی ہر تعلیم اور آپ کے ہر عمل میں یہ بات نظر آئے گی۔ کہ وہ انسان کے تخیل کو وسیع اور بلند کرتی ہے اور ہر قسم کے تعصبات سے آزاد۔

ہندوؤں کے دھرم شاستر کو دیکھیں۔ تو حصول علم کے لئے اس قدر پابندیاں ہیں۔ کہ ان کو دیکھ کر ہنسی آتی ہے۔ نہیں رونا آتا ہے۔ کہ نسل انسانی کی کس قدر توہین کی گئی ہے۔ بجز ایک قوم کے دوسروں کے لئے تعلیم کو جائز ہی نہیں رکھا گیا۔ اور خدا کی مخلوق کے ایک حصہ شودروں کے متعلق تو اتنے سخت احکام ہیں۔ کہ کوئی جابر سے جابر انسان بھی تجویز نہیں کر سکتا۔ کہ ویدوں کا ایک لفظ بھی ان کے کان میں نہ جائے۔ اگر اتفاق سے سن لیں۔ تو کانوں میں سیسہ ڈالا جائے۔ مگر مبارک ہو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہ آپ نے ہر عورت مرد کے لئے علم لازمی کر دیا۔ اور ہر جگہ اور ہر شخص سے سیکھ لینے کی آزادی بخشی۔ کیا یہ آپ کے ذوق علمی کی شان کی ایک عالمگیر جھلک نہیں ہے؟

(۸)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علمی ذوق کی کیفیت اور عظمت کا پورا پتہ اس وقت لگتا ہے۔ جب ہم ان حالات اور واقعات پر غور کریں۔ جو آپ کے گرد و پیش تھے۔ ہندوؤں کے متعلق میں نے بتایا ہے۔ کہ ان کے ہاں تو حصول علم کا اجارہ پروہتوں اور برہمنوں کو دے دیا گیا تھا۔ عیسائیوں میں بھی اسی قسم کے خیال تھے۔ علم کے ساتھ اسقدر دشمنی کی جاتی تھی۔ کہ یہ کہا گیا تھا۔ کہ سائنس دان اور علمی ذوق رکھنے والے لوگ سیدھے جہنم کو جائیں گے۔ نہ صرف یہی۔ بلکہ ایسے لوگوں کی خطرناک مخالفت کی جاتی۔ اور انہیں بیدین کافر ملحد کہا جاتا۔

عیسائی تہذیب کی تاریخ بتاتی ہے کہ وہ علوم و فنون کی دشمن اور برباد کرنے والی آگ تھی۔ یہ سب کچھ کیوں؟ یہ لوگ علم کی قوۃ اور وسعت سے ڈرتے تھے۔ انکو خطرہ تھا۔ کہ ان کی عظمت خاک میں مل جائیگی۔ لیکن برخلاف اس کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جلال اور شان آپ کی قوت و عظمت اسیقدر نمایاں نظر آتی ہے۔ جسقدر علوم پھیلیں۔ اس لئے کہ قرآن مجید نے انسانی نفس کے اندر جو قابلیتیں اور کمال رکھے ہیں۔ ان کا ظہور اشاعت علوم سے وابستہ ہے۔ مثلاً جس قدر انسان نفسیات کا مطالعہ کریگا۔ اور وہ انسانی جذبات اور حسیات کی حقیقت سے واقف ہوگا۔ اسیقدر اس کی اخلاقی قوتوں اور ان کے نشو و نما کے متعلق جو تعلیم قرآن مجید نے دی۔ وہی عظیم الشان نظر آئیگی۔ اور اس میں ایک عملی روح پیدا ہوگی۔ علاوہ بریں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم انسان کو ایک ایسے مقصد کی طرف لے جاتے ہیں۔ کہ جہاں شخصیتیں فنا ہو جاتی ہیں۔ اور عظمت انسانی کا مدار اس حقیقت پر آ جاتا ہے۔ جو قرآن کریم نے بتائی ہے جس کو باقیات الصالحات کہا گیا ہے۔ انسانی شخصیت کی عظمت اس کی ہستی کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن اسکی تعلیم اس کے لفظ اور کام اس کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں۔ اور اس کی تعلیم تاریخ اور آئندہ نسلوں پر ایک خارق عادت اثر پیدا کرتی ہے۔ اور پھر وہ اس کی شخصیت کو بھی نمایاں اور ممتاز رکھتی ہے۔ اسی حیثیت سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو مقام حاصل ہے۔ وہ تمام شخصیتوں سے بالاتر ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ آپ ہی کامل انسانیت کے واحد مظہر ہیں۔

(۹)

میں نے کہا ہے۔ کہ جن لوگوں نے ہندو ہوں یا عیسائی یا دوسرے مذاہب کے لوگ علم پر قیود، اور پابندیاں عاید کیں۔ انہیں وسعت علم سے ایک خوف لاحق تھا۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ انسان کو تسخیر کائنات کا گر سکھلانے آئے تھے۔ اس لئے آپ نے اس کے نشر و اشاعت میں کسی خوف کو سامنے نہیں آنے دیا۔ آپ یہ جانتے تھے۔ کہ علم ایک قوت ہے۔ آپ یہ بھی سمجھتے تھے۔ کہ اس قوت کا ناجائز استعمال دنیا میں ہلاکت اور مصیبت پیدا کر سکتا ہے۔ جیسا کہ جنگ عمومی میں ہوا۔ مگر باوجود اس کے آپ علم کی برکات کے اثر کو زیادہ قوی اور مستقل یقین کرتے تھے۔ آپ کے ذوق علم کا پتہ آپ کی ان تعلیمات سے لگتا ہے۔ جو آپ نے حصول علم کے لئے دیں۔

مثلاً فرمایا۔ کہ جو شخص حصول علم میں لگ جاتا ہے۔ وہ مرتا نہیں ایک انسان کی زندگی دنیا میں بہت مختصر ہے۔ مگر اس کا علم اس کے پیچھے زندہ رہتا ہے۔ غور کرو۔ ان ارشادات پر کہ حیات اور موت کے راز کو آشکار کر دیا ہے۔ اور انسان کو دائمی اور غیر فانی زندگی کی حقیقت سے آشنا کر دیا۔

میں نے کہا ہے۔ کہ حضور علیہ السلام جانتے تھے۔ کہ وسعت علم کے بُرے اثرات بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ مگر آپ نے اس کا علاج بھی بتا دیا۔ جہاں حصول علم کی تحریک اور تشویق آپ نے فرمائی۔ بدترین عالموں کے خطرات سے اور ان کے بد انجام سے بھی آگاہ فرمایا۔ چنانچہ فرمایا برا عالم بدترین انسان ہے۔ اور نیک عالم سب سے بہتر۔ اور علماء سوء کے نشانات اور حالات سے بھی واقف کر دیا۔ غرض یہ حقیقت ہے۔ کہ آپ علم کے استعمال بد سے بھی واقف تھے۔ مگر باوجود اس کے علمی برکات اور ذوق کے جذبات کو آپ کم نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اور اسکی بداستعمالی سے ڈر کر دنیا کو اسکے مفاد سے محروم رکھنا بہت بڑا ظلم یقین کرتے تھے۔

آپ نے ذوق علم اور ذوق نشر علوم پیدا کرنے کے لئے فرمایا۔ کہ علم کی باتوں کو سننا اور دوسروں کے ذہن نشین کرنا مجاہدات سے بڑھکر ہے اس میں آپ نے حصول علم اور نشر علوم دونوں کو اکٹھا کر دیا ہے۔ غرض میں جس قدر ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں دیکھتے ہیں۔ اور آپ کی تعلیمات اور ارشادات کو پڑھتے ہیں یہ صداقت نمایاں ہوتی جاتی ہے۔ کہ آپ ایک غیر فانی اور عالمگیر ذوق علم لیکر آئے تھے۔ اور آپ کے وجود کے ساتھ دنیا میں علوم و حقایق کا ایک ختم نہ ہونے والا چشمہ جاری ہو گیا۔ میں ایک عقیدہ کے طور پر نہیں۔ بلکہ ایک ذوق سلیم اور صحیح تجربہ اور بصیرت کی بناء پر کہتا ہوں۔ کہ علوم و فنون اور اکتشافات جدیدہ کی تاریخ کو پڑھو اور حضور سے پہلے کے عہد تہذیب و تمدن کی تاریخ کو پڑھو۔ تو صاف معلوم ہو جائے گا۔ کہ دنیا کی ترقیات اور علوم کے اکتشافات کا عہد آپ کے زمانے سے شروع ہوتا ہے۔ حضور نے علوم صحیحہ کا ایک ایسا دروازہ دنیا کے سامنے کھول دیا۔ کہ وہ اب بند نہیں ہو سکتا۔ اور اس کی ابتداء خود انسانی معرفت سے شروع فرمائی۔ اور دنیا کی تمام اشیاء کو انسانی خادم قرار دیکر اور کائنات پر اس کی حکومت کا اقرار کر کے اسکی امید اور امنگ کو وسیع کر دیا۔ اور آپ رب زدنی علما کی دعا پر عمل کر کے بتا دیا۔ کہ ہر روز انسان کا علم و معرفت زیادہ ہو۔ اور وہ اسی تگ و دو میں لگا رہے۔ کہ سچے علوم کا وارث ہو۔

اگر وقت اجازت دیتا۔ اور ہم ۲ گھنٹہ کا نوٹس نہ ہوتا۔ تو میں حضور کے ذوق علمی کی مختلف شانوں پر بحث کرتا۔ میں یہ بھی ایک لذیذ بصیرت سے کہتا ہوں۔ کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود اور اس کا مطالعہ بجائے خود ایک علوم کا چشمہ ہے۔ میں خود محسوس کرتا ہوں۔ کہ جب آپکی سیرت کے کسی پہلو پر غور کرتا ہوں۔ اور قلم اٹھاتا ہوں۔ تو ایک ہجوم مضامین کا ہونے لگتا ہے۔ اور میں اسے ایک معجزہ حضور کا یقین کرتا ہوں: اللھم صل علی محمد و علی آل محمد و بارک وسلم

دنیا میں عورت کی عزت قائم کرنیوالا محسنِ اعظم

(از محترمہ فضل النساء بیگم صاحبہ جوہی۔ علاقہ سندھ)

جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے۔ اللہ تعالےٰ کی سنت کے مطابق ہزارہا نبی اصلاح خلق کے لئے مبعوث ہوئے۔ حضرت موسےٰ حضرت عیسےٰ حضرت رام حضرت کرشن حضرت بدھ و حضرت زرتشت علیہم السلام کے علاوہ سینکڑوں نامعلوم بالیڈر فلاح ملت و اصلاح قوم کے فرائض ادا کر گئے۔ چنانچہ آجتک جبکہ ان کو اس دنیا سے گزرے۔ ہزارہا سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ زمانہ ان کے نام کے گیت گاتا۔ اور ان کے نقش قدم پر چلنا اپنے لئے فلاح دارین کا موجب خیال کرتا ہے۔ گو ان معزز ہستیوں نے اپنے وقت کے مطابق انسانوں کو بڑی بڑی غلطیوں سے آگاہ کیا۔ اور زمانہ میں اعلےٰ سے اعلےٰ اصلاحات نافذ کیں۔ لیکن مظلوم طبقۂ نسواں کی عزت و احترام کا جذبہ انسانی دلوں میں پیدا کرنے کی طرف کسی کو بھی توجہ نہ ہوئی۔ اگر ہوئی تو مظلوموں کے حامی بےکسوں کے دادرس ہمارے محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہوئی۔ جہاں وہ زمانہ کے لئے شفیع المذنبین بنکر آئے۔ وہاں صنف ضعیف کے حق میں بھی رحمت ثابت ہوئے۔

اسلام سے قبل عورت کی حالت

آپ نے اس بات کو کہ قوموں کی ترقی کا اصلی راز عورت کی ترقی میں مضمر ہے۔ اس وقت پیش کیا۔ جبکہ دانایانِ فرنگ عورت کو ذریت شیطان جانتے اور اسے سانپ اور بچھو کی زہر سے بھی زیادہ مہلک سمجھتے تھے۔ عیسائی عورت اپنی جائداد کی نہ مالک ہو سکتی تھی۔ نہ کوئی معاہدہ کر سکتی تھی۔ چونکہ وہ خدا کے قرب سے دور رکھنے والی ہستی سمجھی جاتی تھی۔ لہذا اس کی کوئی وقعت عیسائیوں کے دلوں میں نہ تھی۔ روم و یونان کے اس تہذیب کے زمانہ میں جبکہ شہرۂ آفاق تھی۔ ایک رومی خاوند اپنی عورت پر ایک جابر حاکم کی طرح حکومت کرتا۔ اور اس کو صرف افزائش نسل کا ذریعہ سمجھتا تھا۔ یونانی بھی عورت کی وقعت کے قائل نہ تھے۔ اور انسانوں کے اس طبقہ کو علم و فضل سے محروم رکھا جاتا تھا۔ یہ لوگ عورتوں کو جائداد منقولہ کا مال مسروقہ تصور کرتے تھے۔ اور اپنی عورت کو عاریتاً دوسرے کو دے دینا خاوند کے اختیار میں ہوتا تھا۔ ہندوستان میں بھی عورت کو گیان کے رستہ میں روک سمجھا جاتا۔ اور عورت کا خاوند کی وفات پر اس کے ساتھ ہی زندہ جل جانا معیار شرافت قرار دیا جاتا۔ یا بیواؤں کو زندہ درگور کر کے رکھتے خود عرب بھی عورت کی تحقیر و تذلیل میں کسی قوم سے کم نہ تھے یہ لوگ عورتوں سے علی الاعلان بدکاری کراتے۔ اور اس آمدنی کو اپنا جائز حق تصور کرتے۔ باپ کے مرنے کے بعد بھیڑ بکریوں کے گلوں کی طرح ان کی عورتیں بھی بیٹے آپس میں بانٹ لیتے۔

اسلام میں عورت کی وقعت کے متعلق غیر مسلموں کی آراء

ان حالات کو دیکھتے ہوئے اس ہی خواہ نسواں نے عورتوں کو قعرِ مذلت سے نکالکر بامِ عروج پر پہنچانے کا تہیہ کیا۔ اور اس کو حد کمال تک پہنچا دیا۔ میرا یہ دعویٰ بلا دلیل نہیں۔ نہ میں کسی خوش اعتقادی کی بنا پر لکھ رہی ہوں۔ بلکہ وہ حقیقت ہے جس کی تائید میں صدہا غیرادیان کے مورخوں کی راؤں میں سے چند ایک بطور شہادت پیش کرتی ہوں۔

فرانس کے مشہور مورخ اور علم النفس کے ماہر موسیو لیبان لکھتے ہیں۔

"اسلام ہی وہ پہلا مذہب ہے جس نے عورت کی حالت کو درست کیا۔ اور اسلام سے پہلے دنیا میں عورت کی حالت نہایت بدتر تھی۔ تمدن اسلام میں عورت کو مساوات کا درجہ دیا گیا تھا۔ چنانچہ ہمیشہ ہی مشرقی عورت مغربی عورت سے تعلیم و تربیت میں فائق رہی"

ڈاکٹر ہیلی اپنی کتاب تاریخ سپین میں لکھتے ہیں۔

"عیسائیوں نے سپاہیانہ اخلاق میں عورت کے احترام کا جزو ہسپانیہ کے مسلمانوں سے سیکھا۔ یہاں تک کہ میدان کارزار میں ادنےٰ سپاہی بھی معمولی عورت کے ساتھ عزت سے پیش آتا تھا۔ اور مرد اپنی عورت کے ساتھ نہایت ہی اخلاق والطاف سے پیش آتا۔ اور ماں کی تعظیم تو پرستش کی حد تک ہوتی تھی"

عورت کے متعلق بانیٔ اسلام کی اصلاحات

ان کے علاوہ پروفیسر اسکاٹ موسیو دے اور ہنری ڈیس جیسے اعلیٰ پایہ کے مدبران فرنگ کی نہایت قیمتی آراء کو بخوف طوالت نظرانداز کرتی ہوں۔ اور رسول اللہ کی ان اصلاحات کی طرف متوجہ ہوتی ہوں جنہوں نے کہ عورت کو ایسی تحقیر و تذلیل کی حالت سے اٹھا کر اس طرح مقام عزت پر پہنچایا۔ اس پیشوائے حقیقی نے عورت کے بارے میں تین قسم کی اصلاحات نافذ فرمائیں۔ اول معاشرتی جن میں مردوں کو آگاہ کیا کہ ہمیشہ عورت کے ساتھ عمدہ سلوک سے پیش آؤ۔ دوم تمدنی اصلاحات جن میں عورت کے اختیارات کو وسیع کیا۔ سوم روحانی اصلاحات جن میں عورت کو اپنی نفسانی اصلاح اور اپنی عزت کو قائم رکھنے کے گر سکھائے۔

معاشرتی اصلاحات

معاشرتی اصلاحات میں فرمایا۔ اے لوگو جس طرح تمہارے حقوق تمہاری عورتوں پر ہیں۔ اسی طرح تمہاری عورتوں کے حقوق بھی تم پر ہیں۔ ان کی پوری پوری نگہداشت کرو۔ ان کے اخراجات کے کفیل رہو۔ ان کی جائز خواہشات کو ہمیشہ پورا کرتے رہو۔ جب باہر جاؤ۔ تو ان کے لئے تحفے لے کر آؤ۔ جیسا خود کھاؤ اور پہنو ویسا ان کو کھلاؤ۔ اور پہناؤ۔ تم ہزار نیک اور اکمل شریف بنو۔ لیکن اصلی شریف وہی ہے۔ جس کا سلوک اپنی بیوی کے ساتھ شریفانہ ہو۔

ان ارشادات کی تائید میں اپنی عورتوں کے ساتھ معاشرت بالمعروف کا وہ قابل تقلید نمونہ پیش فرمایا۔ جس کی دنیا مثال بتانے سے قاصر ہے۔ یہاں تک کہ اپنی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد بھی ان کی سہیلیوں اور عزیزوں کو تحفے تحائف بھیجتے اور احسان سے پیش آتے۔ ماؤں کے بارے میں فرمایا۔ تمہارا بہشت اور راہ نجات ماؤں کی اطاعت و خدمت میں ہے۔

تمدنی اصلاحات

تمدن میں عورت کو وہی حقوق عطا کئے۔ جو مرد کو حاصل ہیں۔ وراثت میں اپنے باپ بیٹے اور خاوند کے مال کی حقدار بنایا۔ عورت کو اپنے مال کا مالک قرار دیا۔ وہ ہر قسم کا معاہدہ کر سکتی ہے ہبہ کر سکتی ہے۔ بیع و شرا کے وہی اختیارات عورت کو بھی حاصل ہیں۔ جو مرد کو۔ اس بارہ میں عورت کے اختیارات کو یہاں تک بڑھایا۔ کہ وہ اپنے اموال خود رکھ سکتی ہے۔ اور بذریعہ تجارت بڑھا بھی سکتی ہے۔

روحانی اصلاحات

روحانیت کے بارے میں فرمایا۔ اے عورتو تمہاری روح کا بھی خدا تعالےٰ کے ساتھ ایسا ہی تعلق ہے۔ جیسا کہ مرد کی روح کا۔ ایک مومن عورت اعمال صالحہ کی پابندی سے اسی طرح مقرب بارگاہِ الٰہی ہو سکتی ہے جس طرح کہ ایک مومن مرد۔ ایک متقی عورت خدا کے نزدیک اسی درجہ کی مستحق ہو سکتی ہے جیسا کہ ایک متقی مرد ہو سکتا ہے۔ پس قرب الٰہی حاصل کرنے کے لئے تم پر بھی علم حاصل کرنا ایسا ہی فرض کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ مردوں پر

تم پر لازم ہے۔ کہ جہالت کی تاریکی سے نکلو۔ اور اپنے دل و دماغ کو علمی روشنی سے منور کرو۔ مردوں سے فرمایا۔ اے لوگو تم اپنے اہل و عیال کے لئے مثل ایک چرواہے کے ہو۔ اور تم سے اس بارے میں پوچھا جائیگا۔ باپوں کو بیٹیوں کی تعلیم و تربیت کی طرف یوں متوجہ کیا۔ کہ جس کی دو لڑکیاں ہوں اور وہ ان کی تعلیم و تربیت پر اسی طرح خرچ کرے جس طرح بیٹوں پر کرتا ہے۔ تو وہ بہت بڑے اجر کا مستحق ہوگا۔ اور اپنی بیٹی فاطمۃ الزہرا رضی کے متعلق تعلیم و تربیت اور شفقت و محبت کا ایک قابل تقلید نمونہ پیش فرمایا۔

اسلام نے عورت کو کیا بنا دیا

پس اس روحانی باپ نے عورت کی عزت قائم کرنے کے لئے اسے روحانی ترقی کی طرف توجہ دلائی۔ اور اپنی ذات میں ایسی صفات پیدا کرنے کی تاکید فرمائی۔ جن سے وہ خود اپنی باعزت پوزیشن برقرار رکھ سکے۔ چنانچہ اس زمانہ کی مستورات نے اس غمخوار حقیقی کے احکام پر پورے طور سے عملدرآمد کیا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں اپنے اندر ایسا بے مثال تغیر پیدا کر لیا۔ جس نے دنیا کو محو حیرت بنا دیا۔ وہی عورت جو دنیا میں حقیر و ذلیل خیال کی جاتی تھی۔ دنیا کی نظروں میں معزز و محترم ہو گئی۔ وہی عورت جسے زمانہ نے ناقص العقل کا خطاب دے رکھا تھا۔ جس کی ہستی حیوانات سے بھی ادنےٰ مانی جاتی تھی۔ جس کے دل دماغ کو عقل و حکمت کی نعمت سے پیدائشی کورا خیال کیا جاتا تھا تھوڑے عرصہ میں اسے یہ درجہ حاصل ہو گیا۔ کہ علامہ سیوطی اور خطیب بغدادی جیسے نامور علماء نے بعض عورتوں کی شاگردی پر قابل افتخار سمجھا۔ اور مسلمان عورت کے علم و کمال کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بجنے لگا۔ آج آپ دنیائے اسلام کی کسی ہسٹری کو اٹھا کر دیکھیں۔ چاہے وہ عراق و شام کی ہو۔ یا مصر و سپین کی سمرقند و بخارا کی ہو۔ یا ایران و ہندوستان کی ہزارہا ایسی صاحب فضل و کمال عورتوں کے تذکرے موجود ہوں گے۔ اور جب تک دنیا قائم ہے ان متبرک ہستیوں کے نام تاریخ عالم میں مثل ستاروں کے درخشندہ نظر آئیں گے۔

موجودہ زمانہ کی مسلمان عورت

لیکن ہر کمالے را زوالے کے ماتحت آخر مسلمان ساری دنیا میں اپنی شوکت و صولت کا ڈنکا بجانے کے بعد انقلاب زمانہ کی نظر ہونے لگے۔ فتح و اقبال کی جگہ ذلت و ادبار نے لے لی۔ تمام بڑی بڑی سلطنتیں اور حکومتیں یکے بعد دیگرے ہاتھوں سے نکل گئیں۔ ہر چہار طرف تثلیث توحید پر غلبہ پانے لگی۔ مسلمانی رعب و داب۔ عزت و حکومت آپس کی خانہ جنگیوں اور عاقبت نااندیشیوں کی نظر ہو گئی۔ اور یکے بعد دیگرے وہ اخلاق حسنہ اور فضائل فاضلہ جو مسلمانوں کے امتیازی جوہر تھے۔ ان سے رخصت ہو گئے۔ اور اپنے ہادی کی باتوں کو بھول گئے۔ جب مردوں کی یہ حالت ہو گئی۔ تو عورت اس ذلت سے کب باہر رہ سکتی تھی۔ چنانچہ مسلمان عورتیں پھر اسی جہالت کے بحر ذخار میں غوطے کھانے لگیں جس میں سے اس مصلح اعظم نے اس کو نکالا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان نہایت ذلیل و تباہ ہو گئے۔ خدا تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے۔ کہ اس نے اس زمانہ میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک خاص فدائی اور اسلام کے پہلوان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا۔ اور آپ نے پھر مسلمانوں کو عورت کی حقیقی عزت کی طرف توجہ دلائی۔ اور آپ کی جماعت مسلمانوں کی اصلاح کے بارے میں اس پہلو سے بھی بہت بہ خوبی سرانجام دے رہی ہے لیکن جب تک مسلمان عورتیں خود بیدار نہ ہوں۔ جلد ان کی عزت اور وقار قائم نہیں ہو سکتا۔

پس اے میری معزز بہنو! غفلت و جہالت کی چادر کو پھاڑ کر پھینک دو۔ نبی برحق کی تعلیم پر عمل کر کے اپنی اصلاح میں لگ جاؤ۔ اور پھر ایک دفعہ وہی مقدس تبدیلی کر کے دکھاؤ۔ جو کہ قرنِ اول کی خواتین نے دکھائی تھی ؎

اٹھو دگرنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی
دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

شانِ احمدؐ

(از جناب ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب مبلغ انگلینڈ و امریکہ۔ قادیان)

شانِ احمدؐ را کہ داند جز خداوند کریم
آنچناں از خود جدا شد کز میاں افتاد میم

جو پُر جلال عظمت اور رعب دار شان وحی قرآنی کی ہے وہ کسی دوسری مقدس کتاب میں دکھائی نہیں دیتی۔ یہ مقدس کلام ایک پرہیبت لشکر کی طرح بڑے ساز و سامان اور نہایت قوت و وقار کے ساتھ اس طرح نازل ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے کہ ایک دم میں بداندیش باغیوں کو ہلاک و تباہ کر کے فضائے ارض کو خس و خاشاک کی آلودگی سے پاک و صاف کر دیگا۔ اس پُر زور کلام کی قوت طاقت اور وزن ایسا نہ تھا۔ کہ ہر ایک نبی اس کی برداشت کر سکتا۔ اس واسطے اس خاص کلام کو اس خاص نبی کے واسطے مخصوص کیا گیا۔ اور محفوظ رکھا گیا۔ جو اپنے عالی شاندار کارہائے نمایاں کے ساتھ حضرت باری عز اسمہٗ کی طرف سے تمام انبیاء کا سردار اور خاتم نامزد ہوا۔ اور انبیاء سابقین کو یہ عزت و فخر حاصل ہوا۔ کہ وہ اس کی آمد کی خوشخبری کے ساتھ عالم کی روحانیت کی زندگی کو تازگی اور فرحت بخشتے رہیں۔ اور متاخرین کو یہ امتیاز بخشا گیا۔ کہ وہ اس کی اتباع و خدمت میں معجزنمائی اور خوارق کا مظاہرہ قیامت تک کرتے رہیں۔ پہلوں اور پچھلوں سب کے لئے وہ رحمت و برکت کا موجب بنا۔ اور اسواسطے رحمۃ للعالمین کا لقب اسی کے واسطے زیبا ہے۔ اس کلام پاک رحمٰن کے جلال اور شان کی طرف جب انسان نگاہ کرتا ہے۔ تو بے اختیار اس کی توجہ اس طرف مائل ہوتی ہے۔ کہ وہ کیا دل اور کیا سینہ تھا۔ جو اتنی بڑی قوت کا حامل ہوا ؎

گرچہ منسوبم کند کس سوئے الحاد و ضلال
چوں دلِ احمدؐ نمی بینم دگر عرشِ عظیم

حضرت سید المشتاق حق صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود باجود نسل انسانی کے عزت و احترام کو اعلےٰ سے اعلےٰ درجہ اور بلند سے بلند مقام پر پہنچانے والا ہوا۔ اور اس شان کا ایک ظہور اس پاک کلام کے نزول میں ہے۔ جو فرقان حمید اور قرآن مجید کے نام سے مشہور ہے۔ یہ آپ ہی کی قوت۔ طاقت اور تحمل تھا۔ جو ایسی عالی کلام کے نزول کے بوجھ کو برداشت کر سکا۔ قرآن شریف کا ایک ایک لفظ علوم کا ذخیرہ اور معارف روحانیہ کا دریا ہے۔ اور اس کا عملی پہلو حضرت سرور عالم کی زندگی کے حسن اخلاق و اعمال میں ظاہر ہو رہا ہے۔ بلکہ ہر زمانہ میں آپ کے غلام اور خدام اسی نمونہ کے طفیل [illegible] کو عبور کرتے ہوئے اپنے خالق و مالک حقیقی تک جا پہنچتے ہیں۔*

*دردمندوں کی ہے دوا وہی ایک ؎ ہے خدائے خدانما وہی ایک

یہی وہ خدا کا پیارا ہے۔ جس کے حق میں توریت میں یہ گیت گایا گیا کہ اے اسرائیل کی بیٹیو میرا پیارا یہی ہے۔ جو دس ہزار قدوسیوں کا سردار محمدؐ نام ہے۔ اسی کے متعلق پہلے انبیاء کو خبر دی گئی۔ کہ میں اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ سچ وہ خدا کا کونسا کلام ہے۔ جو اپنے اصل الفاظ میں تیرہ سو سال سے موجود چلا آتا ہے۔ اور اللہ اسکی حفاظت کر رہا ہے۔ تراجم اور ترجمہ کرنیوالوں کے خیالات ہیں اصل کتاب صرف قرآن پاک ہی ہے۔ جو اس مقدس منزہ تجلی اور ایسے پاک قلب پر نازل ہوئی۔ کہ آج تک کسی کو اس میں تغیر و تبدل کی توفیق نہیں ہوئی۔ اور اس پر عمل کرنے والے اس کے طفیل ولی۔ قطب۔ غوث اور نبی بن گئے۔ اعلیٰ سے اعلےٰ مقامات پر پہنچے۔ پھر بھی حضرت خاتم النبیین کے غلام اور خادم ہی رہے۔

حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کو دراصل وہی لوگ سمجھتے ہیں۔ جو اس کوچہ عرفان میں قدم مارنے والے ہیں۔ جس قدر کوئی آگے بڑھتا ہے۔ اور قریب ہوتا ہے۔ اسی قدر اس پر شانِ احمدؐ کا جلال و جمال روشن ہوتا ہے۔ اسی واسطے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ؎

آں مقام و آں رہِ خاصش کہ برمن شد عیاں
گفتمے گر دیدمے طبعے دریں راہِ سلیم

رحمۃ للعالمین کی آغوش شفقت
خطرناک سے خطرناک دُشمنوں کیلئے بھی کھُلی تھی

رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جس طرح انسانی زندگی کے دوسرے پہلوؤں میں دُنیا کے لئے مکمل نمونہ اور بے نظیر راہ نما تھے۔ اسی طرح دُشمنوں کے متعلق بھی آپ کا سلوک اور طریق عمل نہایت ہی اعلےٰ اور بے مثال تھا۔

انبیاء سابقین

خدا تعالےٰ نے اپنی مخلوق کی راہ نمائی اور ہدایت کے لئے جو انبیاء اور رسل مبعوث فرمائے۔ اور جنہیں اپنے اپنے زمانہ کے لوگوں کے لئے مکمل نمونہ بنا کر بھیجا۔ ان میں سے بعض تو ایسے تھے۔ جنہیں دُنیوی شوکت اور عظمت کے حصول کی فرصت ہی نہ پیش آئی۔ اور انہوں نے اپنی ساری زندگی مخلوق خدا کی روحانی اصلاح اور تربیت میں صرف کر دی۔ اور بعض ایسے تھے۔ جنہیں دُنیا کا غلبہ اور اقتدار دور دورہ میں حاصل ہوا۔

رسول کریم کا غلبہ

لیکن رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے ایسی حالت میں مبعوث فرمایا۔ جو کہ نہایت ہی کمزور اور مصائب اور مشکلات سے پُر تھی۔ لیکن پھر ایک قلیل عرصہ میں ایسی شان و شوکت اور ایسا جاہ و جلال عطا کیا۔ جس کی نظیر اور کسی نبی کی زندگی میں قطعاً نہیں پائی گئی۔

خون کے پیاسے دشمنوں پر غلبہ

پھر لطف یہ کہ ایسا بے نظیر غلبہ اور اقتدار انہی لوگوں پر عطا کیا۔ جنہوں نے آپ کے خلاف دشمنی اور عداوت کو انتہا تک پہونچا دیا۔ اور اپنی طرف سے ایذا رسانی، تکلیف دہی اور فتنہ پردازی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا تھا۔ ایسی حالت میں ایسے لوگوں کے ساتھ جنہوں نے سالہا سال انسانیت سے نہایت ہی گرا ہوا طریق عمل اختیار کئے رکھا۔ اور اس پر اس وقت تک کاربند رہے۔ جب تک ان کی تمام طاقتیں سلب نہ کر لی گئیں۔ جنہوں نے آپ کے ساتھیوں کا بے دریغ خون بہانا اپنا فرض سمجھا۔ جنہوں نے مسلمان عورتوں کو نہایت ہی شرمناک طریق سے ہلاک کرنا مباح قرار دے لیا۔ جنہوں نے آپ کو اور آپ کے جان نثاروں کو وطن سے بے وطن ہونے پر مجبور کیا۔ اور جنہوں نے غریب الوطنی میں بھی چین نہ لینے دیا۔ بلکہ بار بار چڑھ چڑھ آئے۔ جو کچھ بھی کیا جاتا۔ وہ جائز تھا اور جس طرح بھی انہیں کیفر کردار تک پہونچایا جاتا۔ اس پر کوئی حرف نہیں آسکتا تھا۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے متعلق بھی شفقت اور نوازش کا وُہ نمونہ پیش فرمایا جس پر ساری دنیا حیران ہے۔ اور جس سے بڑھ کر دشمنوں سے حسن سلوک کی مثال مادر گیتی نے نہ آج تک کبھی دیکھی۔ اور نہ آئندہ دیکھ سکتی ہے۔

بے مثال عفو و درگزر

غرض رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دُشمنوں کے ساتھ اور ان دشمنوں کے ساتھ جنہوں نے اپنی دُشمنی اور عداوت کو انتہا تک پہونچا دیا۔ جنہوں نے اپنا سارا زور۔ اپنی ساری طاقت آپ کے خلاف صرف کر دی۔ جنہوں نے آپ کی جان لینے کے بارہا منصوبے کئے۔ جنہوں نے آپ کے راستہ میں روڑے اٹکانے میں عمریں صرف کر دیں۔ جو سلوک کیا۔ وُہ اسی طرح بے مثل ہے۔ جس طرح آپ کی زندگی کے دوسرے پہلو بے مثل ہیں۔ اور اس سے آپ کی وُہ شان و عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ جو صرف آپ ہی کی ذات والاصفات کے لئے مخصوص ہے۔ اس کی تشریح اور توضیح میں ذیل میں چند واقعات پیش کئے جاتے ہیں۔ جن سے ثابت ہے۔ کہ صفحۂ عالم پر نہ تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا کامل انسان کوئی گزرا۔ اور نہ اپنے دشمنوں اور اپنے خون کے پیاسوں کے ساتھ رحم و شفقت کا ایسا سلوک کر سکا۔ جیسا آپ نے کیا۔

قریشِ مکہ سے حسن سلوک

کون نہیں جانتا۔ جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا تعالیٰ کے حکم سے دُنیا کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ اور لوگوں کو قسم قسم کی بدیوں اور بدکاریوں سے بچا کر انسانیت کے اصل مقام پر کھڑا کرنا چاہا۔ تو قریش مکہ آپ کے سخت مخالف بلکہ جان کے درپے ہو گئے۔ چونکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یتیمی کی حالت میں پرورش پائی تھی۔ کوئی آپ کا حامی نہ تھا۔ کسی قسم کی دنیوی طاقت آپ کو حاصل نہ تھی۔ غربت اور افلاس کا دور دورہ تھا۔ اس لئے مکہ کے لوگوں نے آپ کو طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں دینی شروع کر دیں۔ راہ چلتے تو بدباطن اور کمینہ خصلت لوگ آپ پر آوازے کستے۔ راستہ میں کانٹے بچھا دیتے۔ ایک دفعہ بحالت نماز سجدہ میں اونٹ کی غلاظت بھری اوجھڑی پشت مبارک پر رکھ دی۔ آپ قرآن کریم کی تلاوت فرماتے۔ تو جمع ہو کر شور مچاتے۔ آپ کے رفقاء کو بے حد تکالیف پہونچاتے۔ حتیٰ کہ سب لوگوں نے آپ کا اور آپ کی وجہ سے آپ کے قبیلہ کا مکمل بائیکاٹ کر دیا۔ اور پورے تین سال شعب ابی طالب میں آپ کو اور آپ کے خاندان کو اس طرح محصور کئے رکھا۔ کہ کھانے پینے کی کوئی چیز نہ پہونچنے دیتے۔ ایک صحابی کا بیان ہے۔ کہ ہم چونکہ درختوں کے پتے کھا کھا کر گزارہ کرتے اس لئے پاخانہ اس طرح آتا۔ جس طرح بھیڑ بکریوں کی مینگنیاں ہوتی ہیں۔ چھوٹے بچے بھوک اور پیاس سے تلملاتے۔ مرد اور عورتیں فاقہ کشی سے بے حال ہو گئے۔ مگر اہل مکہ پر کوئی اثر نہ ہو اور وُہ مقاطعہ ترک کرنے پر قطعاً آمادہ نہ ہوتے۔ لیکن جن لوگوں نے آپ کے ساتھ ایسا بے رحمانہ سلوک کیا تھا۔ وُہ جب خود قحط کی مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور ان کی حالت یہاں تک پہونچ جاتی ہے کہ مردار جانوروں کی ہڈیاں تک کھانی شروع کر دیتے ہیں۔ تو انہی میں کا ایک سردار ابن حرب جو آپ کی ایذا رسانی اور تکلیف دہی میں کسی سے پیچھے نہ تھا۔ اہل مکہ کی طرف سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ اور اپنا تعارف اس طرح کرانے کے بعد کہ میں آپ کا جانی دشمن ہوں۔ اور آپ بھی میری مخالفانہ سرگرمیوں سے ناواقف نہیں۔ جب یہ کہتا ہے۔ کہ آپ تو لوگوں کو صلہ رحمی اور حسن سلوک کی تعلیم دیا کرتے ہیں۔ دیکھئے۔ آپ کی قوم قحط کی وجہ سے ہلاک ہو رہی ہے۔ خدا سے دُعا کیجئے۔ کہ یہ مصیبت دُور ہو۔ تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بحر سخا فوراً جوش میں آ جاتا ہے۔ اور آپ دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ دعا بارگاہ ایزدی سے شرف قبولیت حاصل کرتی ہے۔ خوب بارش برستی ہے کھیتیاں سیراب ہو جاتی ہیں۔ اور قحط کی بلا ٹل جاتی ہے۔

ذرا اس مجسمۂ رحم و کرم کی شان دیکھئے۔ کہ ان لوگوں کو جو اس وقت مصیبت سے مخلصی پانے کے لئے آپ کی قوم بن رہے تھے۔ مگر در اصل ساری دُنیا سے بڑھ کر آپ کے دشمن تھے۔ اور ہر رنگ میں انتہائی طور پر اپنی دشمنی کا اظہار کرتے رہے تھے۔ ان کی تکلیف اور مصیبت سے بے تاب ہو کر نہ صرف ان کی خوشحالی اور آسودگی کے لئے فوراً ارحم الراحمین کی درگاہ میں ہمہ تن دعا بن کر جھک گیا۔ بلکہ ان کی تمام شرارتوں اور ایذا رسانیوں پر بھی عفو اور درگزر کا خط کھینچ دیا۔ اور ان کی طرف اشارہ تک نہ کیا۔ تاکہ مصیبت کے مارے اس دردناک گھڑی میں ندامت اور شرمندگی محسوس نہ کریں۔

کیا عفو اور درگزر بے رحم اور سفاک دشمنوں پر رحم و شفقت کی ایسی کوئی مثال تاریخ عالم کے اوراق میں کہیں مل سکتی ہے قطعاً نہیں۔

حملہ آور دشمن سے عفو

اور دیکھئے۔ حدیبیہ کے لق و دق میدان میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کے ساتھ نماز پڑھنے میں معروف ہیں۔ اس موقعہ کو غنیمت سمجھکر بادوان تنعیم کا ایک جتھہ خفیہ طور پر حملہ آور ہوتا ہے۔ اور چاہتا ہے۔ کہ سب مسلمانوں کو تہ تیغ کر دے کہ خود گرفتار ہو جاتا ہے۔ وُہ اپنے جرم کے لحاظ سے اور اس وقت کے رسم و رواج کے مطابق انتہائی سزا کا مستحق ہے۔ لیکن جب وُہ لوگ رحم و عفو طلب کرتے ہیں۔ تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دریائے رحمت جوش میں آجاتا ہے۔ اور آپؐ انہیں آزاد کر دیتے ہیں۔

قتل کے ارادہ سے آنے والے سے درگزر

عمرو بن وہب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سخت جانی دُشمن اور بد ترین عدو تھا۔ ایک دفعہ وُہ اپنی تلوار زہر میں بجھا کر آپؐ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے مدینہ آیا۔ مگر قبل اس کے کہ وُہ اپنے ناپاک ارادہ کو عمل کی شکل میں تبدیل کرنے کی کوشش کرتا۔ راز فاش ہو گیا۔ اور اسے گرفتار کر لیا گیا۔ ہر ایک مسلمان یہی چاہتا تھا۔ کہ ایسے مجرم کو سخت سے سخت سزا دی جائے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو اس کے ٹکڑے اڑا دینا چاہتے تھے۔ لیکن رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قتل کے لئے آنے والے اور قتل کرنے کا پُورا سامان کر لینے والے کو اپنے دامنِ رحمت میں جگہ دے کر بالکل معاف کر دیا۔ اس غیر معمولی عفو کا اس پر ایسا اثر ہُوا۔ کہ وُہ اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ گویا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان لینے کے ارادہ سے جو گھر سے نکلا تھا۔ وُہ آپؐ کے بے مثل حسنِ سلوک اور بے مثال عفو سے متاثر ہو کر آپؐ کی خاطر جان قربان کرنے والوں میں شامل ہو گیا۔

ایک بدزبان ہجو گو پر شفقت

اسی طرح کعب بن زہیر ایک مشہور شاعر تھا۔ جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ہجو میں ناپاک اور گندے شعر کہتا۔ اور علانیہ مجلسوں میں سُناتا۔ فتح مکّہ پر کہیں روپوش ہو گیا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد دربارِ نبویؐ میں اجنبی بن کر حاضر ہُوا۔ اور عرض کیا۔ کعب امان مانگتا ہے۔ کیا آپؐ اُسے معاف کر دیں گے۔ رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے عفو اور درگزر نہایت مرغوب چیز تھی۔ آپؐ نے اثبات میں جواب دیا۔ تو اُس نے کہا۔ کعب میرا ہی نام ہے۔ اور ایک نعتیہ قصیدہ پڑھنا شروع کر دیا۔ رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف اس کے سابقہ افعال کو اپنی رحم و شفقت کی چادر کے نیچے ڈھانپ دیا۔ بلکہ اُس کے جسم پر بھی اپنی چادر ڈال دی۔ کہا جاتا ہے۔ یہ چادر بیس ہزار درہم میں اس کے وارثوں سے حضرت امیر معاویہؓ نے خریدی۔ اور اس کے بعد بنو امیہ اور بنو عباس میں ہوتی ہوئی ترکوں کے پاس پہونچی۔ اور اب تک قسطنطنیہ کے خزانہ تبرکات میں موجود ہے۔

رحم و کرم کی بے نظیر مثالیں

ان چند واقعات سے جو صرف بطور مثال پیش کئے گئے ہیں ورنہ ان کی فہرست نہایت طویل ہے۔ ظاہر ہے۔ کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی جان کے دشمنوں اپنے مذہب کے دشمنوں اپنے خویش و اقارب کے دشمنوں۔ اپنے جاں نثاروں کے دُشمنوں اور قاتلوں سے انتقام لینا تو الگ رہا۔ انہیں تکلیف میں دیکھنا بھی گوارا نہ فرماتے تھے۔ اور جب بھی وقت آتا۔ انہیں ہر قسم کی تکلیف سے بچانے کی پوری پوری کوشش کرتے۔ یہ صبر و تحمل۔ عفو و درگزر۔ رحم و کرم۔ اور جود و سخا کی ایسی بے نظیر مثالیں ہیں۔ جو چشمِ فلک نے پہلے کبھی نہ دیکھیں۔

فتح مکہ کا واقعہ

لیکن مذکورہ بالا انفرادی یا چھوٹے دائرہ سے تعلق رکھنے والے واقعات ہیں۔ اب میں ایک ایسا واقعہ پیش کرنا چاہتا ہوں جس نے ایک طرف تو اپنے اثرات کے لحاظ سے سارے عرب کی کایا پلٹ دی۔ اور دوسری طرف رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رحم اور شفقت کو اوجِ کمال تک پہونچا دیا۔ اور وُہ فتح مکّہ کا واقعہ ہے۔

کفارِ مکہ کی ایذا رسانیاں

رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کو قریش نے مکّہ کی تیرہ سالہ زندگی میں جو جو دردناک تکالیف پہونچائیں ان کے تصور سے آج بھی دل دھڑکنے اور کلیجہ کانپنے لگتا ہے۔ آخر جب کفار کے مظالم حد سے بڑھ گئے۔ اور انہوں نے آپؐ کے قتل کی سازش کی جس کی اطلاع خدا تعالے نے قبل از وقت آپؐ کو دے دی۔ تو آپؐ نہایت بے سر و سامانی کی حالت میں اپنے یارِ غار حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر رات کے اندھیرے میں اپنا پیارا وطن۔ خلیل اللہ کا بسایا ہُوا شہر۔ اور خدا تعالے کا برکت دیا ہُوا مقام چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ مگر ظالموں نے وہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ اور غربت کی زندگی میں بھی ایک لمحہ آرام نہ لینے دیا۔ وہاں کئی آدمیوں کو آپؐ کے قتل کے لئے بھیجا۔ وہاں کے لوگوں کو آپؐ کے خلاف اکسایا۔ انہیں اندر سے حملہ کرنے۔ اور خود باہر سے حملہ آور ہونے کی سازش کی گئی۔ اور جنگ وقتِ مل کر اسلام کا نام و نشان مٹا دینے کا منصوبہ کیا گیا۔ غرض انہوں نے ایک مسلسل اور غیر منقطع جنگ جاری رکھی۔

عفوِ عام

لیکن ان تمام مصائب و آلام ان تمام مظالم و شدائد ان تمام ایذا رسانیوں اور سفاکیوں سے تنگ آکر جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکّہ پر چڑھائی کی۔ اور خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے اسی مکّہ پر جہاں سے آپؐ کو نکلنے پر مجبور کیا گیا تھا۔ جہاں آپؐ پر ظلم و ستم کے پہاڑ گرائے گئے تھے۔ جہاں آپؐ کی جان لینے کی سازشیں کی گئی تھیں۔ جہاں کے لوگ آپؐ کے خون کے پیاسے تھے۔ جب پُورا قبضہ اور اقتدار بخشا۔ تو آپؐ نے ان لوگوں کو لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین کہہ کر اپنی رحمت اور شفقت کی گود میں بٹھا لیا۔ اور اعلان عام کر دیا۔

۱۔ جو شخص ہتھیار پھینک دے۔ اسے قتل نہ کیا جائے۔

۲۔ جو شخص خانہ کعبہ کے اندر پہنچ جائے اسے قتل نہ کیا جائے۔

۳۔ جو شخص اپنے گھر کے اندر بیٹھ جائے۔ اسے قتل نہ کیا جائے۔

۴۔ جو شخص ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے قتل نہ کیا جائے۔

۵۔ جو شخص حکیم بن حزام کے گھر میں داخل ہو جائے اسے قتل نہ کیا جائے۔

۶۔ بھاگ جانے والے کا تعاقب نہ کیا جائے۔

۷۔ زخمی کو قتل نہ کیا جائے۔

۸۔ اسیر کو قتل نہ کیا جائے۔

جود و سخا کی انتہا

یہ اس شہر میں فاتحانہ طور پر داخل ہونے کے وقت رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایات نافذ فرمائیں جس کے باشندوں نے متواتر بیس اکیس سال تک آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھیوں کو بے حد تکلیفیں دیں۔ اور بار بار حملے کر کے مسلمانوں کو مٹانے کی کوششیں کیں۔ مسلمانوں کو تڑپا تڑپا کر مارا۔ عورتوں کو نہایت شرمناک طریق سے شہید کیا۔ اور مسلمانوں کے گھر بار اور جائدادوں پر قابض ہو گئے تھے۔ مگر آپؐ نے ان میں سے کسی مرد یا عورت کو کوئی تکلیف نہ دی۔ کسی کو ذلیل و رسوا نہ ہونے دیا۔ کسی کے مال و اسباب کو ہاتھ نہ لگنے دیا۔ اور انتہا یہ کہ جن مکانوں اور زمینوں سے ان لوگوں نے اپنے مظالم کے سلسلہ میں مسلمانوں کو بے دخل کر کے ان پر خود قبضہ جما لیا تھا۔ ان کی واپسی پر بھی کسی کو مجبور نہ کیا گیا تاکہ مفتوحین کو اپنی بیچارگی اور ذلت کا احساس نہ ہو۔ دشمنوں اور خون کے پیاسے دشمنوں، ہر قسم کی ایذا اور تکلیف دینے والے دشمنوں کے ساتھ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس سلوک کو پیشِ نظر رکھ کر کیا کوئی کہہ سکتا ہے۔ کہ اس رحمت و رافت اس جود و بخشش۔ اس عفو و درگزر کی مثال کہیں اور مل سکتی ہے۔ اگر نہیں۔ اور یقیناً نہیں۔ تو پھر اس میں کیا کلام ہے۔ کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دشمنوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں بالکل منفرد تھے۔ اور خطرناک سے خطرناک دشمنوں کے لئے بھی آپؐ کی آغوشِ شفقت مرقت اور مرحمت ہر وقت کھلی تھی۔

خاکسار غلام نبی

رحمۃ للعالمین کے احسانات عورتوں پر

اور

عورتوں کا اخلاص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے

از محترمہ برکت اللہ بیگم صاحبہ بنت شیخ عبد الرحمن صاحب منصب .ی

آج سے چودہ سو ۱۴۰۰ برس پیچھے ہٹئے اور دنیا کی حالت دیکھئے۔ تمام روئے زمین پر تاریکی کا دور دورہ ہے۔ روشنی کہیں نام کو دکھائی نہیں دیتی۔ بت پرستی۔ عیاشی اور تمام قسم کی دیگر برائیوں میں لوگ منہمک ہیں۔ انہیں کبھی بھولے سے بھی خیال نہیں آتا۔ کہ ان کا کوئی خالق اور مالک بھی ہے۔ جس کے سامنے وہ اپنے اعمال کے لئے جوابدہ ہیں دنیا پرستی ان کی زندگی کا مقصد وحید نظر آتا ہے۔ روز بروز وہ پستی کی طرف جھکتے اور انسانیت کے جوہر کو کھوتے دکھائی دیتے ہیں۔ آخر خدائے غیور کی غیرت جوش مارتی ہے۔ اور وہ اپنی قدرت کا معجزہ دکھاتا ہے۔ اور یک لخت تمام دنیا کی کایا پلٹ کر رکھ دیتا ہے۔ حیوانوں سے بدتر مخلوق کو نہ صرف انسان بلکہ با اخلاق انسان نہیں بلکہ باخدا انسان بنا دیتا ہے۔ تاریکی کو روشنی سے۔ بت پرستی کو خدا پرستی سے بدل دیا ہے۔ یہ تغیر عظیم خدائے عزوجل نے کس کے ہاتھوں سے کرایا۔ اور کس کے سر پر اس فخر کا تاج پہنایا۔ وہ وجود مبارک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہی وجود باجود تھا۔ رسول اکرم ہی وہ انسان تھے۔ جنہوں نے تمام تکالیف اور مصائب نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کیں۔ اور آخر اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ بے شک اس پاک انسان کا وجود فداہ امی وابی رحمۃ للعالمین تھا۔ لیکن میں اس جگہ صرف ان چند احسانات کا ذکر کرونگی۔ جو سرور کائنات نے ناچیز طبقہ اناث پر کئے۔

اسلام سے قبل عورت کی حالت

یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں۔ کہ عورت قبل از اسلام کس حالت میں تھی۔ اور اس پر کس قدر ظلم روا رکھے جاتے تھے۔ چند الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ عورت قبل از اسلام پالتو جانور سے بھی بدتر سمجھی جاتی تھی وہ بیچاری مصیبت کی ماری ان تمام مظالم کو نہایت صبر و استقلال سے برداشت کرتی تھی۔ لیکن زبان حال سے اپنی فریاد رحیم و کریم خدا کے حضور پیش کرتی تھی۔ آخر اس گریہ وزاری نے عرش الہی کو ہلا دیا۔ اور اس سمیع الدعا اور رحیم خدا نے ابر رحمت برسایا۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ آپ نے عورتوں پر وہ احسانات کئے۔ جن کو قلم لکھنے سے قاصر ہے ٭

عورت کی زندگی کا پہلا حصہ

عورت کی زندگی کے بڑے بڑے تین حصے ہیں۔ پہلا حصہ زندگی کا اس وقت شروع ہوتا ہے۔ جبکہ وہ پیدا ہوتی ہے۔ اس حصہ کے متعلق یجعلون للہ البنات سبحانہ ولھم ما یشتھون ... واذا بشر احدھم بالانثی ... کہہ کر لڑکیوں کی پیدائش کو بھی اسی طرح موجب خوشی قرار دیا ہے جس طرح لڑکوں کی پیدائش کو۔ پھر اس کے متعلق جو نہایت ظالمانہ رواج تھا کہ لڑکیوں کو مار دیا جاتا۔ اس کا قلع قمع یہ کہہ کر کر دیا۔ کہ لا تقتلوا اولادکم اور اذا الموءدۃ سئلت بای ذنب قتلت کی وعید نازل فرما کر خود دیا۔ اور فرما دیا۔ کہ جو کوئی بعد از اسلام دختر کشی کا ارتکاب کرے گا۔ اس پر جنت حرام ہے۔ اس کے بعد وہ بڑی ہوتی ہے۔ اور اس کی تعلیم و تربیت کا زمانہ آتا ہے۔ اس زمانہ کے متعلق بھی آپ نے عورتوں پر بہت بڑا احسان کیا۔ لوگوں کو اس امر عظیم سے مطلع کیا۔ جو ان کے لئے مقدر ہے۔ جو لڑکیوں کی پرورش کے حق کو کما حقہ ادا کریں گے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جس شخص کو خدا نے لڑکیاں دیا اور پھر اس نے ان کی اچھی طرح سے پرورش کی۔ تو وہ لڑکیاں قیامت کے دن عذاب اور اس شخص کے درمیان روک بن جائینگی۔ ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا۔ جس نے دو لڑکیوں کی اچھی طرح پرورش کی۔ دوزخ اس پر حرام ہے۔ ایک اور جگہ پر آپ نے فرمایا۔ جس نے لڑکیوں کو احسن طور پر پالا۔ وہ اور میں قیامت کے دن اکٹھے ہونگے ٭

اللہ اللہ! لڑکیوں کی پرورش کا اس درجہ کہ وہ شخص جنت میں آپ کے ساتھ ہوگا۔ جو لڑکیوں کی پرورش سنت کے مطابق عمدہ تربیت کریگا ٭

دوسرا حصہ

ایک حصہ عورت کی زندگی کا اس وقت شروع ہوتا ہے جس وقت وہ بیاہی جاتی ہے۔ اس حصہ زندگی کے متعلق بھی جو تعلیم آپ نے دی ہے وہ بھی بے نظیر ہے۔ آپ نے اس کے متعلق خدا تعالیٰ کا یہ کلام پیش کیا:- ولھن مثل الذی علیھن۔ اس طرح مردوں کے پہلو بہ پہلو ہمیشہ کے لئے ان کے حقوق کو بھی کر دیا۔ اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی اس قدر تلقین کی کہ فرمایا:- خیرکم خیرکم لاھلہ۔ یعنی تم میں سے اچھا وہی ہے جو بیوی کے حق میں اچھا ہے۔ مردوں کو حکم ہوتا ہے۔ کہ عورتوں پر سختی نہ کیا کرو۔ کیونکہ ان کی مثال ٹیڑھی پسلی کی سی ہے۔ اگر تم اس کو زور سے سیدھا کرنا چاہو گے۔ تو وہ ٹوٹ جائیگی ٭

تیسرا حصہ

تیسرا حصہ عورتوں کی زندگی کا اس وقت شروع ہوتا ہے۔ جبکہ مائیں بنتی ہیں۔ اس حصہ زندگی کے متعلق آپ الگ حقوق بیان فرماتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:- الجنۃ تحت اقدام امھاتکم۔ سبحان اللہ! وہ عورت جو ادنیٰ سے ادنیٰ حیوان سے بھی بدتر سمجھی جاتی تھی۔ اس کو آپ نے ایسا رتبہ عطا فرمایا کہ جنت اس کے پاؤں تلے بتایا۔ ایک آدمی آپ کے حضور حاضر ہوتا ہے۔ اور عرض کرتا ہے یا رسول اللہ میں نے اپنی ماں کو کندھے پر اٹھا کر حج کرائے ہیں۔ کیا میں نے ان کا کچھ حق ادا کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ اتنا بھی نہیں۔ جتنا کہ اس نے تجھے گیلی جگہ سے اٹھا کر سوکھی جگہ پر بٹھا دیا ہو۔ اللھم صل علی محمد و بارک وسلم ٭

رسول کریم کی طرف سے عورتوں کا احترام

یہ تو آپ کے ارشاد عورتوں سے حسن سلوک کے متعلق ہیں۔ اب عملاً دیکھیں۔ آپ نے نمونہ کیا پیش کیا۔ آپ کی دایہ تشریف لاتی ہیں۔ آپ از راہ احترام اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور اپنی چادر مبارک ان کو بچھا دیتے ہیں۔ آپ کے احسانات صرف مسلم عورتوں تک ہی محدود نہ تھے۔ بلکہ حضور ہر مذہب و ملت کی عورت کی عزت و توقیر کرتے۔ جنگ حنین کے قیدیوں میں آپ کی رضاعی بہن آپ کے سامنے لائی جاتی ہیں۔ آپ ان کو پہچان کر اپنی چادر مبارک بچھا دیتے ہیں۔ اور ان کی بڑی عزت کرتے ہیں۔ پھر ان کو اپنے ساتھ چلنے کو کہتے ہیں۔ لیکن وہ اپنی قوم میں ہی رہنا پسند کرتی ہیں۔ آپ ان کو تحائف دیکر واپس کر دیتے ہیں۔ بنی طے نے شرارت کی۔ ان سب کو قید کر کے مدینہ منورہ میں لایا گیا۔ ان قیدیوں میں حاتم طائی کی بیٹی سفانہ بھی تھی۔ جب حضور انور کو یہ خبر پہنچی۔ تو آپ نے اس کو بلا کر عزت و احترام سے واپس کیا۔ چاہا مگر اس نے کہا۔ میں اکیلی رہا ہونے پر قید کو ترجیح دیتی ہوں۔ اس پر آپ نے اس کی قوم کے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا ٭

بیویوں سے مشورہ

آپ اکثر امور میں اپنی بیویوں سے مشورہ لیتے۔ اور وہ اکثر نہایت مفید مشورہ دیتیں۔ چنانچہ صلح حدیبیہ میں آپ نے صحابہؓ کو عمرے کا قصد چھوڑنے اور قربانیاں کرنے اور سر منڈانے کا ارشاد فرمایا۔ مگر صحابہؓ اس پر عمل کرنے میں تامل کر رہے تھے۔ حالانکہ صحابہؓ ہر ایک ارشاد کی فوراً تعمیل کیا کرتے تھے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حالت دیکھکر غم لاحق ہوا۔ آپ ام المومنین ام سلمہؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ اور صحابہ کے حال کا ذکر کر کے فرمایا۔ میں ان کو حکم دیتا ہوں لیکن وہ تعمیل نہیں کرتے ام سلمہؓ نے عرض کیا۔ اگر آپ چاہتے ہیں۔ کہ وہ تعمیل کریں۔ تو آپ باہر تشریف لے جائیں اور کسی سے بات نہ کریں۔ اور اپنا سر منڈائیں۔ اور قربانی کریں۔ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ پھر تو صحابہؓ نے اس قدر جلدی تعمیل کی کہ اس طرح معلوم ہوتا تھا۔ کہ سر منڈائے نہیں جاتے ہیں۔ بلکہ کٹوائے جا رہے ہیں

عورتوں کا اخلاص

ان تمام احسانات کا ذکر کرنا جو اس مہربان اور شفیق رسول اور آقا نے ہمارے صنفِ نازک پر کئے۔ طاقت سے باہر ہے۔ لہٰذا میں چند احسانات کا ذکر کرنے پر ہی اکتفا کرتی ہوں۔ آپ کے یہ بے شمار احسانات ہی تھے۔ جنہوں نے عورتوں کے دلوں میں اس قدر محبت ڈال دی تھی۔ کہ وہ اپنی جان اور مال اپنے خاوند بچے بھائی سب کو آپ پر قربان کرنے میں دریغ نہیں کرتی تھیں۔ میں یہاں صرف دو مثالیں پیش کروں گی۔

پہلی مثال

جنگ احد کا واقعہ ہے۔ جب شہیدوں میں رسول اکرم کے چچا حمزہ کی لاش اس حالت میں ملی۔ کہ ان کا پیٹ چاک کیا گیا تھا۔ اور ناک اور کان کٹے ہوئے تھے۔ اس غمزدہ نظارہ کا اثر نہ صرف سبھی پر بلکہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بہت گہرا ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ میں کبھی ایسی جگہ کھڑا نہیں ہوا۔ جہاں اس جگہ سے زیادہ مجھے غیظ و غضب آیا ہو۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کہ وہ کیسا غضبناک نظارہ ہوگا۔ جب ان کی حقیقی بہن حضرت صفیہ اپنے بھائی کی لاش دیکھنے آئیں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بیٹے زبیر سے کہا۔ تم اپنی والدہ کو واپس لے جاؤ۔ تاکہ وہ اپنے عزیز بھائی کی یہ حالت نہ دیکھیں۔ جب ان کو یہ پیغام پہنچا۔ تو انہوں نے نہایت صبر سے جواب دیا۔ میں نے سن لیا ہے کہ میرے بھائی کی لاش کا نہایت برا حال کیا گیا ہے۔ لیکن چونکہ وہ خدا کی راہ میں شہید ہوا ہے۔ میں صبر کروں گی۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اجازت دیدی۔ اس ایمان سے بھری ہوئی عورت نے اپنی آنکھوں سے یہ حال دیکھا مگر کیا مجال کہ بے صبری کا ایک لفظ بھی منہ سے نکلا ہو۔ دعائے مغفرت کی اور چلی گئیں۔

دوسری مثال

جب جنگ احد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کی خبر اڑائی گئی۔ تو مسلمان عورتیں نہایت بیقراری سے گھروں سے نکل کر راستوں پر کھڑی ہو گئیں تاکہ مسلمان جب واپس آئیں۔ تو ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق دریافت کریں۔ ایک عورت اسی غرض سے کھڑی تھی کہ ایک آدمی نے آ کر کہا۔ تمہارا بھائی شہید ہو گیا۔ اس نے پوچھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے۔ اس شخص نے جواب دیا۔ تیرا باپ بھی شہید ہو گیا۔ اس نے پھر پوچھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے۔ اس نے جواب دیا۔ تیرا خاوند بھی شہید ہو گیا ہے۔ اس نے جھنجلا کر کہا۔ میں تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق پوچھتی ہوں۔ اس نے کہا۔ آپ بخیریت ہیں۔ اس پر وہ بولی الحمد للہ۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اچھے ہیں۔ تو پھر مجھے کسی کا غم نہیں۔ سبحان اللہ آفرین اس عورت کے اخلاص پر جس کو نہ باپ کے مرنے کا غم اور نہ بھائی اور خاوند کی وفات کا رنج و ملال۔ اور جو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خیریت کی خبر سنکر خوش ہو جاتی ہے۔ اور اپنے تمام غموں کو آپ کی خیر و عافیت کے سامنے ہیچ سمجھتی ہے۔

ہزاروں ہزار درود ہوں رسول خدا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جنہوں نے نہ صرف مردوں کے بلکہ عورتوں کے دلوں کو بھی اخلاص اور نور دین سے منور کر دیا۔

اللّٰہم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد واصحابہ اجمعین وبارک وسلم آمین

توحید باری تعالیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

(از جناب ملک عبد الرحمٰن صاحب خادم۔ بی اے۔ گجراتی)

خدا تعالیٰ کے انبیاء کی بعثت کی علت غائی اپنی ذات کی شہرت دینی نہیں ہوتی۔ بلکہ ان کا مقصد وحید اپنے بھیجنے والے کی ہستی پر لوگوں کو یقین دلانا اور اس کو واحد و یگانہ ثابت کرنا ہوتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام تک جس قدر انبیاء مبعوث ہوئے۔ سب نے یا قوم اعبدوا اللّٰہ ما لکم من الٰہ غیرہ کی صدا بلند کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بحیثیت نبی اور رسول دنیا کو اسی نقطہ مرکزی کی طرف بلایا۔ لیکن امر یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کے سرتاج اور شہنشاہ تھے۔ حضور نے جس رنگ میں توحید کی تعلیم اور شرک کی مذمت کو دنیا کے سامنے پیش کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے واقعات از ابتدا تا انتہا بین ثبوت ہیں اور اس امر کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ کہ حضور کا دنیا میں سوائے اس کے اور کوئی مقصد نہ تھا کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرایا جائے اور صرف اسی کی عبادت کی جائے۔

حضور علیہ السلام نے اپنی زندگی میں کبھی یہ گوارا نہ فرمایا کہ عزت اور تقدّم میں جو محض ذات خداوندی کے ساتھ مخصوص ہے آپ کو شریک ٹھیرایا جائے۔ بلکہ حضور نے اپنی ذات صرف اس حد تک منوایا جس حد تک کہ خدا تعالیٰ کی توحید کے قیام کے لئے ضروری تھا چنانچہ صاف الفاظ میں اعلان فرمایا۔

(۱)

قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الیّ۔ کہ اے انسانو! میں بھی تمہاری طرح کا ہی ایک انسان ہوں مجھ میں اور تم میں بلحاظ انسان ہونے کے کوئی فرق نہیں۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ خدا تعالیٰ میرے ساتھ کلام کرتا ہے۔ اور اس طرح سے خدا تعالیٰ نے اپنی ہستی کا ثبوت میرے ذریعہ سے بہم پہنچایا ہے۔

(۲)

حضور نے کلمہ میں یعنی اپنی تمام تعلیم کے نچوڑ اور خلاصہ میں توحید کا ایسے صاف اور بین طور پر نہ صرف یہ کہ اعلان فرمایا۔ بلکہ کروڑوں انسانوں سے اقرار بھی لے لیا اور نہ صرف اقرار بلکہ اس تعلیم کو ان کے دلوں میں میخ کی طرح گاڑ دیا۔ لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ میں ایک طرف تو توحید کا اقرار لیا۔ اور دوسری طرف اپنی بشریت کا اعلان کیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ اس نکتہ کی طرف لطیف اشارہ فرما دیا کہ محمد لا الٰہ الا اللّٰہ کی تعلیم اس لئے دیتا ہے۔ کہ وہ رسول اللہ ہے۔ گویا رسول اللہ کی غرض و غایت صرف اور صرف لا الٰہ الا اللّٰہ کا اعلان اور اس کا قیام ہوتی ہے دوسرے یہ کہ محمد کا رسول ہونا اور صادق ہونا خود اس امر کی دلیل ہے۔ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر غیر اللہ میں سے کوئی اللہ بن سکتا تو یقیناً وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود باجود تھا۔ غرضیکہ کلمہ طیبہ میں ہر پہلو سے توحید کی تعلیم اور شرک کا ابطال کیا گیا ہے

(۳)

ایک دفعہ ایک صحابی نے باتوں باتوں میں کہدیا۔ ما شاء اللّٰہ و ما شاء رسول کہ جو اللہ چاہے اور اس کا رسول چاہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کو بہت برا منایا اور اسے ما شاء اللّٰہ و رسولہ کہنے سے روک دیا۔ کیونکہ مشیت حقیقی صرف خدا تعالیٰ کی ذات بابرکات کے لئے مخصوص ہے۔

(۴)

پھر حضور نے کھلے الفاظ میں اعلان فرمایا۔ قل لا اقول لکم عندی خزائن اللّٰہ ولا اعلم الغیب ولا اقول لکم انی ملک۔ کہ اے لوگو! میں خدا کی طرف سے بدیں بار اعلان کرتا ہوں۔ کہ مجھے خدائی طاقتوں کا مالک ہونے عالم الغیب اور فرشتہ ہونے کا قطعاً دعویٰ نہیں ہے۔

(۵)

مسلم باب ضرب الدف میں حدیث ہے۔ کہ معوذ بن عفراء انصاری کی لڑکی ربیع کی شادی کے موقعہ پر صحابی مذکور کے گھر حضور تشریف لے گئے بچیاں شہدائے بدر کے مرثیے گا رہی تھیں حضور کو ایک چٹائی بچھا دی گئی۔ حضور نے ان کا گانا پسند فرمایا۔ بچیوں نے گاتے گاتے ایک مصرعہ یوں پڑھا: ع وفینا نبی یعلم ما فی غد کہ ہم میں ایک نبی ہے (آنحضرت صلعم) جو کل آئندہ کے حالات بتلاتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے اس کو برا منایا۔ اور یہ مصرعہ پڑھنے سے روک دیا۔

(۶)

حضور نے اپنی مرض الموت میں اس حالت میں جبکہ [illegible] دل میں لاکھوں حسرتیں سینکڑوں ارمان اور بہت تھوڑی نظر آتا ہے۔ انسان کیلئے اس کے گذشتہ آرام و آسائش اور اس کے اعزاء و اقربا کی مشکلات اور تکالیف کا دھیان سوہان روح بن رہا ہوتا ہے۔ اپنی جائداد یا وراثت یا کسی اور دنیوی معاملہ کے متعلق وصیت نہ فرمائی۔ بلکہ اگر کچھ فرمایا۔ تو یہی کہ لعن اللّٰہ الیہود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیاءھم مساجداً۔ خدا تعالیٰ کی پھٹکار ہو ان لوگوں پر جنہوں نے باوجود توحید کے ماننے کا دعویٰ اور خدا تعالیٰ کے انبیاء کی ان کے مشن میں مدد و نصرت کا وعدہ کیا۔ مگر پھر بھی اپنے نبیوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا اور ان کی پرستش شروع کر دی۔

گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے وصال الی اللہ کے وقت اگر کوئی فکر تھی۔ تو صرف یہی کہ ایسا نہ ہو کہ میری قوم بھی میری قبر کو پہلے انبیاء کی امتوں کی طرح پوجنا شروع کرے۔ اور وہ عزت اور وہ حیثیت جو خدا تعالیٰ کو لوگوں کے قلوب میں حاصل ہونی چاہئے وہ میری قوم کی طرف سے مجھی کو بخشے جانے کے باعث جھوٹے طور پر مجھے نہ دی جائے۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول (خدا کی ہزار ہا ہزار رحمتیں اور برکتیں آپ پر نازل ہوں) کی اس تمنا اور خواہش کو پورا کیا۔ یہاں تک کہ اگرچہ اس خدا کے فرستادہ کی امت میں امتداد زمانہ اور گردش روزگار کے باعث اس کی اپنی پیشگوئیوں کے مطابق طرح طرح کی خرابیاں اور قسم قسم کی بدعات رائج ہو گئیں۔ مگر آپ کی کسی نے پرستش نہ کی۔

اللّٰہم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد وبارک وسلم

آسمانی بادشاہت

رسولِ اعظمؐ کی بشارت اناجیل میں

(حضرت مولوی محمد دین صاحب بی۔ اے ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان)

اناجیل کے دو فقرے

اناجیل اربعہ میں دو فقرے بار بار مستعمل ہوئے ہیں۔ ایک "خدا کی بادشاہت" اور دوسرا "آسمانی بادشاہت"۔ انہیں حضرت مسیح نے بار بار اور آپ کے حواریوں نے چند بار اپنے خطوں میں استعمال کیا ہے۔ میں نے انگریزی کلید بائیبل کو غور سے دیکھا۔ پرانی کتابوں یعنی عہد عتیق کی جس قدر کتابیں ہیں۔ ان میں یہ جملے بالکل نہیں آئے۔ ممکن ہے۔ اردو ترجمہ میں کہیں ہو کے آگئے ہوں۔ لیکن Kingdom of God اور Kingdom of Heaven یہ دو جملے جن کا ترجمہ میں نے اوپر دیا ہے۔ پہلی کتب میں کہیں نہیں ملتے۔ "میری بادشاہت"، "تیری بادشاہت"، "اس کی بادشاہت" وغیرہ اس قسم کے جملے تو ملتے ہیں۔ لیکن متذکرۃ الصدر دو جملے نہیں پائے جاتے۔ نیز جن معنوں میں ان دو جملوں کو حضرت مسیح علیہ السلام اور آپ کے تبع میں آپ کے حواری استعمال کرتے رہے ہیں۔ وہ بھی پہلی کتابوں میں جو مختلف قسم کے ان کے ہم معنے الفاظ آئے ہیں۔ ان سے مترشح نہیں ہوتے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان جملوں کا کثرت سے استعمال اور مخصوص مفہوم میں استعمال حضرت مسیح علیہ السلام نے ہی شروع کیا۔ ممکن ہے بعض پہلے انبیاء نے بھی ان معنوں کو لیا ہو جیسا کہ غالب ہے۔ کر لیا ہوگا۔ لیکن وہ خاص لب و لہجہ اور نرالی طرز اداء حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہی مخصوص ہے۔ ان معنوں کی رو سے بے جا نہ ہوگا۔ اگر میں یہ کہوں کہ ان جملوں اور ان کے خاص مفہوم کے موجد حضرت مسیح ہی ہیں۔ لیکن جیسا کہ ان کے معنوں کے بیان میں آگے چلکر واضح ہو جائے گا۔ ان میں سے بعض مفہوم تو یقیناً ہر نبی کے ذہن میں ضرور ہوں گے۔ لیکن جو طرز حضرت مسیحؑ نے ایجاد کی۔ اس میں وہ مخصوص ہیں۔

عیسائیوں کی افسوسناک کوشش

افسوس ہے۔ کہ عیسائیوں نے ان جملوں کے مفہوم کو پورے طور پر سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ یہ کوشش کی ہے۔ کہ ان متعدد معانی کو اس قسم کے گول مول جملہ "روحانی زندگی" یا "مسیح کی روحانی بادشاہت" میں محدود کر دیں۔ یا بعض جگہ مسیح کی جسمانی بادشاہت کے مراد معنے بنا لئے ہیں۔ حالانکہ سیاق و سباق بتاتا ہے۔ کہ مراد ان معانی پر حصر کافی نہیں۔ بلکہ بعض جگہ ایسا مفہوم بالکل بے معنی اور لایعنی ہو جاتا ہے۔ میرے خیال میں اس غلطی میں ڈالنے کا ذمہ دار پولوس اور اس کے ساتھی ہیں۔ بعض جگہ صریحاً اس کے معنے بعثت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔ لیکن ہاں بڑی جسارت اور دلیری کے ساتھ ایسے معنے لئے جاتے ہیں جن کے الفاظ اور مفہوم ہرگز متحمل نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ مختصر طور پر اس بڑے امر اور مقصد عظیم کو واضح کر کے دکھا دوں کہ اصل مقصد حضرت مسیح علیہ السلام کا ان الفاظ سے اسی بعثت کے متعلق تھا جس کے لئے تمام انبیاء شروع سے منتظر اور جس کے لئے تمام پہلے زمانہ کے لوگوں کو طیار کرتے چلے آئے تھے۔

حضرت مسیحؑ نے اپنے آپ کو پیش کیا

بیشتر اس کے کہ میں اس امر عظیم کو لوں جس پر حضرت مسیح علیہ السلام نے خاص طور پر زور دیا۔ بلکہ ان کی تعلیم کا انتہائی مقصد وہی رہا میں ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ مختصراً ان تمام مقامات کو لیکر واضح کروں کہ کن کن معنوں میں حضرت مسیحؑ ان الفاظ کو استعمال کرتے تھے۔ میرا منشاء اس سے یہ نہیں ہے۔ کہ انہوں نے اپنی بعثت پر اس کی وقتی اہمیت پر زور نہیں دیا۔ یا جو غرض کسی نبی کے کسی زمانہ میں مبعوث ہونے کی ہوتی ہے۔ اس کی طرف ان کی کم توجہ رہی۔ کیونکہ اگر یہ کہا جائے۔ کہ آپ محض یہی بشارت دینے کے لئے آئے تھے۔ کہ میرے بعد ایک نبی آنے والا ہے۔ اسے تم ڈھونڈو یا مانو۔ تو اس سے غرض نبوت فوت ہو جاتی ہے۔ نبی جب بھی آتا ہے۔ اس کی اولین غرض اصلاح خلق ہوتی ہے۔ اور خدا تعالے کے ساتھ مخلوق کا تعلق قائم کرنا تقویٰ اور راستبازی اور ایمان کی تعلیم پر اس کا دور ہوتا ہے۔ اور جیسا کہ قرآن کریم کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے۔ یہ تمام غرضیں صرف واتقوا اللہ واطیعون سے پوری ہوتی ہیں۔ اور نبی کو اپنا وجود پیش کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ خدا اور اس کی مخلوق کے درمیان وہ ایک واسطہ ہو جاتا ہے۔ اور اس کے زمانہ میں اس کی وساطت کے بغیر خدا ملنا محال ہوتا ہے۔ اس لئے یہ ضروری تھا۔ کہ حضرت مسیحؑ اپنے آپ کو پیش کرتے۔ جیسا کہ انہوں نے پیش کیا۔ لیکن چونکہ وہ ایک سلسلہ کی آخری کڑی تھے۔ جو اب ختم ہونے والی تھی۔ اور ایک نیا دور شروع ہونے کو تھا۔ اس لئے ضروری تھا۔ کہ مخلوق کی آئندہ بھلائی کے لئے بتا جاتے۔ کہ ان کے بعد نیا دور کیوں کس طرح اور کہاں سے شروع ہوگا۔

پس یہ ضروری تھا۔ کہ حضرت مسیحؑ اس امر کو بھی اچھی طرح واضح کر دیتے۔ خاصکر یہود کے لئے۔ جو ایک رنگ میں اپنے آپ کو خدا کا حصہ دار بنا بیٹھے تھے۔ اور سمجھتے تھے۔ کہ خواہ کچھ ہو نبوت انہی کا حصہ ہے۔ نیز حضرت مسیحؑ پر ایمان لانے والوں کے لئے بھی ضروری تھا۔ کہ آئندہ وہ اپنی اولادوں کو اس غلطی میں مبتلا ہونے سے بچا لے۔ کہ خدا کی کسی سے رشتہ داری ہے۔ یا بس جو کچھ ان کے پاس ہے۔ وہی ان کے لئے کافی ہے۔ کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔

خدا کی بادشاہت کا مفہوم انجیل میں

پہلے میں Kingdom of God یعنے خدا کی بادشاہت والے جملے کو لیتا ہوں۔

پہلا حوالہ متی باب ۶ آیت ۳۳ اور لوقا باب ۱۲ آیت ۳۱ میں ہے۔ "پہلے تم خدا کی بادشاہت اور تقویٰ اللہ کو ڈھونڈو"۔ یہاں حضرت مسیح اسے ایمان اور تقویٰ اللہ کے مترادف ٹھہراتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ تم میں ایمان کی کمی ہے۔ ورنہ تمہیں کھانے پینے کی فکر نہ ہوتی۔ کیونکہ خدا تعالےٰ جو چرند اور پرند کو بغیر کسی قسم کے تفکر کے خوراک پہنچاتا ہے۔ تو کیا انسان جو ان سے اشرف ہے۔ اس کو خدا کھانا پانی بہم نہ پہنچائیگا۔ یہاں زیادہ زور ایمان اور توکل پر ہے

دوسرا حوالہ۔ حضرت مسیحؑ پر اعتراض ہوتا ہے۔ کہ وہ جنات وغیرہ کی مدد سے لوگوں میں سے بھوت پریت نکالتے ہیں۔ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اگر میں جنات اور شیاطین کی مدد سے ایسا کرتا ہوں۔ تو اس قسم کا کام یہودیوں میں سے بعض اور بھی کرتے ہیں۔ وہ لوگ خوب جانتے ہیں کہ اس قسم کا کام شیاطین کی مدد سے نہیں ہوا کرتا۔ بہر حال اس معاملہ میں تم ان سے نپٹ لو۔ میں تو خدا کی روح کی مدد کے ساتھ ایسا کرتا ہوں۔ اس لئے تم سمجھ لو۔ کہ خدا کی بادشاہت آگئی ہے۔ شیاطین کی مدد کا آپ نے یہ لطیف جواب دیا کہ شیطان بھی اپنے خلاف کیوں مدد دینے لگا۔ اس لئے میرے اس قسم کے علاج کو شیطان کی طرف منسوب کرنا سخت

غلطی ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کی مدد سے ایسا کرتا ہوں۔

یہاں حضرت مسیح کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ میری نبوت کا زمانہ آگیا ہے۔ چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام ایک سلسلہ کے بند کرنے والے ہونے کے علاوہ ایک نئے سلسلہ کے لئے بطور ارہاص کے تھے۔ جیسا کہ آگے چلکر مذکور ہوگا۔ اس لئے یہاں گو ان کا اپنی نبوت کی طرف اشارہ ہے۔ تاہم آپ اس اصل نبوت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ جو کہ دائمی طور پر قائم ہونے والی تھی۔

تیسرا حوالہ۔ متی باب ۱۹ آیت ۲۴ میں لکھا ہے۔ سوئی کے ناکے میں سے اونٹ کا نکل جانا آسان ہے۔ لیکن دولتمند کا خدا کی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل ہے۔ یہاں معیت و صحبت انبیاء اور قربانی نفس کے معنے مراد ہیں۔ کیونکہ ایک دولتمند عذر کرتا ہے۔ اور دنیاوی مال و دولت راہ خدا میں دینے کے لئے طیار نہیں ہوتا۔ حضرت مسیح فرماتے ہیں۔ وہ صرف اسی صورت میں ان کے ساتھ رہ سکتا ہے۔ کہ وہ اپنا مال وغیرہ خدا کی راہ میں دیکر خدا کے لئے غربت کی زندگی اختیار کرے۔ اسی ضمن میں ملاحظہ ہو مرقس ۱۰/۲۵ و ۱۸/۲۵ ؛

چوتھا حوالہ۔ متی باب ۲۱ آیت ۳۱ میں حضرت مسیح فرماتے ہیں۔ زنان بازاری اور شراب خور خدا کی بادشاہت میں عام یہود سے پہلے داخل ہونگے جس سے آپ کی مراد اصلاحی زندگی اختیار کرنا ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کو اپنے گناہ کا زیادہ احساس ہوتا ہے۔ بسبب ان کے جو صرف ظاہرداری کے طور پر شریعت کی پابندی کرتے ہیں۔

پانچواں حوالہ۔ متی باب ۲۱ آیت ۴۳ میں صریحاً اور لوقا باب ۲۰ آیت ۹ تا ۱۸ میں ضمناً مندرج ہے۔ کہ خدا کی بادشاہت یہودیوں سے چھین لی جائیگی۔ اور ایک دوسری قوم کے حوالے کر دی جائیگی۔ اس جگہ خدا کی بادشاہت سے مراد سلسلہ نبوت ہے۔ اور کچھ نہیں جس کا بیان مفصل آگے آتا ہے ؛

چھٹا حوالہ۔ مرقس باب ۱ آیت ۱۵ لوقا باب ۱۰ آیت ۹-۱۱- و باب ۱۱ آیت ۲۰- ان تینوں حوالوں میں حضرت مسیح کی آمد کو بطور ارہاص اس عظیم الشان نبوت کے پیش کیا گیا ہے۔ اور اس کا نام خدا کی بادشاہت کا قرب رکھا گیا ہے۔ کیونکہ خدا کی بادشاہت کے معنے عذاب الٰہی کے بھی ہیں۔ جیسا کہ آگے چلکر اصل حوالہ میں آئیگا جس میں یہ بتایا گیا کہ یہودیوں سے بطور سزا کے نبوت چھین لی جائیگی۔ اور نبوت دوسری قوم کے حوالے کر دی جائیگی۔ حضرت مسیح کی بعثت یہاں صرف ظلی طور پر مراد ہے۔

ساتواں حوالہ۔ مرقس ۴/۳۰ اور لوقا ۱۳/۱۸ عرفان اور ترقی ایمان اور ترقی سلسلہ نبوت کے معنوں میں یہ جملہ استعمال ہوا ہے۔ حضرت مسیح فرماتے ہیں۔ باوجود مختلف قسم کی رکاوٹوں کے یہ سلسلہ ترقی کریگا۔

آٹھواں حوالہ۔ مرقس ۹/۱ میں لکھا ہے۔ تم میں سے بعض زندہ ہونگے۔ اور وہ خدا کی بادشاہت کو بڑے جلال کے ساتھ آتا ہوا دیکھینگے۔ یہاں خدا کی بادشاہت کے معنے عذاب الٰہی جو یہود پر مستولی

ہوا۔ اور کوئی بن ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ اگر اس کے معنے حضرت مسیح کی آمد ثانی کے لئے جائیں۔ جیسا کہ عیسائی صاحبان لیتے ہیں تو ماننا پڑے گا کہ یہ پیشگوئی بالکل غلط نکلی اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ بقول ان کے حضرت مسیح کے تمام حواری مر گئے اور وہ ابھی تک واپس نہیں آئے۔ جلال کا لفظ صاف دلالت کر رہا ہے۔ کہ یہ اس قہر الٰہی کی طرف اشارہ ہے۔ جو یہود کی ظاہری اور باطنی ہر دو بزرگیوں کی تباہی کی علامت ہے۔ اور نئے دور کے قائم ہونے کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ یہ بھی نبوت کے آثار کی طرف اشارہ ہے۔ اسی ضمن میں ملاحظہ ہو لوقا ۹/۲۷ ؛

نواں حوالہ۔ مرقس ۹/۴۷ میں حضرت مسیح فرماتے ہیں۔ یہ بہتر ہے۔ کہ انسان کانی آنکھ سے خدا کی بادشاہت میں داخل ہو۔ بجائے اس کے کہ دو آنکھ رکھتا ہوا جہنم میں داخل ہو۔ یہاں بھی سیاق کو مدنظر رکھتے ہوئے یہی ظاہر ہے۔ کہ اپنی نبوت کا ذکر کرتے ہیں۔ منشاء یہ ہے کہ ہر انسان حلقۂ ابرار میں داخل ہونے کے لئے ہر قربانی قبول کرے۔

دسواں حوالہ۔ مرقس ۱۰/۱۴-۱۵ میں حضرت مسیح اپنے اصحاب میں داخل ہونے والوں میں بچوں والا معصوم اور کامل ایمان چاہتے ہیں۔ کیونکہ نبی پر ایمان لانے والوں کو مخلص اور بے نفس دل ماننے چاہئیں۔ اور کامل اعتبار۔ اسی ضمن میں ملاحظہ متی ۱۸/۳ و ۱۹/۱۴ و ۱۰/۱۳ لوقا ۱۸/۱۶-۱۷ ؛

گیارہواں حوالہ۔ مرقس ۱۲/۳۴ ایک فقیہی کے اقرار پر کہ بڑا حکم خدا کی توحید کا اقرار ہے۔ اور اس سے اتر کر یہ کہ انسان خدا سے تمام دل و جان سمجھ عقل و طاقت سے محبت کرے۔ اور اپنے پڑوسی سے ایسی ہی محبت کرے جیسی کہ اپنے آپ سے۔ حضرت مسیح فرماتے ہیں وہ خدا کی بادشاہت کے بہت قریب ہے۔ منشاء یہ ہے۔ کہ ایسے شخص پر حقیقت جلد منکشف ہو جائیگی۔ اور وہ حلقۂ ابرار میں بہت جلد داخل ہو جائیگا یعنی حضرت مسیح کو مان لیگا۔

بارہواں حوالہ۔ مرقس ۱۴/۲۵ عشائے ربانی کے تقسیم کے وقت حضرت مسیح فرماتے ہیں۔ وہ انگوری شراب کو دوبارہ نہیں پئیں گے۔ جب تک کہ خدا کی بادشاہت نہیں آجاتی۔ یہ صلیب کے واقعہ سے پہلے کا ذکر ہے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے۔ کہ یہ کسی خاص امر کی طرف اشارہ ہے۔ جو ان کی اپنی نبوت یا اسی نبوت کے ضمن نتیجہ میں ہونے والا ہے۔ بہرحال صلیبی واقعہ سے پہلے کے زمانے کے متعلق بالکل نہیں۔ اسی ضمن میں ملاحظہ ہو لوقا ۲۲/۱۸-۱۶

تیرھواں حوالہ۔ مرقس ۱۵/۴۳ میں یوسف ارمیتا کے متعلق لکھا ہے۔ وہ خدا کی بادشاہت کا منتظر تھا۔ یعنے مسیح کی آمد کا۔ وہ حضرت مسیح کی لاش لینے آتا ہے۔ وہ آپ کا خفیہ مرید تھا۔ یہاں بھی نبوت ہی مراد ہے۔ اسی ضمن میں ملاحظہ ہو لوقا ۲/۲۵ و ۲۳/۵۱ ؛

چودھواں حوالہ۔ لوقا ۴/۴۳ و ۹/۲،۶۰،۶۲ حضرت مسیح اپنے دعویٰ کی تبلیغ کو خدا کی بادشاہت سے موسوم کرتے ہیں۔

پندرھواں حوالہ۔ لوقا ۶/۲۰ اپنے شاگردوں کو مخاطب کر کے حضرت مسیح فرماتے ہیں تم غریب مبارک ہو۔ کیونکہ خدا کی بادشاہت تمہاری ہے۔ منشاء یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تم غریبوں پر یہ فضل کیا ہے۔ کہ تمہیں اپنی ہی پہچان کا شرف بخشا۔ اسی ضمن میں ملاحظہ ہو متی ۵/۳-۱۲ ؛

سولھواں حوالہ۔ لوقا ۷/۲۸ اپنے شاگردوں کو مخاطب کرتے ہوئے حضرت مسیح فرماتے۔ خدا کی بادشاہت میں جو سب سے ادنیٰ حیثیت رکھتا ہے۔ وہ حضرت یحییٰ سے بڑا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ گو یہاں خدا کی بادشاہت سے مراد نبوت ہے لیکن اس سے حضرت مسیح کو یہ متعلق ایک ایسا خیال پیدا ہوا۔ جو بعد کے واقعات نے صحیح ثابت نہیں کیا۔ مگر چونکہ حضرت مسیح کا ایک تعلق نبوت محمدی سے بھی ہو جاتا ہے۔ اس لئے ممکن ہے۔ کہ وہ حق بجانب بھی ہوں اسی ضمن میں ملاحظہ ہو متی ۱۱/۱۱ ؛

سترھواں حوالہ۔ لوقا ۱۳/۲۸-۲۹ جو لوگ اپنے آپ کو سچے اور کامل ایمان پر بدنما ہیں کرتے۔ ان کے متعلق حضرت مسیح فرماتے ہیں۔ وہ حلقۂ نبوت سے خارج کر دیئے جائیں گے۔ اور نبی ان سے روز قیامت کہیگا۔ میں تمہیں نہیں پہچانتا ؛

اٹھارھواں حوالہ۔ لوقا باب ۱۴ میں حضرت مسیح اپنی نبوت کو نبوت محمدیہ کے لئے بطور ارہاص قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ یہودیوں سے نبوت چھین لی جائیگی۔ اور خدا کی بادشاہت میں ان کو داخل کر لیا جائیگا۔ جو ان لوگوں کی نظروں میں حقیر و ذلیل تھے اسی ضمن میں اپنے زمانہ کا بھی ذکر کر جاتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں جب تک انسان تمام علائق دنیاوی سے الگ ہو کر آپ کو تسلیم نہیں کرتا سچا متبع نہیں کہلا سکتا۔ بہرحال یہاں بھی نبوت مراد ہے۔ خواہ نبوت عیسوی یا نبوت محمدی یا ہر دو۔ تفصیل کے لئے اصل حوالہ مضمون کے آخر میں دیکھا جائے ؛

انیسواں حوالہ۔ لوقا ۱۶/۱۶ میں حضرت مسیح فرماتے ہیں۔ شریعت موسوی اور سلسلہ موسوی کا منتہا حضرت یحییٰ ہیں۔ آپ کی بعثت سے خدا کی بادشاہت کا دور شروع ہوتا ہے۔ لیکن اس غلط فہمی کے دور کرنے کے لئے کہ آپ گویا اپنے آپ کو شریعت موسوی یا سلسلہ موسوی سے الگ کرتے ہیں۔ یہ کہکر کرتے ہیں۔ کہ آپ نبوت موسوی کی آخری کڑی یعنے اس پیشگوئی کے پورا کرنے والے ہیں۔ کہ اب پرانا دور ختم ہے۔ اور نیا دور نہیں شروع ہو سکتا۔ جب تک کہ موسوی شریعت کے اختتام کے متعلق جو پیشگوئیاں آپ کی ذات سے وابستہ ہیں۔ وہ پوری نہ ہو جائیں۔ دوسرے لفظوں میں آپ دور اول کے خاتم اور دور دوم کے لئے بطور ارہاص ہیں۔

بیسواں حوالہ۔ لوقا ۱۷/۲۰-۲۱ فریسیوں کے مطالبہ پر کہ آسمانی بادشاہت کب آئیگی۔ آپ فرماتے ہیں۔ یہ واقعہ ایسا نہیں کہ ظاہری حواس سے اسے محسوس کیا جائے جس طرح کہ انسان مرئی اشیاء کو دکھا سکتا ہے کہ یہ ہے یا وہ ہے۔ وہ ایک غیر مرئی شئے ہے

اور دیکھنے والے دیکھ سکتے ہیں۔ کہ ان سے دربان آگئی ہے۔ یہاں آپ کی مراد ہے خاص نبوت کے آغاز و ظہور سے۔ حضرت مسیح کا الفاظ کے متعلق ہیر پھیر بتلا رہا ہے۔ کہ آپ کو احساس ہے۔ کہ اس کا اصلی ظہور و قیام ایک اور بڑی ہستی سے متعلق ہے۔ جیسا کہ آپ متی ۲۱/۳۳ و لوقا ۲۰/۹ و مرقس ۱۲/۱ میں بیان کرتے ہیں۔

اکیسواں حوالہ۔ لوقا ۱۸/۲۹ میں آپ فرماتے ہیں۔ اور جو لوگ میری خاطر قربانیاں کرتے ہیں۔ ان کو اس دنیا میں بھی اضعافاً مضاعفۃً ملیگا۔ آخرت میں اس سے بھی بڑھ کر۔ ان اپنی نبوت کو خدا کی بادشاہت قرار دیتے ہیں۔

بائیسواں حوالہ۔ لوقا ۱۹/۱۱ خدا کی بادشاہت کے بار بار اعادہ سے حضرت مسیح کے شاگردوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ کہ گویا وہ ابھی قائم ہونے والی ہے۔ حضرت مسیح اس غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ابھی تو شاگردوں رستبعین کے لئے ایک لمبا امتحان کا عرصہ آنے والا ہے جس کے بعد خدا کی بادشاہت اپنے اصل رنگ و روپ میں قائم ہوگی۔ پس آپ نے صاف طور پر اس غلطی کا ازالہ کر دیا۔ جو کہ یہ تھا ہے آپ کے اپنے زمانہ کو آسمانی یا خدائی بادشاہت قرار دینے سے پیدا ہوتا تھا۔ کیونکہ آپ تو آنے والے واقعات کا ایک پرتو یا جھلک اور عکس تھے۔ اور اصل کے لئے تیار یا جدوجہد ہیں۔

تیئیسواں حوالہ۔ لوقا باب ۲۱ میں حضرت مسیح نے ان تمام واقعات کا ایک مجمل نقشہ بتا دیا ہے۔ کہ خدا کی بادشاہت کی علامات کیا ہیں۔ اس کی ابتداء پہلے نقشے کے مٹانے سے شروع ہوگی۔ آپ کے واقعہ صلیب کے بعد یروشلم کی تباہی سے شروع ہوا۔ یہاں تک کہ ظہور قدسی کا وقت پورے جلال اور جمال کے ساتھ آجائیگا جس کی تکمیل اشاعت کے لئے ظہور مسیح محمدی ہوگا۔ یہاں حضرت مسیح بالوضاحت فرماتے ہیں۔ کہ جب یہ علامات پوری ہوتے دیکھو تو سمجھو۔ کہ خدا کی بادشاہت آگئی۔ اس باب میں حضرت مسیح کو یہ غلطی لگی۔ کہ دوبارہ آمد کو وہ اسی بعثت میں خیال کرتے تھے۔ حالانکہ اگر مسیحیوں کا خیال لیا جائے۔ کہ ان کا خیال اپنے متعلق ہے۔ تو یہ سب کچھ غلط ہو جاتا ہے۔ اور آپ کی کوئی بات پوری نہیں ہوتی۔

چوبیسواں حوالہ۔ یوحنا ۳/۳ میں حضرت مسیح فرماتے ہیں۔ جب تک خدا کا خاص فضل شامل حال نہ ہو۔ انسان کو شناخت انبیاء کی توفیق نہیں ملتی۔ یہ آپ نے نقودیمس کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ کیونکہ اس نے باوجود مخالفت عامہ آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔ اس شناخت انبیاء اور مصاحبت کی زندگی کو آپ "خدا کی بادشاہت" کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

یہاں تک تو میں نے "خدا کی بادشاہت" کے ان تمام جملوں کو لیا ہے۔ جو حضرت مسیح کی زبانی اناجیل مروجہ میں مذکور ہیں۔ اور میں نے دکھلایا ہے۔ کہ ان کا تعلق بالواسطہ یا بلاواسطہ نبوت سے ہے۔ کبھی وہ براہ راست حضرت مسیح کی اپنی نبوت ہے اور کبھی وہ نبوت عظمٰی جو بعد میں قائم ہونے والی ہے۔ یا پھر اس کا تعلق نبوت کے ساتھ ایمان عرفان اور قربانی اور تقویٰ اور صحبت صالحین سے ہے۔ اور صحبت صالحین سے مراد نبی کی صحبت اور قرب ہے؛

آسمانی بادشاہت

اب میں وہ مقام لیتا ہوں۔ جہاں حضرت مسیح نے آسمانی بادشاہت کے جملے کو استعمال کیا ہے؛

پہلا حوالہ۔ متی ۳/۲ میں حضرت یوحنا فرماتے ہیں۔ توبہ کرو۔ کیونکہ آسمان کی بادشاہت عنقریب قائم ہونے کو ہے۔ یہاں مطلب عیاں ہے۔ مراد اس سے حضرت مسیح کا زمانہ اور اس کے مابعد کے حالات جو یہود قوم پر بحیثیت ایک حامل شریعت قوم کے وارد ہونے والے تھے۔

دوسرا حوالہ۔ متی ۵/۳ یہاں ان دل کے غریبوں کا ذکر ہے۔ جو نبی کی خاطر ذلت برداشت کرنے کے لئے طیار ہیں۔ ان کو بشارت دیتے ہیں۔ کہ آسمان کی بادشاہت انہی کی ہے۔ یعنے نبی کی شناخت کی توفیق ان کو مل گئی ہے۔ ۵۔۷ میں یہ اس بڑی وعظ کا پہلا ٹکڑا ہے جس میں حضرت مسیح اپنی جماعت کو نصیحت فرماتے ہیں۔ کہ نبی کے صحابہ کو اپنے اندر یہ خصوصیات پیدا کرنی چاہئیں۔ ایک بات یہاں قابل غور ہے۔ متی نے یہاں عمومیت کا رنگ دیدیا ہے۔ حالانکہ لوقا نے لکھا ہے۔ کہ مبارک ہو تم جو غریب دل ہو۔ لوقا کا منشاء غیر قوموں کو مخاطب کرنے کا ہے۔ اور متی کے مخاطب یہود ہیں۔ متی کی انجیل عبرانی میں لکھی گئی۔ مگر لوقا کی یونانی میں۔ یا سریانی میں۔ اصل میں لکھنے والوں نے اپنے مخاطبین کو مد نظر رکھا ہے۔ مگر اس میں شک نہیں۔ کہ اس کے پہلے مخاطبین حضرت مسیح کے حواری ہیں۔ اور ان کے بعد اور جماعتیں۔ کیونکہ سب سے بڑا بوجھ ہر قسم کی قربانیوں کا نبی کے صحابہ پر ہی پڑتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ آسمانی بادشاہت کے وارث بن جاتے ہیں۔ اور ان کی اولاد در اولاد ان نعمتوں سے حصہ وافر پاتی ہے جو نبی کی متابعت کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ اسی ضمن میں حضرت مسیح آیت ۱۹ میں فرماتے ہیں۔ یہ باتیں بے حرمت خیال کی جائیں۔ کیونکہ ایسا کرنے والا آسمان کی بادشاہت میں ادنیٰ ترین لوگوں میں شمار کیا جائیگا۔ اور جو ان کو پوری اہمیت دیگا۔ وہ اس بادشاہت میں پورا حصہ پائے گا۔ اور بڑا بن جائے گا۔ پر اس مقام خوف کی طرف اشارہ ہے۔ جو انبیاء کی تعلیمات کی طرف توجہ نہ دینے سے پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ آپ فرماتے ہیں۔ کہ جب تک ظاہرداری کو چھوڑ کر ایمان پورے خلوص کی حد تک نہیں پہنچ جاتا۔ کوئی شخص آسمانی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتا؛

تیسرا حوالہ۔ متی ۷/۲۱ و ۸/۱۱ میں حضرت مسیح فرماتے ہیں۔ محض زبانی اقرار اور ایمان کافی نہیں۔ جب تک عملی طور پر اس کا اظہار نہ کیا جائے یعنی جب تک خدا کے نبی پر ایمان لانے کی وجہ سے تمام مصیبتوں اور بلاؤں اور امتحانوں کا مقابلہ ثابت قدمی سے نہ کیا جائے۔ اس وقت تک کوئی زبانی دعویدار سچا مخلص اور مومن نہیں بن سکتا۔ اور نہ ہی وہ آسمانی بادشاہت میں داخل ہو سکتا ہے۔ جہاں حضرت ابراہیم حضرت اسحٰق حضرت یعقوب علیہم السلام سب جمع ہونگے۔

چوتھا حوالہ۔ متی ۱۱/۱۲ یہ حوالہ واضح نہیں۔ تاہم حضرت مسیح کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ انبیاء کی جماعتوں کو ایک سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور ان مخالفین کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ نبوت کے پودے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں۔ مگر اللہ تعالیٰ مخالفین کے تمام منصوبے خاک میں ملا دیتا ہے۔ جہاں بھی آسمانی بادشاہت سے مراد نبوت اور نبیوں کی جماعت کے ہی ہیں۔

پانچواں حوالہ۔ متی باب ۱۳ میں حضرت مسیح نبوت پر ایمان لانے والوں کے مختلف مدارج کا ذکر کرتے ہیں۔ جن کے ایمان میں دنیاوی ملونی ہوتی ہے۔ ان کے قطع تعلق کا ذکر کرتے ہیں۔ کہ وہ کاٹ دیئے جائیں گے۔ اور جن کا ایمان خالص ہوتا ہے۔ ان کو اللہ تعالیٰ جسمانی اور روحانی ترقیات بے حساب عطا فرماتا ہے۔ پھر فرماتا ہے۔ نبوت کی بارش ان غرباء پر ہوتی ہے۔ جن کو دنیا حقیر و ذلیل سمجھ کر چھوڑ دیتی ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ کا ہاتھ ان کا دستگیر ہوتا ہے۔ ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلھم ائمۃ ونجعلھم الوارثین ونمکن لھم فی الارض۔ انہی پر صادق آتی ہے۔ اور منکرین و مکذبین کے لئے ونری فرعون وھامان وجنودھما منھم ما کانوا یحذرون۔

متی ۱۶/۱۹ پطرس کو اپنا خلیفہ مقرر کرتے ہوئے حضرت مسیح فرماتے ہیں۔ آسمانی بادشاہت کی چابیاں میں تیرے حوالے کرتا ہوں۔ یعنے میرے بعد میرا خلیفہ بلافصل ہونے کی حیثیت سے نبوت کی برکات تیرے ذریعہ سے جاری رہینگی؛

چھٹا حوالہ۔ متی ۲۳/۱۳ فقیہوں اور فریسیوں کو مخاطب کرتے ہوئے ملامت کرتے ہیں۔ کہ نہ تو خود تم ایمان لاتے ہو اور نہ دوسروں کو ایمان لا کر آسمانی بادشاہت میں داخل ہونے دیتے ہو۔

حضرت مسیح کی خاص دعاء

مذکورہ بالا مختلف حوالہ جات کے مطالعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ خدا کی بادشاہت یا آسمانی بادشاہت سے حضرت مسیح کا کیا مطلب ہے۔ اب اس مفہوم کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم حضرت مسیح کی اس دعا کو لیتے ہیں۔ جو آپ نے اپنے شاگردوں کو سکھائی جس کا نام لارڈز پریئر ہے۔ اس میں حضرت مسیح فرماتے ہیں ہمیشہ یہ دعا مانگتے رہو "اے ہمارے باپ جو آسمان پر ہے۔ تیرے نام کی تقدیس

اور تیری بادشاہت آوے۔ الخ"۔ یہاں حل طلب معمہ یہ ہے۔ کہ "تیری بادشاہت آئے" سے کیا مراد ہے۔ اگر اس سے مراد خدا کا قبضہ اور تصرف تھا۔ تو یہ تو ہر جگہ اور ہر وقت پہلے ہی سے اس نے تحصیل حاصل ہے۔ اگر کہا جائے کہ خدا کی بادشاہت سے حضرت مسیح کا زمانہ مراد ہے۔ تو وہ آ چکا تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ آپ کے ابدال کا زمانہ تو وہ بھی آپ کے ساتھ موجود تھا۔ اگر کہا جائے۔ کہ وہ روح القدس کے خاص نزول کے لئے تھا۔ جسے قدرت ثانیہ کہنا چاہیئے۔ تو پھر وہ بھی آ چکی یعنی دعا تو ہمیشہ کے لئے ہے۔ اگر کہا جائے کہ آپ کی آمد ثانی کے متعلق ہے تو اس کے متعلق خود انجیلوں میں لکھا ہے۔ کہ وہ زمانہ ایک پشت سے زیادہ تک کا نہیں۔ بلکہ آپ نے فرمایا۔ کہ آپ کے شاگردوں میں سے بہت سے زندہ ہونگے۔ جبکہ آپ دوبارہ تشریف لائینگے اور ابھی تک مخالفین مسیح اعتراض کرتے ہیں۔ کہ آپ کی یہ پیشگوئی غلط نکلی۔ تناسخ کے حضرت مسیح قائل نہیں تھے۔ کہ کہا جائے۔ آپ دوبارہ تشریف لائیں گے۔ ملاحظہ ہو انجیل یوحنا ۹۔ بروز کے آپ بے شک قائل تھے۔ لیکن بروز میں خوبو تو ہوتی ہے۔ اور پایہ و اقتدار بھی وہی تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ مگر وہ مختلف شخص ہوتے ہیں نیز آمد ثانیہ کا مسئلہ خود حضرت مسیح حل کر چکے ہیں جنہوں نے یحییٰ بیل فرمایا۔ کہ رجعت ثانی یا آمد ثانی کے معنے کسی دوسرے شخص کے اس قدرت اور طاقت اور روح کے ساتھ آنے کو کہتے ہیں۔ بہرحال آپ کی آمد ثانیہ نہیں ہو سکتی۔ آپ کا بروز آ سکتا ہے اس لئے اگر یہ دعا دائمی ہے۔ اور اس کا نتیجہ دائمی ہے۔ تو پھر یہ بادشاہت بھی دائمی چاہیئے۔ اس لئے ضروری ہوا۔ کہ اناجیل سے ہی دیکھا جائے"۔

خدا کی بادشاہت سے کیا مراد ہے

خدا کی بادشاہت یا تیری بادشاہت سے جو کچھ مراد ہے اس کے لئے میں تین انجیلوں کے حوالے تو درج کر دیتا ہوں۔ لیکن خلاصہ عبارت صرف ایک انجیل سے دیتا ہوں۔ ناظرین کی دلچسپی کے لئے یہ عرض کر دینا غیر ضروری نہ ہوگا۔ کہ تینوں انجیلوں میں عبارت بالکل ایک ہی انداز کی ہے۔ الفاظ جملے اور طرز کلام بالکل ایک سا ہے۔ صرف کسی میں ایک لفظ یا جملہ کم ہے یا زیادہ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ ٹکڑا حضرت مسیح کا الہامی کلام ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ ایک شخص نے انگورستان لگایا اور اس کو باغ کے مالیوں کے سپرد کر کے خود کسی اور ملک کا قصد کیا۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد جب فصل کا وقت آیا۔ تو اس مالک نے اپنے چند ایک نوکروں کو بھیجا۔ کہ وہ جا کر ان مالیوں سے بٹائی کر کے مالک کا حصہ لے آئیں۔ وہ نوکر گئے۔ لیکن مالیوں نے انہیں خوب پیٹا مارا اور ذلیل کر کے نکال دیا۔ مالک نے اس پر صبر کیا۔ دوسری فصل پر اس نے پھر اپنے نوکروں کو بھیجا۔ مالیوں نے ان کے ساتھ پھر ویسا ہی سلوک کیا۔ بلکہ بعض پر پتھراؤ بھی کیا۔ اس پر بھی اس باغبان نے صبر کیا۔ پھر فصل کے موقعہ پر اس نے نئے نوکروں کو روانہ کیا۔ ان کو بھی انہوں نے مارا پیٹا بلکہ بعض کو ذبح اور قتل کر ڈالا۔ اس پر بھی مالک نے نہایت تحمل کو کام میں لاتے ہوئے یہ مناسب خیال کیا۔ کہ اب کی دفعہ پھر دگر دوسرے کام لیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اب جبکہ پھر فصل کا موقعہ آیا۔ تو مالک نے خیال کیا۔ کہ اب کی دفعہ مجھے اپنے لڑکے کو بھیجنا چاہیئے۔ اس کو دیکھ کر اور میرا حقیقی وارث اور جائز جانشین اور قائم مقام خیال کر کے وہ کسی قسم کی شرارت نہ کرینگے۔ چنانچہ اس نے اب کی مرتبہ اپنا لڑکا بٹائی لینے کے لئے بھیجا۔ اس کو آتا دیکھکر مالیوں نے مشورہ کیا۔ کہ یہ نوجوان اصل باغبان کا اکلوتا بیٹا ہے۔ باغبان بڈھا ہے۔ اور یہ اس کا وارث حقیقی ہے۔ اگر یہ کسی طرح راستے میں سے ہٹ جائے۔ تو پھر یہ تمام انگورستان ہمارا ہو جائیگا۔ اور آئندہ کے لئے تمام خرخشہ مٹ جائیگا۔ چلو اس کا کام تمام کر دیں۔ چنانچہ یہ منصوبہ باندھ کر وہ سب باہر نکلے۔ اس نوجوان کو باغ کے باہر ہی پکڑ لیا۔ اور مار کر ایک گڑھے میں دفن کر دیا۔ اور اپنی طرف سے مطمئن ہو کر بیٹھ گئے۔

یہاں تک تمثیل بیان کرنے کے بعد حضرت مسیح اپنے یہودی مخالفین سے دریافت کرتے ہیں۔ پھر تم جانتے ہو کہ باغبان ان شریر مالیوں سے کیا سلوک کریگا۔ انہوں نے ایک آواز ہو کر کہا۔ کہ وہ آئیگا۔ اور ان کو سزا دیکر باغ ان سے چھین لیگا۔ اور وہ دوسرے ایسے لوگوں کے حوالے کریگا۔ جو اس کا حصہ برابر اس کو دینگے۔ اور پہلے شریروں کو تباہ کریگا۔ اور ذلت کی موت انکو ماریگا۔ اس پر حضرت مسیح کے مخاطبین چونک پڑتے ہیں۔ اور سمجھ جاتے ہیں۔ کہ اس وعید کے مخاطب وہی ہیں۔ وہ پکار اٹھتے ہیں۔ معاذ اللہ۔ خدا نہ کرے۔ لیکن حضرت مسیح اپنی بات پر زیادہ زور دیکر فرماتے ہیں۔ تم جو معاذ اللہ کہہ رہے ہو۔ کیا تم نے نہیں پڑھا۔ کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا۔ وہی آخر کونے کا سرا ہوا۔ یہ خدا کے کام ہیں۔ ہو کر رہیں گے۔ نوشتوں کا لکھا ہوا ضرور پورا ہوگا۔ خواہ ہماری نظروں کو کیسا ہی انوکھا معلوم ہو۔

پھر آپ نے یہاں تک زور دیا کہ فرمایا۔ وہ پتھر جس پر گریگا۔ اس کو چکنا چور کر دیگا۔ اور جو اس پر گریگا۔ وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جائیگا جب حضرت مسیح یہ کہہ رہے تھے۔ تو ان یہودی علماء کے غیظ و غضب کی انتہا نہ رہی۔ اور انہوں نے آپ پر ہاتھ ڈالنا چاہا۔ مگر آپ بچ کر نکل گئے۔

تمثیل کی تشریح

یہ قصہ نہایت ہی قابل غور ہے۔ تینوں اناجیل میں بجنسہ اسی مفہوم کے ساتھ آتا ہے۔ اور سب کی عبارت قریباً قریباً یکساں ہے۔ پہلے انبیاء کو حضرت مسیح مالیوں اور نوکروں سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اور تمام اناجیل اور مسیحیوں کے متفقہ عقیدہ کے رو سے حضرت مسیح کی حیثیت ابن اللہ والی مانی گئی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ بیٹا تو واقعہ صلیب کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ پھر تو مالک اور باغبان نے خود آنا ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح کی ابنیت مجازی ہے۔ ویسے ہی اب باپ یا باغبان کی حیثیت میں بھی مجاز کو ہی ماننا پڑے گا۔ یہ ایک ایسے عظیم الشان انسان کی بعثت کی طرف صریح اشارہ ہے جس کا آنا گویا خدا کے خود آنے کے مترادف ہے۔ تاریخ اور مذہب ہر دو بتلاتے ہیں۔ کہ وہ مالک و آقا۔ **آقائے دوجہان سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم** کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہی ہیں۔ جو باغبان کی آمد ثانی ہیں۔ پہلا باغبان موسیٰ تھا موسیٰ کا انگورستان یہود کے پاس آیا۔ جنہوں نے فصل پر بٹائی دینے سے انکار کیا۔ نبیوں کو وہ مارتے پیٹتے قتل اور ذبح کرتے رہے۔ اور بعض پر انہوں نے پتھراؤ بھی کیا۔ حضرت مسیح جیسے بیٹے کو بھی آخر صلیب پر چڑھا دیا۔ مالک نے دوبارہ آنا تھا۔ خدا کی شریعت کا دوسرا اور کامل نزول ہونا تھا۔ اور بنی اسمٰعیل جس کو یہودی اپنے زعم میں ہمیشہ کے لئے آسمانی برکات محروم گردان بیٹھے تھے۔ آخر انہی میں سے وہ دُرِّ یتیم شاہنشاہ ہفت اقلیم سرور کونین ظاہر ہوا۔ اس لئے آپ کی آمد خدا کی آمد ہے۔ مسیح کی ابنیت بھی روحانی طور پر یک طرح سے ثابت۔ کیونکہ مثیل مسیح نے محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روحانی بیٹا ہونا تھا۔

اب میں قارئین الفضل کی دلچسپی کے لئے اس انگورستان والی تمثیل کے حوالے درج کر دیتا ہوں۔ جن کا مطالعہ میں سمجھتا ہوں ازدیاد ایمان کا موجب ہوگا۔

متی $\frac{21}{33-43}$ مرقس $\frac{12}{1-10}$ لوقا $\frac{20}{9}$ اور اسی ضمن میں یوحنا $\frac{1}{19-21}$ و یوحنا الہوب ۱۴ و ۱۶ ؛

"تیری بادشاہت آئے" چونکہ دائمی دعا ہے۔ اور اس کا نتیجہ بھی دائمی چاہیئے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ وہ بادشاہت آسمانی ہمیشہ کے لئے قائم رہنے والی ہو۔ اور اس کے فیوض و برکات تا قیامت دامن پھیلائے ہوئے ہوں۔ اسی لئے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وہ امت کیسے تباہ ہو سکتی ہے جس کے اول میں اور جس کے آخر میں مسیح موعود ہے۔ میں دعا کرتا ہوں۔ کہ ہم تمام کو خدا تعالےٰ توفیق عطا فرمائے۔ اور اپنے فضل سے اس دائمی بادشاہت میں حصہ دار لینے کا مستحق قرار دے ؛

جب ہرقل شہنشاہ روم کے سامنے ابوسفیان مسلمانوں کے خلاف پیش ہوا۔ اور ہرقل نے پوچھا کیا تم نے اس (نبی کریم) کے دعوے سے پہلے کبھی اس کا کوئی جھوٹ دیکھا۔ تو اس سے سوائے "لا" کے کوئی جواب نہ بن پڑا ؛

بیکسوں کا حامی

(از سیدہ منزالسلام بیگم صاحبہ بنت حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے)

میں جس جلیل القدر اور عظیم الشان ہستی کے اخلاقِ حمیدہ کا ذکر کرنے لگی ہوں۔ اس کی عظمت کا ہر پاک دل معترف اور اس کے احسان کی ہر صداقت شعار زبان اقراری ہے۔ آپؐ ایک ایسے زمانہ میں مبعوث ہوئے۔ جبکہ دنیا بحرِ ضلالت میں غرق تھی۔ اور عدل کا نام و نشان تک مفقود تھا۔ خدا تعالےٰ کی مخلوق ظلم و ستم کا شکار ہو رہی تھی۔ خصوصاً انسانوں سے عورت کی تو اس زمانہ میں حد درجہ کی بے قدری تھی۔ اس پر وہ ظلم روا رکھے جاتے تھے کہ جن کے خیال سے بھی روح کانپتی ہے۔ انہیں مظالم میں سے دختر کشی کی رسم تھی۔ جس سے بڑھ کر ظلم اور کیا ہو سکتا ہے۔ ان حالات کو دیکھ کر خدا تعالےٰ کی رحمت جوش میں آئی۔ اور پردۂ غیب سے خدا تعالیٰ کی رحمت ہمارے پیارے ہادی رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شکل میں نازل ہوئی:

اہلِ عرب کی حالت

اس زمانہ میں عرب جو کہ آپ کا ملک تھا۔ اس کی حالت تو خراب تھی۔ اس کے علاوہ تمام ملکوں میں مذہبی اور اخلاقی حالت نہایت پست تھی۔ مذہب اور اخلاق تو کیا۔ شرافت بھی گویا دنیا سے مفقود ہو چکی تھی۔ شراب خوری۔ قمار بازی۔ ظلم و ستم۔ دھوکہ۔ فریب اور پھر شرک و بت پرستی غرضیکہ جو بھی دنیا کا عیب تھا۔ وہ عربوں میں موجود تھا۔ ایسے مذموم افعال پر شرمندگی محسوس کرنا تو درکنار بدی کا احساس بھی ان لوگوں کے دلوں سے اُٹھ گیا تھا۔

اسلام نے کیا تبدیلی کی

اس زمانہ میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پیدا ہو کر اس بگڑی ہوئی قوم کی تربیت کی۔ اور ان میں پاکیزگی کی روح پھونکی۔ جیسا کہ قاعدہ ہے لوگوں نے اس کا مقابلہ کیا۔ اور سخت مقابلہ کیا۔ مگر آپ رسول کی۔ لعنت کی ذرّہ بھر پروا نہ کرتے ہوئے اپنے کام میں صبر و استقلال سے لگے رہے۔ آپ نے لوگوں کی طرف سے ہر قسم کی اذیتیں سہیں۔ دُکھ اُٹھائے۔ مگر اُف تک نہ کی۔ بلکہ نہایت صبر و استقلال سے ہر قسم کی مصیبت کو برداشت کیا۔ آخر کار نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بہادر انسان جو کہ یہ عزم لے کر کھڑا ہوا تھا۔ کہ میں نے خدائے پاک کے بتلائے ہوئے صحیح راستہ پر لوگوں کو چلانا ہے۔ غالب آیا۔ اور لوگوں کے دل اس کی پاکیزگی اور نیک تعلیم سے مغلوب ہو گئے۔ جہاں ظلم و تعدی کی حکومت تھی۔ وہاں عدل و انصاف کا دور دورہ ہو گیا۔ جہاں جہالت کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ وہاں علم کا سورج چمکنے لگا۔

رسولِ کریمؐ کی رواداری

آج وسعتِ خیالی اور تہذیب اور شائستگی درجہ کمال کو پہنچی ہوئی سمجھی جاتی ہے۔ مگر آج بھی ایک مندر میں اگر کوئی غیر ہندو داخل ہو جائے۔ تو مندر والوں کے خیال میں مندر ناپاک ہو جاتا ہے۔ حتےٰ کہ ایک خدا اور ایک رسول کے ماننے والے بھی ایک دوسرے کو اپنی مسجد میں کھڑا ہونے نہیں دیتے۔ مگر اس زمانہ میں جبکہ عرب پر جہالت اور تاریکی کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس نصاریٰ کا ایک وفد آیا۔ تو آپ نے انہیں نہایت عزت کے ساتھ اپنے پاس جگہ دی۔ اور جب ان کی عبادت کا وقت قریب آیا۔ اور ان کی نظریں اپنے لئے کسی عبادت گاہ کی متلاشی ہوئیں۔ تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو اپنی مسجد کے اندر عبادت کی اجازت دی۔ یہ مثال بتاتی ہے۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دل میں کس قدر وسعت اور کس قدر رواداری تھی۔

لکھا ہے۔ ایک دفعہ کسی یہودی کی نعش جا رہی تھی۔ جب وہ قریب آئی۔ تو رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُٹھ کھڑے ہوئے۔ صحابہ کرام میں سے ایک نے تعجب سے کہا۔ یا رسول اللہؐ یہ تو یہودی کی نعش ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کیا اس میں خدا کی پیدا کی ہوئی جان نہیں تھی؟ اللہ اللہ کیا ہی بلند اخلاق تھے۔

خدا ترسی

خدا ترسی آپ کی زندگی میں ایک نمایاں جگہ رکھتی تھی۔ آپ کی زندگی پر اگر غور کیا جائے۔ تو اس کی صدہا مثالیں ملینگی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ جنگ بدر کے موقعہ پر آپ کے چچا حضرت عباسؓ قید ہو گئے۔ حضرت عباس دل میں تو اسلام کی خوبیوں کے قائل ہو چکے تھے۔ مگر کفار کے ورغلانے سے جنگ بدر میں شریک ہوئے۔ جب فتح ہوئی۔ تو دوسرے قیدیوں کی طرح وہ بھی رسیوں کے ساتھ باندھ دیئے گئے۔ وہ چونکہ نازو نعم میں پلے ہوئے تھے سخت تکلیف ہوئی۔ اور انہوں نے کراہنا شروع کیا۔ ان کے کراہنے کی آواز جب رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کانوں تک پہنچی۔ تو آپ نے اپنی طبعی محبت کی وجہ سے گھبراہٹ اور بے چینی میں کروٹیں بدلنا شروع کیں۔ صحابہ کرام نے جب یہ حال دیکھا۔ تو انہوں نے حضرت عباس کی رسیاں ڈھیلی کر دیں۔ جب ان کی تکلیف میں کمی ہوئی۔ اور انہوں نے کراہنا بند کر دیا۔ تو رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کی وجہ پوچھی۔ صحابہ نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ آپ کی تکلیف کو دیکھ کر ہم نے ان کی رسیاں ڈھیلی کر دی ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اگر ایسا کرتے ہو۔ تو دوسرے قیدیوں کی رسیاں بھی ڈھیلی کر دو۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ عباس کے ساتھ میری رشتہ داری کی وجہ سے کوئی امتیازی سلوک کیا جائے۔ چنانچہ سب کی رسیاں ڈھیلی کر دی گئیں۔

رسولِ کریمؐ کا عفو

رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عفو کا بھی ایک اعلےٰ نمونہ تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے بعض صحابہ نے عرض کی۔ کہ اب کفار کی ایذا رسانی انتہاء کو پہنچ گئی ہے۔ آپ ہم کو اجازت دیں۔ کہ ہم کفار کا مقابلہ کریں۔ اور ان سے لڑیں۔ آپ نے فرمایا انی امرت بالعفو فلا تقاتلوا۔ یعنی مجھے تو ابھی تک عفو کا حکم دیا گیا ہے۔ میں تم کو لڑنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ صحابہ کا رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہر حکم کے آگے سرِ تسلیم خم تھا۔ انہوں نے آپ کے حکم کو مان کر ایسے صبر و برداشت سے کام لیا کہ تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

طبقۂ نسواں پر آپ کی رحمت

رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمام دنیا کے لئے ایک مجسمۂ رحمت تھے۔ مگر خصوصاً طبقۂ نسواں کے لئے تو آپ کا وجود نہایت ہی بابرکت تھا۔ آپ اس زمانہ میں پیدا ہوئے جبکہ دنیا میں چاروں طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اور خصوصاً خطۂ عرب تو بالکل جہالت کے عمیق ترین گڑھے میں پڑا تھا۔ اس وقت خدا کا یہ بندہ اپنے خالق و مالک اور رحیم و کریم خدا پر بھروسہ کر کے عورتوں کی حمایت میں کھڑا ہوا۔ اس وقت جبکہ عورتوں کو جانوروں سے بھی بدتر سمجھا جاتا تھا۔ اس وقت جبکہ اس غریب ہستی پر ہر قسم کا ظلم و ستم روا سمجھا جاتا تھا۔ اس وقت جبکہ عورت کا کوئی حق نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اس کو ورثہ تک سے محروم کر دیا جاتا تھا۔ بلکہ اس کو ورثہ کا ایک حصہ قرار دے کر ورثہ میں تقسیم کر لیا جاتا تھا۔ اس وقت جبکہ اس کی پیدائش پر اس کے باپ کی حالت شرم اور ذلت کے احساس سے ناگفتہ بہ ہو جاتی تھی۔ ہاں اس وقت جبکہ اس کی ماں اس کو ایک جرم سمجھ کر چھپاتی پھرتی تھی۔ اور جبکہ اس کو زندہ درگور کر کے اس کا باپ یہ سمجھتا تھا۔ کہ میں نے دنیا میں اپنی ناک کٹنے سے بچا لی ہے۔ ہاں ہاں! اس وقت یہ نبیوں کا سردار ان کے لئے ایک رحمت بن کر آیا۔ اور ان کو نہ صرف ان ظلموں سے نجات دی۔ بلکہ ثابت کر دیا۔ کہ عورت ایک ذلیل چیز نہیں۔ بلکہ قابلِ قدر ہستی ہے۔ آپ نے دنیا کو بتایا۔ کہ عورت وہ ہستی ہے کہ جو صرف اپنی ذات میں قابلِ قدر ہے۔ بلکہ وہ اس لئے بھی قابلِ قدر ہے کہ اس کی تربیت میں پرورش پا کر اور اس کے بطن سے پیدا ہو کر مرد کی سی قوی ہستی دنیا میں کام کے قابل بنتی ہے۔ الغرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عورت کو ہر بات میں بڑھایا۔ اور ان کو مردوں

اس ہیڈنگ سے یہ مراد نہیں ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بادشاہ نہ تھے۔ بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے۔ کہ مخالفین اسلام نے جو یہ اعتراض کیا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم دُنیادار بادشاہ کی طرح تھے۔ نبوت والی بات ان میں نہ تھی۔ یہ اعتراض سراسر غلط ہے۔ ہمارا دعوےٰ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ صرف کامل نبیؐ تھے۔ بلکہ کامل شہنشاہ بھی تھے۔ یعنی وُہ بہترین لیاقت اور اعلےٰ انتظامی قابلیت اور اکمل قانون سازی جو دُنیا کی بادشاہی کے لئے درکار ہے آپؐ میں موجود تھی۔ مگر پھر بھی آپؐ کا اصل عہدہ اور کمال نبوت ہی میں مرکوز ہے۔ اور آپؐ کی بادشاہی آپؐ کی نبوت کے کمال کے اظہار کے لئے تھی۔ نہ کہ بذاتِ خود کوئی اصل چیز۔ بادشاہی آپؐ کو اس لئے دی گئی تھی۔ تاکہ شریعت اسلام کی ترویج آپؐ اپنے سامنے کر سکیں۔ اور تاکہ اپنے بعض اخلاق فاضلہ کا اظہار کریں۔ نیز وُہ آپؐ کی کامیابی اور صدق کا بھی نشان تھی ۔

مگر ہمارے مخالف جب آپؐ کو بادشاہ کے لفظ سے مخاطب کرتے ہیں۔ تو اُن کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم دُنیادار اور دنیا پرست بادشاہوں کیطرح ایک انسان تھے۔ اور جس طرح ہزارہا اور نفس پرست بادشاہ دُنیا میں گزرے ہیں۔ نعوذ باللہ اسی طرح کے آپؐ بھی ایک بادشاہ تھے۔ نبوت والی کوئی خصوصیت آپؐ میں نہ تھی۔ پس ہم اس مضمون میں ہمیشہ **بادشاہ** کے لفظ سے دنیادار بادشاہ مُراد لیں گے۔ اور جب کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بادشاہی کا ذکر کریں گے۔ تو اس کا نام خلافت رکھیں گے۔ کیونکہ وُہ واقعی عام بادشاہتوں سے بالکل ایک ممتاز اور علیحدہ چیز ہے۔ جس کو کوئی مشابہت بھی سکندر۔ اور دارا۔ قیصر اور نپولین وغیرہ کی بادشاہتوں سے نہیں ہے ۔

بادشاہوں کی چند خصوصیتیں

یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ بادشاہوں میں چند باتیں عموماً پائی جاتی ہیں۔ مثلاً شان و شوکت کی زندگی۔ نام آوری کا خیال۔ زرق برق۔ ملک گیری۔ جتھابندی۔ حرص مال و منال۔ قومی تفوق انتقام۔ دولت اور حسین عورتوں کے لئے جنگیں۔ قتل و غارت۔ لُوٹ کھسوٹ وغیرہ۔ اور یہ باتیں خصوصاً ان بادشاہوں میں بہت نمایاں طور پر واضح ہوتی ہیں۔ جو ادنےٰ حالت سے بادشاہی پر پہنچتے ہیں۔ بے رحمی۔ سنگدلی۔ ظلم اور تاخت و تاراج۔ ان کے کیرکٹر کا ایک بڑا نمایاں پہلو ہوتا ہے۔ اور ایسے ہی بادشاہوں سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت بھی خاندانی نہ تھی۔ بلکہ خود حاصل کردہ تھی۔ کیونکہ آپؐ خلافتِ اسلام کے مورث اول تھے۔ اور آپؐ سے پہلے عرب میں نہ کوئی بادشاہت تھی۔ نہ منظم حکومت۔ اس صورت میں اگر تاریخ یہ شہادت دیدے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ویسی ہی بادشاہت کا نمونہ دکھایا۔ جو دُنیا کے اور بادشاہ دکھاتے رہے ہیں۔ تو ہم مان لیں گے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی دُنیا کے بادشاہوں میں سے ایک تھے۔ لیکن اگر تاریخ یہ شہادت دے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برخلاف دُنیا کے مروجہ نمونوں کے ایک بالکل نئی قسم کی مثال پیش کی ہے۔ تو پھر مخالف کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ آپؐ دُنیاوی بادشاہ نہ تھے ۔

مفتوح دشمنوں سے سلوک

بادشاہوں کا عموماً یہ دستور ہے۔ کہ جب وُہ کسی ملک کو تصرف میں لاتے ہیں۔ تو وہاں کے مخالفین کو ذلیل اور فنا کر دیتے ہیں۔ برخلاف اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پُرانے قابضوں کے حقوق قائم رکھے۔ فتح مکہ کے وقت حضرت علیؓ نے کعبہ کی کنجی بڑے اصرار سے مانگی۔ مگر آپؐ نے ان کو عنایت نہ فرمائی۔ بلکہ اصلی کنجی بردار حضرت عثمانؓ کو بلا کر واپس دیدی۔ اسی طرح عکرمہ ابن ابوجہل کے اطاعت کر لینے پر ان کی عزت افزائی فرمائی۔ اور کوئی انتقام نہ لیا۔ حضرت خالد بن ولید جن سے جنگ احد میں اس قدر تکلیف پہونچی تھی۔ ان کی وُہ قدر کی کہ سیفٌ من سیوف اللہ بنا دیا۔ اسی طرح عمرو ابن عاص اور ابوسفیان وغیرہ سب نہایت خطرناک دشمن تھے۔ مگر ہتھیار ڈالتے ہی پہلے سے زیادہ معزز اور مکرم ہو گئے ۔

مال و دولت سے استغنا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ اپنے لئے فقر اور زُہد کو اختیار کیا۔ بادشاہ ہمیشہ مال و دولت سے اپنے خزانے پُر کیا کرتے ہیں۔ برخلاف اس کے آپؐ کا یہ حال تھا۔ کہ جب کبھی مال باہر سے آتا۔ تو سب کا سب تقسیم کر کے ہاتھ خالی اٹھا کرتے یہاں تک کہ مرض الموت میں گھر والی سے کہا۔ کہ کچھ سونا بچا ہوا گھر میں پڑا ہے۔ فوراً تقسیم کر دو۔ کیا میں اپنے رب سے بدظن ہو کر ملوں گا۔ گھروں کی حالت دیکھو۔ تو حیرانی ہوتی ہے۔ پھونس اور کچی مٹی کے چھوٹے چھوٹے سے جھونپڑے تھے۔ جن میں خود اور اہل بیت زمین پر سویا کرتے تھے۔ اور ابتداء سے آخر تک ان کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلوک فتوحات کے بعد بھی غیروں سے شاہانہ نہ تھا۔ بلکہ نبیوں والا تھا۔ فتح مکہ کا دن تھا۔ آپؐ ایک فاتح جرنیل کی طرح لوگوں کی قسمت کا فیصلہ کرنے بیٹھے تھے۔ کہ ایک شخص کو دیکھا۔ ہیبت اور رعب کے مارے بیچارے کے حواس بجا نہ تھے۔ سر سے پیر تک تھر تھر کانپ اٹھا۔ اسے مخاطب کر کے فرمایا۔ کیوں ڈرتا ہے۔ میں تو ایک غریب قریش عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت بھی کھایا کرتی تھی ۔

دوسری طرف آپؐ کی مدنی زندگی کو دیکھو۔ کہ باوجود حکومت کے کیسی بے تکلفی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ صحابہ میں بیٹھے ہوتے تو باہر سے آنے والوں کو معلوم نہ ہوتا۔ کہ آقا کون ہے اور خادم کون۔ کوئی کام ہوتا۔ تو سب کے ساتھ مل جل کر کر لیا کرتے تھے۔ گھر والوں کا ہاتھ گھر کے کاموں میں بٹاتے۔ مثلاً بکری دوہ لی۔ پھٹی جوتی یا ڈولا ڈول سی لیا۔ پیوند والے کپڑے پہننے سے عار نہ تھی۔ غلاموں سے مل کر برابر کام کر لیا کرتے تھے۔ شہر کی لونڈیاں لے جاتیں۔ اور آپؐ سے اپنے کام کرا لیا کرتی تھیں۔ کیا بادشاہ ایسی باتیں کیا کرتے ہیں ۔

قریبیوں کے حقوق

تمام بادشاہوں نے اپنی اولاد اور قریبیوں کے حقوق سلطنت میں قائم کئے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا نہیں کیا۔ مرض الموت میں حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ سے کہا۔ کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی خلافت کے متعلق اس وقت کچھ بند و بست کرا لو۔ حضرت علیؓ نے ان کی بات نہ مانی۔ اور کہا کہ اگر اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکار کر دیا۔ تو پھر ہم کو خلافت کبھی بھی نہ ملے گی۔ وُہ خُوب جانتے تھے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ذات یا عزیزوں کے لئے کبھی کوئی حق قائم نہیں کریں گے۔ اس لئے انہوں نے ایسا مطالبہ کرنا بھی نامناسب خیال کیا۔ اسی طرح جب جنگی قیدی کثرت کے ساتھ آئے۔ اور آپؐ نے ان کو گھر گھر تقسیم کر دیا۔ تو حضرت فاطمہ رضؓ بھی حاضر ہوئیں۔ کہ ہمیں بھی ایک قیدی کام کاج میں مدد دینے کے لئے مل جائے۔ مگر آپؐ نے انکار کر دیا۔ حالانکہ لختِ جگر کے جسم پر مشک کے بوجھ اور چکی کی رگڑ سے نشان پڑ گئے تھے ۔

صدقات کا مال سب اندازاً آتا تقسیم ہوا۔ تو فرمایا۔ یہ تو غرباء کے لئے ہے۔ آلِ محمدؐ کے لئے صدقہ حرام ہے۔ کیا یہ بادشاہت ہے یا نبوت؟

ایفائے عہد

اب آؤ۔ ایک نظر ادھر ڈالیں۔ بدر کی جنگ ہے۔ دشمن پورے ساز و سامان سے حملے کو تیار کھڑا ہے۔ مگر ادھر کیا حال ہے۔ ہزار کے مقابلہ پر تین سو آدمی ہیں۔ جن کے بدن پر زرہ تو کیا پہننے کو کپڑا بھی نہیں۔ شہنشاہِ دو عالم جو اس فوج کا سپہ سالار ہے مٹی پر سر بسجود پڑا ہے۔ دعا ہو رہی ہے۔ آنکھوں سے عجز و نیاز آنسو بن کر ٹپک رہا ہے۔ آخر سر زمین سے اٹھتا ہے۔ اور منہ سے نکلتا ہے۔ سیھزم الجمع و یولون الدبر۔ یعنی یہ سب شکست کھا کر بھاگ جائیں گے۔ لڑائی شروع ہوتی ہے۔ مگر اکثر بے ہتھیار سپاہی ہیں۔ دشمن شراب پلا پلا کر اپنے سپاہیوں کو جوش دلاتا ہے۔ مگر یہاں تین تین دن کے فاقے کے مارے آگے بڑھتے ہیں۔ اور ان کے مقابلہ پر پیش ہوتے ہیں۔ دو آدمی مدد کے لئے وقت پر میدان جنگ میں پہنچ گئے۔ مگر عرض کرتے ہیں۔ کہ ہم مکہ والوں سے عہد کر کے آئے ہیں۔ کہ جنگ میں حصہ نہ لیں گے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ کہ تم اپنا عہد پورا کرو۔ اور فوج سے الگ کھڑے ہو جاؤ۔ اللہ ہمارا مددگار ہے۔ کیا دو دل کے زور پر فتح اور پیشگوئیوں کے اعلان کے موجب کامیابی انبیاء کا کام ہے۔ یا بادشاہوں کا؟ قیصر جرمنی اپنی فوج کو سیدھا پیرس سے جانے کے لئے بلجیم میں سے گزارتا ہے۔ اور عہد ناموں کو ردی کاغذ کا پرزہ کہہ کر ان کی ذرہ بھر پرواہ نہ کرتا ہوا یک طرفہ جانبدارانہ رنگ میں تاخت و تاراج شروع کر دیتا ہے۔ ادھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پابندیٔ عہد کو ملاحظہ کرو۔ کہ ان مسلمانوں سے فرماتے ہیں۔ چونکہ تم اہل مکہ سے اقرار کر چکے ہو۔ اس لئے باوجود اس کے کہ ہم پر سخت مصیبت کا وقت ہے۔ میں تم کو شمولیتِ جنگ کی اجازت نہیں دیتا۔ ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا۔

پیٹ پر پتھر

خندق کی کھدائی زوروں پر ہے۔ رعایا اور سپاہی۔ اور سردار سب کھدائی کا کام کر رہے ہیں۔ بھوک کے مارے چہرے اُترے ہوئے ہیں۔ فاقہ کی تکلیف کم کرنے کو سب نے پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے ہیں۔ مگر یہ دیکھ کر آپ تعجب کریں گے کہ سپاہی کے پیٹ پر ایک پتھر بندھا ہے۔ اور شاہنشاہِ کونین کے پیٹ پر دو پتھر۔ کیا اس ایثار اور ایسی نفس کُشی کی بادشاہوں سے توقع کی جا سکتی ہے؟

کبھی بادشاہ نہ کہلائے

کبھی آپ کے مُونہہ سے کسی نے نہیں سُنا۔ کہ میں بادشاہ ہوں۔ جو خیال دل میں ہوتا ہے۔ وُہ کبھی نہ کبھی زبان پر آ جاتا ہے مگر حضورؐ کی زبان مبارک سے جب کبھی نکلا یہی نکلا میں خدا کا رسولؐ اور اس کا نبی ہوں۔ اس بات کو مدینہ کی لڑکیاں تک جانتی تھیں۔ بیاہ شادی کے گانے میں وُہ گا رہے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق بھی گیت گایا کرتی تھیں۔ مگر کبھی یہ کہکر نہیں۔ کہ حضورؐ بڑی شان و شوکت والے بادشاہ ہیں۔ بلکہ یوں گاتی تھیں۔ ؎

وفینا رسول اللہ یعلم ما فی غدٍ

یعنی ہم میں خدا کا نبی موجود ہے۔ اور اس پر آئندہ کی خبریں کھولی جاتی ہیں۔ حنین کی جنگ میں آپؐ کا نعرہ یہی تھا ؎

انا النبی لاکذب ✣ انا ابن عبد المطلب

کبھی کسی نے آپ سے خود آپؐ کی صداقت کی بابت قسم لی۔ تو آپؐ نے یہی فرمایا۔ کہ خدا کی قسم ہاں میں خدا کا نبی ہوں۔

بے نظیر انصاف

بادشاہ اور اس کے قرباء جو ظلم چاہیں کریں۔ ان سے کوئی پوچھ گچھ نہیں ہو سکتی۔ حتیٰ کہ موجودہ زمانہ میں بھی بادشاہ کی ذات۔ جرم اور قانونی گرفت سے بالا سمجھی جاتی ہے۔ انگلستان تک میں یہی حال ہے۔ ادھر حضورؐ کا یہ حال دیکھو۔ کہ ایک معزز خاندان کی عورت چوری کے جرم پر پیش ہوتی ہے۔ سزا کا حکم ملتا ہے۔ حضورؐ کے بڑے پیارے صحابی اس کی سفارش کرتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ کہ اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے گی تو اس کا بھی ہاتھ کاٹا جائے گا۔ کیا اس انصاف کی بادشاہوں سے امید ہو سکتی ہے۔

ساتھیوں کی فدائیت

صلح حدیبیہ کے دن عروہ مکہ والوں کی طرف سے سفیر ہو کر آئے۔ جب واپس گئے۔ تو انہوں نے اہل مکہ سے کہا۔ کہ میں نے قیصر و کسریٰ جیسے عظیم الشان بادشاہوں کے دربار دیکھے ہیں۔ مگر محمدؐ کا اور ہی رنگ ہے۔ اس کے صحابہ اس کے وضو کے پانی پر لڑتے ہیں۔ اور لعابِ دہن تک زمین پر گرنے نہیں دیتے۔ یہ وہ فدائیت تھی۔ جو بادشاہوں کے دفعا میں نہیں پائی جاتی۔ صحابہ کو جو تعلق آپؐ سے تھا۔ وُہ دُنیا کے ہر تعلق سے بڑھ کر تھا۔ بادشاہوں سے تعلقات پولٹیکل فوائد کے لئے ہوتے ہیں۔ صحابہؓ کو آپؐ سے عشق تھا جس کی نظیر دُنیاوی رشتوں میں نہیں پائی جاتی۔ عمرؓ جیسا مضبوط دل والا انسان آپؐ کے انتقال کی خبر سنکر دیوانہ ہو گیا عورتوں تک کا یہ حال تھا۔ کہ جنگ اُحد میں ایک انصاری خاتون کا باپ۔ بھائی۔ خاوند سب مارے گئے۔ مگر یہ خبر سنکر وُہ یہی پوچھتی رہی کہ رسول اللہؐ کا حال بتاؤ۔ کیا آپؐ تو سلامت ہیں؟ ایک دفعہ حضورؐ مسجد میں وعظ فرما رہے تھے۔ لوگوں کا ہجوم تھا۔ اور کچھ لوگ کھڑے تھے۔ آپؐ نے فرمایا۔ بیٹھ جاؤ۔ اس پر نہ صرف اندر کے لوگ بیٹھ گئے۔ بلکہ ایک صحابی باہر گلی میں جا رہے تھے۔ وُہ وہیں راستے میں بیٹھ گئے۔ کسی نے پوچھا۔ تو فرمایا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز آئی ہے۔ بیٹھ جاؤ۔ سو میں یہیں بیٹھ گیا۔ یہ وُہ ادب اور یہ وُہ فرمانبرداری تھی۔ جو بادشاہوں کے احاطۂ اقتدار سے باہر ہے۔

انبیاء کا پالیٹکس

بدر کے قیدیوں میں ایک بڑے خطیب پکڑے آئے۔ وُہ بہت فصیح اللسان تھے۔ اور آپؐ کی ہجو بھی کیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ حضورؐ اس کے اگلے دانت تڑوا دیں۔ کہ پھر یہ آپؐ کی ہجو نہ کر سکے۔ حضرت عمرؓ کا یہ سوال بادشاہی پالیٹکس کے مطابق تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سُنکر فرمایا۔ عمرؓ! اگر میں ایسا کروں۔ تو خدا مجھے بھی ایسی ہی سزا دیگا! آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ جواب انبیاء کے پالٹکس کا نمونہ تھا۔

بادشاہت سے انکار

جب حضورؐ کی تبلیغ کی وجہ سے لوگ مسلمان ہونے شروع ہوئے تو اہلِ مکہ بہت خائف ہوئے۔ اور آپس میں مشورہ کر کے انہوں نے آپؐ کے پاس اپنا قاصد بھیجا۔ اور مکہ کی بادشاہی آپؐ کے سامنے پیش کی۔ اگر آپ اس کے طلبگار ہوتے۔ تو اس سے بہتر اور کونسا موقعہ تھا۔ مگر آپؐ نے انکار فرمایا۔ اور کہا۔ کہ میرے ذمہ دنیا کی ہدایت کا کام ہے۔ نہ کہ بادشاہی۔

بادشاہوں کے خلاف طریقِ عمل

اسی طرح بادشاہ ضرورت اور وقت بے وقت کے لئے خزانے جمع کرتے ہیں۔ مگر آپؐ نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ وُہ اپنے گرد ایک جتھا مضبوط اور بارسوخ آدمیوں کا بناتے ہیں۔ مگر آپؐ کے گرد جو اصحاب صفہ تھے۔ وُہ ایسے تھے۔ کہ بھوک کے مرتے تھے۔ ان کا کوئی اثر نہ تھا۔ بعضوں کو لوگ پاگل خیال کرتے تھے۔ بادشاہ اپنے دُشمنوں کی صفائی کرتے ہیں۔ جانی دشمن منافقوں کا گروہ مدینہ میں موجود تھا۔ اور ایک ایک کی حرکات آپؐ کو معلوم تھیں۔ مگر ان کو قتل نہ کرایا۔ اگر بادشاہ ہوتے۔ تو پہلے ان کا صفایا کرتے۔

ہرقل کی گواہی

ہرقل جیسے بادشاہ کی گواہی موجود ہے۔ کہ آپؐ نبی تھے۔ نہ کہ بادشاہ۔ چنانچہ اُس نے اپنی مجلس میں ابوسفیان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام حالات پوچھ کر یہی کہا۔ کہ افسوس میں وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ ورنہ آپؐ کے پَیر دھوتا۔ کیا کبھی ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ کی بابت ایسے الفاظ استعمال کیا کرتا ہے۔ کہ میں اس کے پَیر دھونے کو فخر سمجھتا ہوں۔ ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ کا مطیع ہو جائے گا۔ مگر یہ کام نہ کرے گا۔

بادشاہت کا تاج

حضورؐ مدینہ تشریف لے جاتے ہیں۔ وہاں کے لوگوں نے آپؐ کے

جانے سے پہلے عبد اللہ بن ابی بن سلول کے لئے ایک تاج بنوا رکھا تھا۔ اور اسے وہ تاج پہنا کر اپنا بادشاہ اعلان کرنے والے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد انصار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام بن گئے۔ مگر انہوں نے آپؐ کو بادشاہ کی حیثیت سے کبھی نہیں دیکھا۔ ہمیشہ ان کو خدا کا رسول ہی سمجھا۔ اگر بادشاہ سمجھتے۔ تو وہی تاج حضورؐ کی خدمت میں پیش کرتے۔

قصاص دینے کے لئے تیار

ایک موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ سے اتفاقاً ایک صحابی کو معمولی سی چوٹ لگ گئی۔ حضورؐ نے فرمایا۔ مجھ سے قصاص لے لو۔ اور بدلہ دینے کو تیار ہو گئے۔ کیا کبھی کسی بادشاہ نے بھی ایسا کیا؟

بادشاہوں کو تبلیغی خطوط

سارا عرب زیر نگیں ہو گیا۔ تو ہمسایہ بادشاہوں کو تبلیغی نامے لکھے گئے۔ ہر ایک پر مُہر لگائی گئی۔ جس پر صرف محمد رسول اللہ کھدا ہوا تھا۔ اور سب کو یہ پیغام بھیجا گیا۔ کہ تم اسلام قبول کر لو تمہارا ملک تم کو مبارک رہے۔ اگر بادشاہ ہوتے۔ تو پہلے ان کے ملک پر قبضہ کرتے۔ یا اُن سے اور دُنیاوی مطالبات کرتے۔

ذاتی انتقام

بادشاہ مخالفت کے وقت اپنے ذاتی انتقام کو مقدم کرتے ہیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اپنی ذات کے لئے انتقام نہیں لیا۔ قانون شریعت کی پابندی یا ملک سے بدامنی اور فساد دُور کرنے کے لئے جو سزا مناسب تھی۔ دی۔ مگر جہاں آپؐ کے ذاتی تکالیف کا سوال آیا۔ وہاں آپؐ نے فوراً معاف کر دیا۔ حتیٰ کہ زہر دینے والوں اور قتل کا منصوبہ کرنے والوں سے بھی درگزر فرمایا۔

تزکیۂ نفوس

تزکیۂ نفوس ایک ایسا کام ہے۔ کہ نہ تو یہ بادشاہوں کے کارناموں میں داخل ہے۔ نہ کسی بادشاہ نے اسے کیا۔ یہ محض انبیاء کا کام ہے۔ اور انہی کے شایان ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ خود اپنے پاک اثر کا دکھایا۔ کہ دُنیا کی گندہ ترین مخلوقات میں سے ایک لاکھ چوالیس ہزار قدوسی ایسے پیدا کر دیئے۔ جن کے پیروں کی خاک کو آسمان کے فرشتوں نے اپنی آنکھوں کا سرمہ بنایا۔ اور جن کی روحانیت نے دُنیا کو اتنا روشن کیا۔ کہ اس تیرہ خاکدان نے ایسا نور نہ کبھی پہلے دیکھا تھا۔ نہ ان کے بعد اُس چمک دمک سے پھر کبھی دیکھا۔

مساوات

ایک دن مجلس نبوی میں ایک گنوار آپؐ کے دائیں طرف اور حضرت ابوبکرؓ آپؐ کے بائیں طرف بیٹھے تھے۔ آپؐ کے سامنے کچھ دودھ پیش ہوا۔ پی کر بچا ہوا آپؐ نے اُس گنوار کو دیا۔ اور فرمایا۔ دائیں طرف والے کا حق مقدم ہے۔ کیا یہ مساوات بادشاہوں کے دربار میں ہوتی ہے؟

عدی کی شہادت

عدی ابن حاتم طائی جو عیسائی تھے۔ مدینہ آئے۔ تو ان کو خیال ہوا۔ کہ دیکھئے آپؐ بادشاہ ہیں۔ یا نبی اور پیغمبر۔ جب وہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو اُسی وقت ایک مسکین عورت اپنی کسی غرض کے لئے آپؐ کے پاس حاضر ہوئی۔ اور عرض کیا۔ ذرا الگ ہو کر میری بات سُن لیں۔ آپؐ فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اس وقت تک گلی میں کھڑے رہے جب تک۔ وہ خود اپنی مرضی سے چلی نہیں گئی۔ عدی کہتے ہیں۔ آپؐ کی خاکساری اور تواضع کا یہ نظارہ دیکھ کر مجھے اسی وقت یقین ہو گیا کہ آپؐ پیغمبر ہیں۔ بادشاہ نہیں۔

دشمنوں پر رحم

سنگدلی بادشاہوں کی خاص صفت ہے۔ ہزاروں کو قتل کرتے ہیں۔ اور ملکوں کو تباہ اور برباد کرتے ہیں۔ مگر یہاں یہ حکم ہے۔ کہ جنگ بھی ہو۔ تو بھی درخت نہ کاٹو۔ عورتوں۔ بچوں۔ بڈھوں۔ مذہبی آدمیوں کو نہ مارو۔ جو ہتھیار ڈال دے۔ اُسے کچھ نہ کہو۔ عبادت گاہوں کو نہ گراؤ۔ خود آپؐ نے کبھی کسی خادم۔ لونڈی۔ عورت۔ خادم۔ جانور کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ اور یہ خلق آپؐ کا اتنا نمایاں تھا۔ کہ جنگ اُحد میں ایک صحابی کو آپؐ نے اپنی تلوار دی۔ وُہ اس سے خوب داد شجاعت دیتے رہے۔ مگر بڑھتے بڑھتے جب ایک عورت تک پہونچے جو مسلمانوں کے خلاف سخت اشتعال دلا کر حملے کرا رہی تھی۔ تو ہاتھ کھینچ لیا۔ اور کہا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار ہے۔ میں اسے عورت پر نہیں چلا سکتا۔

کیا بادشاہ ایسی رحمدلی دشمنوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں؟

زندگی کا اصل مقصد

بادشاہوں کی زندگی میں ان کے مقاصد میں کوئی نہ کوئی دنیاوی چیز نمایاں نظر آتی ہے۔ خواہ وہ مال و دولت ہو۔ خواہ فتوحات ملکی ہوں۔ خواہ رنگ رلیاں اور عیش و عشرت ہو۔ خواہ نام آوری اور شہرت ہو۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا واحد مقصد خواہ وہ کیسی ہی دنیاوی پبلک ہو یا پرائیویٹ۔ خدا اور صرف خدا نظر آتا ہے۔ اور یہی آپؐ کے نبی ہونے کی دلیل ہے۔ ایک شب کے پچھلے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپؐ کو حجرہ میں سے غیر حاضر پاتی ہیں۔ اندھیرے میں ادھر اُدھر ٹٹولتی ہیں۔ لیکن پتہ نہیں لگتا۔ دوسری ازواج کے حجروں کی طرف جاتی ہیں۔ اور ناکام آتی ہیں۔ پاس ہی قبرستان کا سنسان احاطہ ہے۔ جب ادھر رُخ کرتی ہیں۔ تو کیا دیکھتی ہیں۔ کہ ایک جگہ کوئی سفید سی چیز پڑی ہے۔ ذرا اور پاس جاتی ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمین پر چادر کی طرح لیٹے پڑے ہیں۔ جبین نیاز خاک پر ہے۔ اور فرما رہے ہیں سجد لک سوادی وخیالی روحی وجنانی۔ یعنی اے میرے خُدا میری جان اور دل دونوں تیرے حضور سجدہ کر رہے ہیں۔ عاشق و معشوق میں یہ وُہ مخفی راز و نیاز کا رنگ تھا۔ کہ حضرت عائشہؓ نہایت خاموشی سے فوراً الٹے پاؤں واپس چلی آئیں۔

اب ظاہری رنگ بھی دیکھ لیں۔ حجۃ الوداع کا موقعہ ہے عرفات کا میدان ہے۔ تمام عرب [illegible] ایک سرے سے دوسرے سرے تک لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ڈنکا بج رہا ہے۔ مگر شہنشاہِ دو عالمؐ اپنی سواری پر عجز و نیاز سے سر جھکائے ہیں۔ اور بار بار آپؐ کا تمام وجود سجدہ کرتا ہُوا رب العالمین کے حضور نیچا ہوتا ہے۔ اور جب اٹھتا ہے۔ تو یہی صدا بلند ہوتی ہے۔ لبیک لبیک۔ اللّٰھم لبیک۔

اُحد میں سخت مصیبت کے وقت دُشمن کا سپہ سالار بلند آواز سے مسلمانوں کے لشکر سے سوال کرتا ہے۔ کیا تم میں محمدؐ ہے؟ آپؐ فرماتے ہیں خاموش رہو۔ پھر وُہ سوال کرتا ہے۔ کیا تم میں ابوبکرؓ ہے؟ پھر وُہی حکم خاموشی کا ہوتا ہے۔ تیسری دفعہ جب وُہ پوچھتا ہے کہ کیا تم میں عمرؓ ہے؟ اس وقت بھی آپؐ فرماتے ہیں۔ چپ رہو جواب مت دو۔ اس پر وُہ سپہ سالار کہتا ہے۔ اعل ھبل۔ اعل ھبل۔ (ہبل بت کی جے) اس کا یہ کہنا تھا کہ عاشق کی غیرت جوش میں آتی ہے۔ اور مسلمانوں کو حکم ہوتا ہے۔ کہ اب کیوں چپ ہو۔ جواب دو۔ کہ اللہ اعلیٰ و اجل (اللہ سب سے بڑھ کر عزت والا اور جلال والا ہے)

رسولِ کریمؐ کی جنگیں

مخالفین سب سے بڑا اعتراض ملک گیری اور فتوحات پر کرتے ہیں۔ کہ یہ سب بادشاہت کے حصول کے لئے تھیں۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ دفاع اور ڈیفنس کے لئے جنگ کی یعنی صرف دشمن کے حملہ کو روکنے کے لئے آپؐ میدان میں نکلے۔ یا ملک میں امن اور آزادیٔ ضمیر کے قیام کے لئے آپؐ نے تلوار اٹھائی اور یہ تینوں باتیں ایسی ہیں۔ جن کے لئے ہر عقل جنگ کو نہ صرف جائز بلکہ ضروری کہتی ہے۔

اخلاقِ کاملہ

سب سے عظیم الشان ثبوت آپؐ کے نبی ہونے کا آپؐ کے وُہ اخلاق کاملہ ہیں۔ جو ہر عُسر و یُسر مصیبت اور حکومت دونوں قسم کے حالات میں آپؐ سے ظاہر ہوئے۔ آپؐ کی سخاوت آپؐ کا عدل و انصاف۔ آپؐ کی مساوات۔ آپؐ کا عفو۔ آپؐ کی حسن معاشرت آپؐ کا انکسار۔ آپؐ کا حلم۔ آپؐ کی مہمان نوازی۔ آپؐ کا نوکروں۔ غلاموں اور غرباء سے سلوک۔ آپؐ کی سادگی اور بے تکلفی۔ آپؐ کی شجاعت۔ آپؐ کا زہد۔ اور زیب و زینت سے نفرت۔ آپؐ کی دُنیا سے بے تعلقی۔ آپؐ کا ہر وقت مخلوقات کی بہتری میں کوشاں رہنا۔

حضرت سید المرسلین و خاتم النبیین

(از جناب سید تاج حسین صاحب بی اے۔ بی ٹی ہیڈ ماسٹر سارووال)

نبوت اور حکومت ہی انسانی زندگی کے لئے معراج عظیم قرار دیئے گئے ہیں۔ مقدم الذکر اگر روحانیت کا اعلےٰ مقام ہے تو مؤخر الذکر دنیاوی نظام کا بلند ترین انعام ہے۔ جو خدا تعالےٰ اپنے بندوں کو اپنی صفت رحمانیت کے ماتحت عطا کرتا ہے۔ صرف مقصود بالذات انسانی ترقی و ارتقا ہے۔ اس وقت تک ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کا مبعوث ہونا لوگوں میں مشہور ہے۔ مگر جب ہم بنظر عمیق دیکھتے ہیں۔ تو سوائے چند ایک کے باقی ایسے ہیں۔ جن کے نام اور کام کے متعلق ہم بالکل تاریکی میں ہیں۔ ان میں سے بعض اپنی اپنی قوموں کے لئے مبعوث ہوئے۔ اور بعض چھوٹی قریجات میں آئے۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ایک ایسے نبی ہیں۔ جو ساری دنیا کیلئے رحمۃ للعالمین بنکر مبعوث ہوئے یہی وجہ ہے آپ کے حسب و نسب پیدائش و اختتام جسدی زندگی تک گھر کے حالات اسوقت تک محفوظ ہیں۔ جو تا رہتی حیات کا طالب انسانی کا صحیح مرقع ابد الآباد تک پیش کرتے رہیں گے۔ اس عشق اور محبت کی وجہ سے جو اسے خدا تعالےٰ کی ذات کے ساتھ تھی۔ وہ محمد کہلایا۔ مگر با ایں ہمہ وہ ہر وقت رضاء الہٰی کا جویاں رہا۔ اور مسلمانوں کے لئے بہت بڑا سبق چھوڑ گیا۔ بخوف طوالت میں اس وقت آپ کے متعلق صرف چار باتیں پیش کروں گا۔

عشق الہٰی

رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آپ کو خدا تعالےٰ کی ذات کے لئے ایسا محو کر دیا۔ کہ خود اللہ تعالےٰ نے آپ کے متعلق بنص قرآنیہ فرمایا۔ اِنَّ صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ رب العٰلمین۔ میری عبادت میری قربانی میری زندگی اور میری موت محض اللہ تعالےٰ کی رضا کے ماتحت ہے۔ پھر فرمایا۔ قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ۔ یعنی کوئی شخص خدا کا محبوب اسوقت تک نہیں بن سکتا۔ جب تک محمد رسول اللہ کی اطاعت نہ کرے گویا نجات اور خدا تعالےٰ کی محبوبیت کا مقام محمد رسول اللہ کی پیروی میں ہے ورنہ محض زبانی دعوٰے کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ باوجود خدا کے نزدیک ایسا درجہ اور رتبہ رکھنے کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حال تھا کہ خدا تعالےٰ کے حضور عبادت کرتے ہوئے اتنی دیر کھڑے رہتے۔ کہ پاؤں متورم ہو جاتے یاد الٰہی میں انہماک کا یہ حال تھا۔ کہ آپ کے خون کے پیاسے بھی پکار اٹھے۔ محمد کو رب کا عشق ہو گیا ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ یا رسول اللہ آپ کیوں اتنی تکلیف برداشت کرتے ہیں۔ حالانکہ آپ سے کبھی کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا۔ فرمایا۔ عائشہ! کیا میں اپنے اللہ کا شکرگزار بندہ نہ بنوں (بخاری)

خوف الہٰی

رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جتنا خدا کا قرب حاصل تھا اتنا ہی خوف الٰہی سے بھی خائف تھے۔ چنانچہ فرمایا خدا کی قسم۔ گو میں اللہ تعالےٰ کا رسول ہوں۔ مگر نہیں جانتا کہ قیامت کے دن میرے ساتھ کیا معاملہ درپیش ہوگا مسلم کی روایت ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب انذر عشیرتک الاقربین پڑھی۔ تو زور سے پکارنا شروع کیا۔ اے قبیلہ بنی کعب اے بنی ہاشم اور میرے دادا عبد المطلب کے خاندان کے لوگو بچاؤ اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے۔ اے فاطمہ میری بیٹی۔ بچا اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے۔ اگر اللہ تمہیں دوزخ کا عذاب دینا چاہے۔ تو میں کچھ نہیں کر سکوں گا۔ ہاں تعلقات رشتہ داری کے حقوق بے شک پورے کرنے کیلئے تیار ہوں

یاد الٰہی

خدا کی یاد اور ذکر الٰہی کی اس قدر تڑپ تھی۔ کہ مرض الموت میں بھی سر پر پٹی باندھ کر اور دو شخصوں کے کندھوں کا سہارا لئے ہوئے مسجد میں تشریف لائے۔ اور دوران علالت میں چودہ میں سے گیارہ دن برابر نماز پڑھائی۔ گیارھویں دن سخت نقاہت اور بے ہوشی کی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ کو امامت کا ارشاد فرمایا۔ جب حضرت ابوبکر نماز کے لئے کھڑے ہوئے۔ تو ان پر اور صحابہ کرام پر ایسی رقت طاری ہوئی۔ کہ مسجد میں آہ و بکا سے کہرام مچ گیا حضور کی طبیعت میں قدرے سکون تھا۔ رونے کی آواز سنکر تشریف لائے۔ اور بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ آخری دن حجرہ مبارک کا پردہ اٹھا کر مسلمانوں کو نماز پڑھتے اور صفوں کی درستگی ملاحظہ فرما کر چہرہ مبارک سے مسکراہٹ اور بشاشت کا اظہار فرمایا۔ آخری الفاظ الصلوٰۃ الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم اللھم الرفیق الاعلیٰ زبان مبارک پر آئے تھے

تبلیغ

حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا۔ اے لوگو! قیامت کے دن تم سے میرے متعلق بھی استفسار کیا جائے گا۔ بتاؤ کیا جواب دو گے۔ سب نے متفق آواز میں کہا۔ آپ نے بے شک فرض ادا کر دیا۔ اور حجت تمام کر دی حضور نے انگشت شہادت آسمان کی جانب تین بار اٹھا کر فرمایا۔ اے اللہ گواہ۔ اے اللہ گواہ اے اللہ گواہ۔ آپ نے اپنا آرام۔ عزت وجاہت۔ مال و دولت۔ عزیز و اقارب وطن۔ غرضیکہ سب کچھ خدا کی راہ میں فریضہ تبلیغ ادا کرنے کے لئے وقف و قربان کر دیا۔ اللہ تعالےٰ ہمیں بھی توفیق عطا فرمائے۔ کہ ہم بھی اس نعمت سے کچھ حصہ لیں جو وہ اپنے پیارے بندوں کو عطا کرتا ہے۔

آپ کا رحم۔ آپ کی نرم دلی۔ آپ کی مروت اور احسان۔ غرض کوئی بات آپ میں بادشاہوں والی نظر نہیں آتی ہے۔

ایک کافر بطور مہمان آپ کے ہاں آیا۔ آپ نے اس کی خوب خاطر و تواضع کی۔ اس بندۂ خدا نے بھی خوب ڈٹ کر اتنا دودھ پی لیا۔ کہ دیکھنے والے تعجب کرنے لگے۔ سونے کو اپنا بستر اسے مرحمت فرمایا۔ بہت کھانے کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ رات کو دست [illegible] بستر خراب ہو گیا۔ صبح شرمندگی کے مارے اندھیرے منہ [illegible] کسی کو اس کی خبر ہونے۔ تو سارا معاملہ دیکھا [illegible] بستر نجاست سے بھرا پڑا ہے۔ اٹھ کر خود اسے [illegible] صحابہ نے عرض کیا۔ حضور اس گندگی کو ہاتھ نہ لگائیں [illegible] دینے میں شہنشاہ دو عالم نے فرمایا۔ جب وہ میرا مہمان [illegible] تو یہ بھی میرا ہی فرض ہے۔ اتفاقاً اس مہمان کو بھی راستہ میں [illegible] یاد آیا کہ میں اپنی فلاں ضروری چیز بھول آیا ہوں۔ مجبوراً لوٹنا [illegible] عجیب دیکھا۔ کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی گندگی کو دھو رہے ہیں۔ تو اس قدر اس کے دل پر اثر ہوا۔ کہ وہیں مسلمان ہو گیا۔ کیا ایسے اخلاق کسی بادشاہ نے دنیا کے پردے پر کبھی دکھلائے ہیں۔

ہر کامیابی کی نسبت خدا کی طرف

ہر کامیابی کو خدا کی طرف منسوب کرتے۔ جب کبھی کوئی خوشی [illegible] تو فوراً خدا کے حضور سجدہ میں گر پڑتے۔ کبھی کسی بات کو اپنی عقل [illegible] حسن تدبیر پر محمول نہیں کیا۔

عجیب شان کی بادشاہت

خلفاء اور بادشاہوں میں یہی فرق ہے۔ کہ بادشاہ دنیا کی اصلاح مقدم رکھتے ہیں۔ اور آخرت کی کچھ پرواہ اور اس کا خیال نہیں کرتے حالانکہ خدا کے رسول اور خلفاء دنیاوی [illegible] باوجود دین کو جانے نہیں دیتے۔ اور اس کی اصلاح کو [illegible] ضروری جانتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] نظر ڈالو۔ تو عجیب نظارہ دکھائی دیتا ہے۔ [illegible] نہ قصر ہے۔ نہ دربان ہے۔ نہ خزانہ ہے [illegible] کپڑے دل تک پیوند لگے ہوئے ہیں۔ حجرہ میں چارپائی [illegible] کوئی زیب و زینت اور آرائش کا سامان ہے۔ تین [illegible] کا فاقہ ہے۔ مہمانوں کی خدمت اپنے ہاتھ سے کرتے ہیں [illegible] میں لوگوں کے غلاموں اور لونڈیوں کو سودے سلف خرید کر دے رہے ہیں۔ نہ ملازم۔ نہ وزیر۔ نہ امیر۔ نہ حشم۔ نہ فوج۔ نہ جاگیر۔ نہ تزک۔ نہ پولیس نہ دفتر۔ مساوات اور انصاف کا یہ عالم کہ ایک مزدور اور شہنشاہ دو عالم حقوق کے لحاظ سے برابر تھے۔

اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد وبارک وسلم

مکمل توحید کی تعلیم دینے والا رسول

(از میاں عبدالوہاب صاحب عمر۔ قادیان)

مذہب کی سچائی کا سب سے بڑا معیار

ایک مذہب کی سچائی کا سب سے بڑا معیار وہ تصور باری تعالٰے ہے۔ جو وہ پیش کرتا ہے۔ اور تمام مذاہب کا اصل اصول یہی عقیدہ ہے۔ اور چونکہ خدا تعالیٰ ہی نور و ہدایت کا سرچشمہ اور تمام علوم کا منبع ہے۔ اس لئے ہمارا فرض ہے۔ کہ اس مسئلہ پر غور و فکر کریں۔

موجودہ زمانہ کے لوگوں کی حالت

آج کہنے کو تو تمام مذاہب خدا تعالیٰ کی ہستی کے قائل ہیں۔ اور سوائے ایک محدود طبقہ کے سب لوگ خدا پر ایمان رکھنے کا دعوےٰ کرتے ہیں۔ مگر چونکہ ان کے مذہب نے انہیں اس کے متعلق کوئی سچی اور مکمل تعلیم نہیں دی۔ اس لئے ان کا ایمان بالکل رسمی ہے۔ درحقیقتاً ان کے دل اس ایمان سے خالی ہیں۔ مگر آج مادیت کا جو طوفان چل رہا ہے۔ اس نے یہ تھوڑا بہت ایمان بھی دلوں سے نکال دیا ہے۔ ان لوگوں کو صرف کبھی کبھی یہ خیال آتا ہے۔ کہ شاید خدا ہو۔ وہ ہمیشہ شکوک میں مبتلا رہتے ہیں۔ ان کا ماننا نہ ماننے کے برابر ہے۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں۔ خدا کے ماننے سے ان کی زندگیوں پر براہ راست کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ وہ ڈرتے بھی ہیں۔ ممکن ہے۔ کوئی خدا ہو۔ جس نے ہمیں کسی خاص مقصد کے ماتحت پیدا کیا ہو۔ اور موت کے بعد اپنے اعمال کی جوابدہی کرنی پڑے۔

اسلام میں وحدانیت کی تعلیم

بہرحال تمام مذاہب خدا تعالیٰ کی ہستی کے قائل ہیں۔ اور بظاہر وہ خدا کو ایک قرار دیتے ہیں۔ لیکن آگے چل کر جو تفصیلات پیش کرتے ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کی وحدانیت کے بالکل خلاف ہیں۔ اس کے مقابلہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وحدانیت کے متعلق جو تعلیم دی ہے۔ وہ ایسی جامع اور مکمل ہے۔ کہ جوں جوں اس کی تفصیلات میں جائیں۔ خدا تعالیٰ کی وحدانیت زیادہ نمایاں ہوتی جاتی ہے۔ پھر اسلام میں صرف عقلی طور پر ہی خدا کو مان لینا کافی نہیں قرار دیا گیا۔ بلکہ خدا کی صفات کا کامل علم اور اس کی ہستی کا پورا عرفان حتیٰ کہ اس کی ذات محسوس و مشہود ہو جائے۔ ضروری رکھا گیا ہے۔ اسلام بتاتا ہے۔ کہ خدا کوئی فلسفیانہ تھیوری ہی نہیں۔ بلکہ اس سے عملی تعلق پیدا کیا جاسکتا ہے ؎

فلسفی اور سالک میں فرق

ایک فلسفی بھی خدا کو تلاش کرتا ہے۔ مگر اس کی غرض محض یہ ہوتی ہے۔ کہ وہ کسی نتیجہ پر پہنچکر اسے اپنے علمی خزانہ میں شامل کرے۔ گویا وہ محض علمی تحقیق کرتا ہے۔ مگر خدا فلسفیوں کے خیالات کا کھلونا نہیں بن جاتا۔ اس لئے فلسفی اپنے مقصد میں ناکام رہتا ہے۔ ایک سالک بھی خدا کو تلاش کرتا ہے۔ مگر محض علمی پیاس بجھانے کے لئے نہیں۔ بلکہ روحانی پیاس بجھانے کے لئے۔ اسلئے خدا تعالےٰ اسے مل جاتا ہے۔

رسول پاکؐ کا احسان

اللہ تعالےٰ نے رسول پاکؐ کے ذریعہ دنیا کے لئے چہرہ نمائی کی۔ دنیا شکوک و شبہات کی تاریکیوں میں مبتلا تھی۔ کہ آپ نے عرفان الہیٰ کا سورج چڑھا دیا۔ اندھے دیکھنے لگے۔ بہرے سننے لگے۔ پیاسوں نے آب حیات پیا۔ اب بھی جو چاہے۔ اس خزانہ سے مالامال ہو سکتا ہے ؎

خدا تعالیٰ کی صفات

رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیسا خدا پیش کیا۔ اس کا پتہ ان صفات سے لگ سکتا ہے۔ جو آپ نے خدا تعالیٰ کی بیان فرمائیں۔ آپ نے فرمایا اسلام کا خدا زندہ خدا ہے۔ موت اور تمام عیوب سے پاک ہے۔ وہ اپنی ذات اور صفات میں یگانہ ہے۔ وہ تمام صفات کاملہ کا جامع اور سراسر حسن و احسان ہے۔ وہ رب العالمین ہے۔ اس کی تمام خوبیاں حسن و احسان کے نقطۂ کمال تک پہنچی ہوئی ہیں۔ وہ عالم ارواح۔ عالم ارض۔ عالم سماوی۔ عالم اجسام سب کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور ان کی ربوبیت کرکے ان کو کمال تک پہنچانے والا ہے۔ پھر وہ الرحمٰن ہے۔ یعنی بلا مبادلہ رحم کرنے والا اور بے محنت انعام دینے والا۔ وہ الرحیم ہے۔ یعنی اپنے قوانین مقررہ کے مطابق انسانی کوششوں اور محنتوں پر نتائج مرتب کرتا ہے۔ وہ مالک یوم الدین ہے۔ جزا و سزا کے دن کا مالک۔ کتب علیٰ نفسہ الرحمۃ اس نے مہربانی سے اپنے اوپر لازم کر لیا۔ کہ وہ ضرور اپنے بندوں پر رحم فرمائیگا۔ وان تعدوا نعمت اللہ لا تحصوھا۔ اگر تم چاہو۔ کہ خدا تعالیٰ کی عنایات کو گن سکو۔ تو تم ہرگز شمار نہیں کر سکتے۔ ولا یظلم ربک احدا تیرا رب کسی سے بے انصافی نہیں کرتا۔ وربک الغفور ذوالرحمۃ تیرا رب غفور اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔ اللہ نور السمٰوٰت والارض اللہ آسمان اور زمین کا نور ہے۔ وان ربک لذو فضل علی الناس ولکن اکثرھم لا یشکرون۔ بے شک تیرے رب کے لوگوں پر بڑے بڑے احسان ہیں۔ پر بہت لوگ ناشکرے ہیں۔ قل یٰعبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ۔ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً۔ انہ ھو الغفور الرحیم۔ کہدو۔ اے میرے بندو۔ جنہوں نے اپنے آپ پر بہت ظلم کیا ہے۔ تم ہماری رحمت سے مایوس مت ہو۔ ہم تمام گناہوں کو معاف کر سکتے ہیں۔ ہم بخشش کرنے والے مہربان ہیں۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بخاری میں فرماتے ہیں۔ ان اللہ یحب الرفق فی الامر کلہ۔ کہ خدا ہر امر میں نرمی پسند کرتا ہے۔ انا مع عبدی حیثما ذکرنی۔ جہاں میں اور جس کسی حالت میں ہمارا بندہ ہمیں یاد کرے۔ وہ ہمیں اپنے پاس ہی پائے گا۔ وہ مقدس ہے۔ وہی اول وہی آخر ہے۔ وہ ازل سے ہے۔ اور ابد تک رہیگا۔ وہ عیاں بھی ہے۔ اور نہاں بھی۔ یہ دنیا اتفاقاً پیدا نہیں ہوئی۔ بلکہ اس کی مرضی کا نتیجہ ہے۔ اس کی صفات کبھی معطل نہیں ہوتیں۔

یہ ہے وہ اصل توحید جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیش کی ؎

اسلام کی ایک خصوصیت

اسلام سے پہلے کسی مذہب میں خدا کا نام ذات موجود نہیں تھا جس کی وجہ یہ ہے۔ کہ اسم ذات تمام صفات الٰہیہ کا جامع ہے۔ اور ساری صفات آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ ہی امت محمدیہ پر ظاہر ہوئیں۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے اور کسی پر اپنا اسم ذات ظاہر نہ کیا۔ یہ اسم اللہ نہ مشتق ہے نہ مرکب اور سوائے خدا تعالےٰ کے لسان عرب میں کسی اور پر نہیں بولا جاتا۔

غرض رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا تعالےٰ کی جو شان اور عظمت پیش کی ہے۔ اس سے ساری دنیا ناواقف تھی۔ اور سارے مذاہب اس سے تہی دست تھے۔ اب یہ اسی کا نتیجہ ہے۔ کہ دیگر مذاہب والے بھی توحید پرستی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور اپنی مذہبی کتب میں توحید کی تعلیم ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ لوگ جو ۳۳ کروڑ دیوتاؤں کے پجاری بنے ہوئے تھے۔ ان میں سے بھی دیانندجی کھڑے ہو کر توحید کا دعویٰ پیش کیا۔ پس اسلام نے صرف مسلمانوں کو حقیقی توحید سکھائی۔ بلکہ غیر مسلموں کو بھی توحید کا اقرار کرنے پر مجبور کر دیا ؎

رسُولِ کریمؐ کی صداقت اور حقانیت کے متعلق اربابِ تحقیق غیر مسلموں کے اقوالِ زرّیں

مرتبہ مولانا ناخیر صاحب سابق اسسٹنٹ اڈیٹر اخبار "مشرق" گورکھپور

"محمد عربی کی تعلیم نے لوگوں پر جادو کا اثر کیا" (مسٹر آڈویل)

"محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ایک عظیم الشان ریفارمر اور مصلح رہ چکے ہیں جنھوں نے دنیا کی کایا پلٹ دی" (کاونٹ ٹالسٹائی)

"پیغمبر اسلام اپنے مشن میں خالص اور صادق تھے" (سر ولیم میور)

"میں محمد (صلعم) کا گرویدہ ہو گیا ہوں" (جے۔ بے پول)

محمد صاحب کی تبلیغ اور ہدایت خالص سچائی اور خیر خواہی پر تھی" (مسٹر گبن)

خدا نے محمد صاحب کی اصلاح پر مامور کیا تھا محمد صاحب نے ایک ایسی قوم کو ... تہذیب کا سبق پڑھایا اور وہ قوم بام ترقی پر پہنچ گئی" (مسٹر مورس)

... صاحب ہمیشہ انصاف اور رحمدلی کو پیش نظر رکھتے تھے۔ میرے دل میں ان کی بہت بڑی عزت ہے" (مسٹر ڈبلیو ڈبلیو آئر لینڈ)

"... صاحب سچے ریفارمر اور مصلح تھے" (ڈاکٹر اوگسٹ)

... صاحب کی سچائی اور خلوص کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ جو لوگ سب سے پہلے ایمان لائے۔ وہ ان کے عزیز اور اقارب تھے" (سر جان ڈیون پورٹ)

"حضرت محمد صاحب بہت بڑے اور پکے راستباز اور سچے ریفارمر تھے۔ اگر وہ ایسے نہ ہوتے۔ تو اپنے مشن میں کامیاب نہ ہوتے" (مسٹر ای۔ اے۔ فری مین)

"میں نے بڑی ریسرچ اور تحقیقات کی لیکن کوئی ایسا ثبوت نہیں پایا کہ محمد صاحب کے دعوی رسالت کو باطل قرار دے" (مسٹر بیل)

"محمد صاحب کی ذات اور حالات زندگی کا غور سے مطالعہ کرنے والا ان کی سچائی۔ اخلاقی جرأت۔ خلوص نیت۔ سادگی اور رحم و کرم کا اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکتا" (لفٹننٹ کرنل سائکس)

"اگر تعصب اور ہٹ دھرمی سے علیحدہ ہو کر کوئی شخص محمد صاحب کے حالات پر تحقیقی نظر ڈالے۔ تو ناممکن ہے کہ وہ صاف لفظوں میں آنجناب کی سچائی اور بزرگی کا اعتراف و اقرار نہ کرے" (مہاشہ منوہر مہاشہ)

"محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے نام کی تاثیر ہے کہ کروڑہا انسانوں کے دلوں پر ان کا قبضہ ہے" (اڈیٹر خالصہ سماچار)

"محمد (صلعم) اور اسلام الٰہی طاقت اور نصرت کا کرشمہ ہے" (سردار پریتم سنگھ)

"محمد عربی نے اپنے پیروؤں کو اللہ تعالے کی عظمت اور رضا جوئی کی راہوں پر چلایا" (سی۔ پی۔ رام سوامی)

"میں محمد (صلعم) کی شاندار کوششوں کا اعتراف کرتی ہوں" (مسز سروجنی نیڈو)

"میں اسلام کے پیغمبر کو دنیا کے مہاپرشوں میں سے سمجھتا ہوں" (شیر پنجاب لالہ لاجپت رائے)

"نجات کا ذریعہ صرف قرآن شریف اور محمد صاحب ہیں" (بھائی بالا۔ سکھ لیڈر)

"بغیر محمد (صلعم) نام جپے ہوئے بیکنٹھ باش ہونا دشوار ہے" (گوسائیں تلسی داس جی)

"خدا۔ رسول اور کلمہ کے بغیر نجات نہیں ہو سکتی" (بابا نانکؒ)

"میں نے جہاں تک تاریخوں کا مطالعہ کیا ہے اور چھان بین کی ہے۔ میری تحقیق یہی ثابت ہے۔ کہ مسلمانوں کے مذہبی پیشوا حضرت محمد صاحب بڑے نیک منش مہاپرش اور رحمدل دھرماتما تھے" (شری پنڈت دیو کانند جی)

"جس وقت میں کہ دنیا کی گمراہ قوموں کی اصلاح کے لئے ایک رشی کی ضرورت تھی عرب میں ایک مصلح پیدا ہوا جس کا نام محمد (صلعم) ہے۔ گمراہوں کو روشنی دکھانے اور بھٹکتے ہوئے لوگوں کو راہ پر لانے کے لئے پرمیشور نے ان کو بھیجا۔

محمد صاحب کے حالات زندگی بتلاتے ہیں۔ کہ وہ بڑے رحیم و کریم اور نیک بزرگ تھے" (سوامی تر دے پرکاش دیو جی)

۲۴ کی کے وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه

میں ہوں ایک عاجز انسان در تیرے کا غلام۔ اے سچے حقیقت فہم کہ جس نے حقیقی طور پر سمجھ لیا ہے باعث تیری بعثت کا۔

منقول از پیغام اتحاد حصہ اول۔ مصنفہ لالہ جینین دت

بی۔ اے :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیروں کی نظر میں

(مرسلہ منشی عبدالعزیز صاحب از گلیانہ ضلع گجرات)

ایک معزز سکھ کا بیان

کارلائل نے حضرت محمد صاحب کی تعریف کرتے ہوئے لکھا کہ آپ نے عرب کے ذرے ذرے کو ڈائنامیٹ بنا دیا۔ بلاشبہ حضرت محمد صاحب سے پہلے اہل عرب انواع و اقسام کے توہمات میں مبتلا تھے۔ اخلاق میں وہ گرے ہوئے تھے۔ تہذیب ان کی اعلیٰ نہیں تھی۔ مذہب ان کا بتوں کی پوجا تک محدود تھا۔ فلسفہ و سائنس وغیرہ علوم سے ناآشنا تھے۔ انہی لوگوں میں پیدا ہو کر حضرت محمد صاحب نے عرب کی ریت کے ذروں میں نہ صرف یہ کہ جان ہی ڈال دی بلکہ انہیں ڈائنامیٹ بنا دیا۔ جس سے دنیا بھر کی سلطنتوں بادشاہتوں اور حکومتوں کی بنیادیں ہل گئیں۔ اور تمدن تہذیب اور اخلاق کا ایک نیا دور دورہ شروع ہوا۔ جن عربوں کو حضرت محمد صاحب سے پہلے عرب کی حدود سے باہر کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ ان کے پرچم دنیا کے ایک بڑے حصہ پر لہرائے۔ اور ایشیا۔ یورپ و افریقہ کے کئی بڑے بڑے ممالک ان کے زیر نگیں رہے۔ حضرت محمد صاحب نے تمام دنیا سے پس افتادہ عربوں میں کیا روح پھونکی جس سے وہ اس قدر طاقتور بن گئے۔ یہ روح دہ گوردہ کال پرکھ سرب شکتی مان کی ہستی و توحید میں ایمان و اعتقاد تھا۔ درحقیقت پرماتما کی ہستی و توحید پر درد صدو شوائق (یقین کامل) ہی سب سے بڑی دانائی اور سب سے بڑی طاقت ہے" (اخبار شیر پنجاب لاہور ۱۱ نومبر ۱۹۳۱ء جلد ۱۲)

ایک ہندو فاضل کا بیان

اے پاک محمد۔ اے حضرت مصطفےٰ۔ اے عرب دیش کے برگزیدہ یوگی۔ قربان جاؤں میں تیرے قدموں پر۔ اگر نہ ہوتا تیرا پاک وجود۔ تو کس طرح رحمت کا نزول ہوتا قبائل عرب پر حقیقت میں تھا تو ایک رحمت من الرحمٰن سرزمین عرب کے واسطے اے امّی نامدار و امی شاندار! میں صدقے ہو جاؤں تیرے میٹھے اور پیارے نام پر۔ آتا ہے تیرا پیارا نام جب میری زبان پر۔ تو شہد کی مٹھاس سے بڑھ کر حلاوت پیدا ہوتی ہے۔ میرے جسم کے انگ انگ پر۔ میرا مالک چن لیا کرتا ہے۔ ایک ایسے آدمی کو۔ جو سب سے زیادہ سعید ہوتا ہے۔ قوم میں۔ تاکہ پہنچائے پیغام اس قوم کے لوگوں کو۔ چن لیا تھا مالک ارض و سما نے بوجہ آپ کی سعادت کے آپ کو۔ اور پسند آئی تھی۔ آپ کی امیت و سادگی اس رب قدیر کو۔ عربی زبان تھی آپ کی اور پیغام دیا۔ تو واسطے عربیوں کے۔ اور صادق ہے یہ کلام اور بزات آپ ۴۴

رسول کریمؐ کی حفظانِ صحت اور طہارت کے متعلق بعض باتیں

(از جناب میر محمد اسماعیل صاحب سول سرجن مظفر گڑھ)

دُنیا کے کسی ہادی نے روحانی صفائی کے ساتھ جسمانی صفائی پر اتنا زور نہیں دیا۔ جتنا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیا ہے آپؐ کی تعلیم کے بعد بھی اکثر مذاہب اور قومیں خداشناسی اور بزرگی کا یہی معیار سمجھتی رہیں۔ کہ ایسے لوگ گندے اور ناپاک اور غلیظ نظر آئیں۔ کھانوں کو نجس کر کے کھانا۔ خبیث چیزوں کا استعمال۔ کپڑوں اور جسم کو غسل اور خوشبو سے دُور رکھنا۔ اور ایسی ہی اور متنفر کرنے والی باتیں۔ مذہبی آدمیوں اور خدا کے ولیوں کا خاص حصہ لئے امتیاز خیال کیا جاتا۔ آنحضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دُنیا میں آتے ہی سب سے پہلے احکامات میں یہ حکم سنایا۔ کہ والرجز فاھجر۔ یعنی سب گندگیوں اور ناپاکیوں کو چھوڑ دو۔ اور اُن سے نفرت کرو۔ پھر فرمایا۔ ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطھرین۔ یعنی اللہ تعالےٰ توبہ کرنے والوں اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے غرض ایسی باتوں سے آپؐ کی تعلیم بھری پڑی ہے۔ آپؐ نے مذہباً جسمانی اور ظاہری صفائی کے متعلق ایک تغیر عظیم دُنیا کے خیالات میں پیدا کر دیا۔ اور یہ آپؐ کی تعلیم ہی کا ثمرہ ہے۔ کہ اب ظاہری صفائی۔ اور جسمانی پاکیزگی۔ حسنِ معاشرت اور انسانیت کا ایک عالیشان جزو قرار دی گئی ہے۔ یہ کیونکر ممکن ہے۔ کہ ایک آدمی جسمانی گندگی پر راضی ہو۔ اور وُہ روحانی طور پر پاکیزہ ہو سکے۔ جو جسمانی صفائی کا خیال نہیں رکھتا۔ سمجھ لو۔ کہ اس کی روحانی صفائی کا دعوےٰ بھی بے بنیاد ہونے ہی سے ہے۔ اب میں مختصراً بعض باتیں بیان کرتا ہوں۔ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حفظانِ صحت اور صفائی کے متعلق تعلیم دی ہے۔

جسمانی طہارت

سب سے پہلے آپؐ نے یہ لازمی قرار دیا۔ کہ نماز جو پانچ وقت ہر مسلمان پر فرض ہے۔ وُہ ادا ہو ہی نہیں سکتی۔ جب تک انسان پہلے وضو نہ کرے۔ پھر پاک جگہ پر اس کو ادا نہ کرے۔ پیشاب پاخانہ کے بعد گندی جگہوں کو دھو کر پاک کیا جائے۔ یہ اجازت نہیں۔ کہ پیشاب کر کے انسان یونہی اٹھ کھڑا ہو۔ اور پیشاب کے قطروں کی پرواہ نہ کرے۔ سوائے مسلمانوں کے دُنیا کی کسی قوم میں یہ صفائی نہیں اور پاخانہ کے متعلق اور بھی بُرا حال ہے۔ ایک شخص کو جنگل میں دیکھا۔ کہ اجابت کے اس نے ایک ایسے گڑھے سے پانی استعمال کیا۔ جو بھینس یا گائے کے کُھر سے زمین میں بن گیا تھا۔ شاید اس میں چھٹانک بھر سے زیادہ نہ ہو گا۔ مگر اس سے اپنی طرف سے تسلی بخش طہارت کر لی۔ اور وضو کر کے اپنی طہارت کے اشلوک پڑھتا ہوا روانہ ہو گیا۔

اسی طرح ایک واقعہ آج ہی کا ہے۔ جو ہمارے شفاخانہ میں ہو گیا۔ ایک چھوٹا سا گڑھا پانی کا تھا جس میں مشک دو مشک کے قریب گندا پانی بھرا تھا۔ پاس ہی کنواں اور ایک نلکہ بھی موجود تھا۔ ایک صاحب تشریف لائے وُہ ایسے پاکیزہ خیالات کے آدمی تھے۔ کہ بغیر اشنان کے روٹی کو بھی ہاتھ نہیں لگاتے۔ انہوں نے رفع حاجت کے بعد اس گڑھے کے کنارے بیٹھ کر پہلے آبدست کی۔ پھر وہیں سے دو تین کلیاں بھر کر خوب تھوکے اور دانتوں کو اس پانی سے صاف کیا۔ اور چلے گئے۔

اس سے بدتر یورپین تہذیب کے دلدادہ کا حال ہے۔ وُہ زمین پر پاخانہ پھرنے کو ایک گندہ فعل تصور کرتا ہے۔ اور چینی کے برتن میں رفع حاجت کرتا ہے۔ رفع حاجت کرتے ہی وُہ حمام سے بدھا۔ یا کبھی ایک تنکا سا کاغذ استعمال کر کے پانی کے بھرے ہوئے ٹب میں جا بیٹھتا ہے۔ اور اسی میں گند دھوتا ہے۔ وہی پانی اپنے سر منہ اور بدن پر ڈال کر ملتا ہے۔ پھر غضب یہ کہ کلی بھی اسی پانی سے کر کے اور اپنی طرف سے مارننگ باتھ لے کر غسل خانہ سے باہر نکل آتا ہے۔ اور دل میں خیال کرتا ہے کہ ہم سب سے زیادہ پاکیزہ لوگ ہیں۔ تُف ہے اس پاکیزگی پر۔ اور نفریں ہے اس صفائی اور غسل پر۔ برخلاف اس کے مسلمان ہر پیشاب اور پاخانہ کے بعد ان جگہوں کو خوب اچھی طرح صاف کرتا ہے۔ بلکہ بعض محتاط لوگ پہلے ڈھیلے سے طہارت کرتے ہیں۔ پھر اچھی طرح کافی پانی سے دھوتے ہیں۔ اس کے بعد وُہ اپنے تئیں پاک خیال کرتے ہیں۔

وضو کے ذریعہ صفائی

پھر کم از کم پانچوقت دن میں ہر شخص کو وضو کرنا پڑتا ہے جو نماز کے لئے لازمی اور فرض ہے۔ وضو کیا ہے ایک چھوٹا سا غسل ہے جو علاوہ روحانی فوائد کے جسم کے ان تمام حصوں کو صاف کرتا ہے۔ جو اکثر کھلے رہتے ہیں۔ چنانچہ اس میں ہاتھ کہنیوں تک اور تمام چہرہ اور پیر دھوئے جاتے ہیں۔ ناک اچھی طرح صاف کی جاتی ہے۔ کلی اور مسواک کی جاتی ہے۔ سر اور گردن پر مسح کیا جاتا ہے۔ اور ضرورت ہو۔ تو تین تین دفعہ تک یہ اعضا دھوئے جاتے ہیں۔ یونہی نہیں کہ چھینٹا چپڑ پانی کر لی۔ اور زمانہ حال کے فیشن پرست کی طرح گیلا تولیہ رگڑ لیا۔

غسل کی تاکید

اسی طرح اسلام نے تمام جسم کے غسل پر اتنا زور دیا ہے۔ کہ بعض حالات میں اسے فرض کر دیا ہے۔ یعنی جب تک غسل نہ کیا جائے بندہ کوئی عبادت نہیں کر سکتا۔ چنانچہ احتلام کے بعد جماع کے بعد۔ حیض و نفاس کے بعد غسل فرض ہے۔ اسی طرح ہر جمعہ کے دن غسل واجب ہے۔ عید کی نماز سے پہلے غسل ضروری ہے۔ اور اس کے سوا جسم کی صفائی کے لئے عام طور پر غسل پر بڑا زور دیا گیا ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ عادت تھی۔ کہ غسل کے بعد تیل یا خوشبو بالوں کو لگاتے۔ اور سر اور ریش مبارک میں باقاعدہ کنگھی کیا کرتے تھے۔

دانتوں کی صفائی

مسواک اور دانتوں کی صفائی پر جس قدر [illegible] زور دیا جاتا ہے اور طرح طرح کے برش اور منجن ایجاد ہو گئے ہیں۔ اب [illegible] اس بات پر کیا گیا ہے۔ کہ دانت صاف نہ کرنے سے جو زہر پیدا ہوتے ہیں۔ وُہ بہت سی بیماریوں کا باعث ہیں۔ اور بعض اوقات مہلک اور عمر کو کم کرنے والے ہیں۔ ان سب کا علاج آج سے تیرہ سو سال پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجویز فرما دیا تھا۔ آپؐ نہ صرف خود کئی کئی دفعہ دن میں اور ہر وضو کے وقت مسواک کیا کرتے تھے۔ بلکہ لوگوں کو بھی اس کی تاکید فرماتے رہتے تھے۔ یہ تاکید اس درجہ تک پہونچ گئی تھی۔ کہ فرمایا کرتے تھے۔ اگر مجھے اپنی امت پر تکلیف ما لا یطاق کا خیال نہ ہوتا۔ تو میں مسواک کو ہر وضو کے ساتھ فرض کر دیتا۔ وفات سے ذرا پہلے جب آپؐ کی حالت سخت نازک تھی۔ آپؐ نے ایک لڑکے کے ہاتھ میں مسواک دیکھی۔ خود ضعف کی وجہ سے بول نہ سکتے تھے۔ مگر ایسی نظر سے دیکھا۔ کہ حاضرین نے سمجھ لیا۔ کہ آپؐ مسواک طلب کرتے ہیں۔ چنانچہ نزع کے وقت بھی مسواک آپؐ کے منہ میں تھی۔ یہ اہتمام دانتوں کی صفائی کا کسی بانئے مذہب نے نہیں کیا۔

ہر چیز میں صفائی

عموماً راہب اور مذہبی مقتدا وہی لوگ مانے گئے ہیں جن کے دانت سخت میلے۔ جن کے بال اُلجھے ہوئے۔ منہ سے سڑاند۔ جسم بدبو۔ خوفناک شکل اور مہیب خد و خال۔ گندے کپڑے۔ خبیث عادات۔ منحوس حرکات۔ مختل حواس۔ متعفن حجرے اور عبادت گاہیں۔ غرض ان صورتوں کے لوگ اسلام کے سوا دوسرے مذاہب اور قوموں میں بڑے خدارسیدہ شمار ہوتے تھے۔ جب دوسری طرف خود حضرت

صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھو۔ دن میں کئی دفعہ نہاتے ہیں۔ کئی کئی دفعہ وضو کرتے ہیں۔ مسواک کثرت کرتے ہیں۔ کنگھی سرمہ۔ تیل خوشبو استعمال میں لاتے ہیں۔ بلکہ فرماتے ہیں۔ کہ دُنیا کی چیزوں میں سے مجھے خوشبو بُہت پسند ہے۔ اُجلے صاف کپڑے۔ جہاں چلتے ہیں۔ یا بیٹھتے ہیں۔ وُہ مقام معطر ہو جاتا ہے۔ آئینہ دیکھتے ہیں۔ کہ کہیں کوئی مکروہ بات جسم پر نہ رہ جائے۔ مجلس جو اکثر مسجد میں منعقد ہوتی ہے وُہ ہمیشہ صاف رہتی ہے۔ ایک دفعہ کسی نے مسجد کی دیوار پر بلغم تھوک دیا۔ جب آپؐ آئے۔ تو نظر پڑی۔ بُہت ناگوار گزرا۔ اور وُہ اسی وقت کھرچا گیا۔

غرض نہ صرف آپؐ ہر طرح صاف و پاک رہتے تھے۔ بلکہ جہاں بیٹھتے تھے۔ اور جہاں عبادت کرتے تھے۔ اور جس کپڑے پر بیٹھتے تھے سب کو صاف اور پاکیزہ رکھتے تھے۔ یہ صفائی اسلام میں خدا رسیدہ ہونے کے لئے ضروری ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک شعر ہے ؎

کوئی اس پاک سے جو دل لگاوے کرے پاک آپکو تب اُس کو پاوے

یعنی خدا تعالیٰ نے پاک قدوس اور ہر عیب سے منزہ ہستی کا قرب وہی پاسکتا ہے۔ جو اپنے جسم اور رُوح دونوں کو پاک کرے ناپاک انسان کا اس مقدس بارگاہ میں کوئی دخل نہیں۔ خواہ اس کی ناپاکی جسمانی ہو۔ یا روحانی۔ کیونکہ ظاہری صفائی باطنی صفائی کی بُہت مددگار ہے۔

جسمانی صفائی کے متعلق ضروری ہدایات

اس کے سوا جسم کی صفائی میں بعض اور احکام بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیئے ہیں۔ اور اُن کو ایسا ضروری قرار دیا ہے کہ وُہ نہ صرف مسلمانوں کے لئے ہیں۔ بلکہ فطرت انسانی ان کی خوبی کو تسلیم کرتی ہے اور ہر انسان کو خواہ وُہ کسی مذہب کا ہو۔ ان پر عمل کرنا چاہیئے۔ مثلاً زیر ناف بالوں کا صاف رکھنا۔ بغلوں کے بالوں کو دُور کرنا۔ مُوچھوں کا چھوٹا کرنا ناخون کتروانا۔ وغیرہ۔

یہ سب گندگیاں جمع کرنے والی چیزیں ہیں۔ اور جس قدر ان کی صفائی ہو مفید ہے۔ ناخونوں کے نیچے میل ہمیشہ جمع ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ سے نہ صرف کراہت پیدا ہوتی ہے بلکہ اگر ایسے ناخن کی خراش لگ جائے تو زخم میں زہر چڑھ جاتا ہے۔ جن لوگوں کی مونچھیں لمبی ہوتی ہیں۔ وہ ہمیشہ کھانے اور دودھ وغیرہ میں بھرتی رہتی ہیں۔ اور بعض اوقات بساند اور بدبُو کا یہ حال ہوتا ہے کہ پاس بیٹھنے والے برداشت نہیں کرسکتے۔ یورپ کی عورتوں نے جو بازو اور بغلیں ننگے رکھنے لگی ہیں۔ اب بغل کے بالوں کی صفائی کو خُوب سمجھ لیا ہے۔ مگر افسوس کہ باوجود ڈاڑھی مونچھ کی صفائی کے ان لوگوں نے زیر ناف صفائی کو رواج نہیں دیا۔ ان کی صفائی محض دکھاوے کی صفائی ہے۔ ہندوستان میں بعض لوگوں کا حال اس سے بھی بدتر ہے۔ جس کے بیان کرنے کی تہذیب اجازت نہیں

دینی یعنی صفائی وہ ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روا رکھی ہے۔ باقی صفائیاں ناقص نامکمل اور نمائشی ہیں۔

ختنہ کا حکم

ان سے بڑھ کر ختنہ کا حکم ہے۔ جو نہ صرف جسمانی امراض اور گندگی سے محفوظ رکھتا ہے۔ بلکہ اخلاقی طور پر بھی مفید ہے۔ ایک نہایت مہلک مقامی بیماری جسے کینسر یا Cancer کہتے ہیں وہ کبھی ختنہ کرانے والوں میں نہیں دیکھی گئی۔ اسی طرح بچپن کی تکالیف اور امراض سے بچے بچے رہتے ہیں۔ مثلاً ناسور۔ سوزش۔ پیشاب کی بندش۔ تشنج۔ ام الصبیان کے دورے وغیرہ۔ اس کے علاوہ غیر مختون لوگوں میں نسبتاً سوزاک۔ آتشک وغیرہ امراض خبیثہ مختونوں کی نسبت زیادہ ہوتے ہیں۔

مُنہ کی صفائی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جسمانی صفائی کا ایک حکم یہ دیا ہے۔ کہ کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ منہ دھویا جائے کُلّی کی جائے۔ اب دیکھئے۔ مغربی صفائی کے دلدادہ چھُری کانٹے سے کھا کر بڑا فخر کرتے ہیں۔ کہ دیکھو۔ یہ کس قدر عمدہ تجویز ہے۔ ہاتھ ملّ آلودہ نہیں ہوتے۔ مگر کیا کبھی آپ نے یہ بھی غور کیا۔ کہ ہونٹ بھی رومال سے پونچھ کر کمرشے ہو جاتے ہیں۔ اور کُلّی اور منہ کی صفائی نہ کھانے سے پہلے کرتے ہیں نہ بعد۔ یہی وجہ ہے۔ کہ باوجود صبح اُٹھ کر دانتوں کی صفائی پر زور دینے کے ان کے دانت کچھ زیادہ عمدہ حالت میں نہیں رہتے۔ کیونکہ کھانے کے ذرات جو رات ریخوں میں سڑتے رہتے ہیں۔ حالانکہ ہاتھ کی صفائی سے منہ کے اندر کی صفائی زیادہ ضروری اور زیادہ مشکل ہے۔ بس بات وہیں آکر پڑتی ہے۔ کہ محمدی صفائی ریشنل Rational ہے۔ اور دوسروں کی نمائشی۔

ڈاڑھی کی صفائی

ڈاڑھی رکھنے کا حکم بھی آپؐ نے دیا ہے۔ اور خود رکھی ہے۔ مگر اُس کے ساتھ ہی زینت اور اعتدال کو وابستہ کر دیا ہے نہ یہ کہ خود رَو جنگل ہو جائے۔ اور دیکھنے والوں کو ڈر لگے۔ صفائی آسانی سے نہ ہوسکے۔ اور لاوارث کھیتی سے تشبیہ دینی پڑے۔

لباس کی صفائی

شریعت محمدی کا لباس کے بارے میں بھی یہی حکم ہے۔ وہ صاف ستھرا ہو۔ بلکہ کچھ زینت بھی حسب توفیق ہونی ضروری ہے۔ اور صفائی کے علاوہ خوشبو بھی لگانے کا حکم ہے خصوصاً جمعہ اور عیدین کے دن جب لوگ آپس میں مل کر بیٹھتے ہیں۔ پھر چونکہ پانچ وقت نماز کا حکم ہے۔ اس لئے کپڑے نہ صرف صاف ہوں۔ بلکہ ان پر کوئی ناپاک چیز بھی نہ لگی ہو۔ میں بے دھڑک کہہ سکتا ہوں۔ کہ ایک نمازی مسلمان کا مستعمل شُدہ میلا تہ بند یا پاجامہ ہزار درجہ زیادہ پاک ہے ایک بادشاہ کے نہایت صاف اور اُجلے پاجامہ سے۔ جس کی میانی پیشاب کے قطروں اور پاخانے یا منی کی چھینٹوں سے آلودہ ہوں۔

جو لوگ امیر ہیں۔ اُن کو حکم ہے۔ کہ اپنی حیثیت کے موافق عمدہ لباس پہنیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بندہ پر اپنی نعمت کے آثار دیکھنا پسند فرماتا ہے۔ یہ نہیں کہ گھر میں تو خزانہ دفن ہو۔ اور بدن پر لنگوٹی۔ اسی طرح جس کپڑے پر گندگی کا نشان لگ جائے اُسے صاف کر کے اور دھو کر پہننے کا حکم دیا ہے۔

پبلک مجمعوں اور جلسوں میں صفائی

جو لوگ پبلک جلسوں یا مساجد میں جائیں۔ اُن کو حکم ہے۔ کہ غسل کریں۔ صاف کپڑے پہنیں۔ خوشبو لگائیں۔ پھر شامل ہوں۔ کچا پیاز۔ کچا لہسن اور ایسی ہی بدبودار چیزیں کھا کر جلسے کی اجازت نہیں۔ جس سے پاس بیٹھنے والوں کو تکلیف ہو۔ آج کل تو تمباکو کے دھوئیں اُڑا اُڑا کر اہل مجلس کو تکلیف دینا معمولی بات ہے پھر اگر منتظمین یہ کہیں۔ کہ آپ لوگ غسل کر کے بیٹھیں تو بموجب شریعت محمدیہ مسلمانوں پر فرض ہے۔ کہ فوراً ان کی اس درخواست کی تعمیل کریں۔ مجالس اور مجمعوں میں خوشبودار چیزوں کا چھڑکنا یا جلانا (مثلاً عود یا اگر کی بتی) بھی پسندیدہ فرمایا گیا ہے۔

غذا کے متعلق صفائی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے انسان ہیں۔ جنہوں نے غذا کے متعلق یہ حکمت بیان کی۔ کہ پاکیزہ اشیاء کے کھانے سے انسان کی رُوح اور اخلاق اور اعمال پاک ہوتے ہیں۔ ناپاک اور مشکوک گندی اور سڑی ہُوئی اشیاء سے اس کے برخلاف اثر پڑتا ہے۔ اسی لئے خُون۔ سؤر۔ اور مُردار حرام کیا گیا۔ کیونکہ ان چیزوں سے نہ صرف انسان کے اندرونی قوٰی خراب ہوتے ہیں۔ بلکہ جسمانی صحت بھی برباد ہوتی ہے۔ اور طرح طرح کے امراض کا خطرہ ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ذبح کا طریقہ شریعت محمدی نے فرض قرار دیا۔ تاکہ کھانے سے پہلے گوشت میں سے زہریلا خون بالکل علیحدہ ہو جائے۔

اسی طرح یہ حکم دیا گیا۔ کہ حلال اشیاء کھاؤ۔ اور حلال میں سے بھی طیب یعنی نہایت پاکیزہ۔ گندہ اور سڑی ہُوئی اشیاء کے کھانے سے آپ نے روکا۔ حتیٰ کہ حکم دیا۔ کہ جو جانور خود تو حلال ہو۔ مگر نجاست کھانے کی عادت اُسے ہو گئی ہو۔ اسے بھی نہ کھاؤ۔ اور بدبودار اشیاء کھانے سے منع فرمایا۔ اب زمانۂ حال کے دعویان نظافت کو بھی دیکھئے کہ باوجود داعیانِ صفائی کے اگر آپ کسی بڑے ہوٹل میں جائیں۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ بظاہر تو جھم جھم کر رہا ہے۔ مگر سڑے ہُوئے باسی گوشت سخت بدبُودار مچھلی۔ کیڑے پڑا ہُوا پنیر آپ کو کھانے کو ملے گا۔ اور خانساماں تو قع پانے پر چینی کی رکابیوں کو تھوک سے بھی صاف کرنے سے نہیں ٹلیں گے۔ دوسری طرف آپ بڑے بڑے مشہور حلوائیوں کی دوکان پر نظر ڈالیں گے۔ تو دیکھیں گے۔ کہ کُتّے دُودھ کے برتن چاٹ کر پھر وہیں اسی میں قیلولہ کرتے ہیں۔ اور مکھا چننے پر حلوائی صاحب گاہکوں کو مٹھائی دیتے ہیں۔ پہلے اس کو اپنے غلیظ شرین اور دھوتی سے

رگڑ کر پونچھ لیتے ہیں۔ اگر اسلامی قوانین رحکومت ہو۔ تو کبھی محتسب بازار ایسا ہونے نہ دے۔ اور حاکم ماخذ کرے۔

بعض قوموں میں گائے کا پیشاب متبرک سمجھا جاتا ہے۔ اور وہ اسے تبرک کے طور پر اور مفید چیز سمجھ کر نوش جان کرتے ہیں۔

دائیں ہاتھ سے کھانا

کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا اور کلی کرنا اور کھانے کے بعد پھر ہاتھ دھونا اور منہ صاف کرنا۔ اس کا ذکر پہلے کر آیا ہوں۔ مگر مزید صفائی کا یہ حکم یہ بھی ہے۔ کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ جو گندی جگہوں کو نہیں چھوتا۔ بایاں ہاتھ ناک صاف کرنے استنجا اور طہارت کرنے کے لئے ہے۔ اور دایاں کھانے پینے کے لئے۔ اس تقسیم میں بھی صفائی اور پاکیزگی مدنظر ہے۔

اس کے علاوہ حکم دیا۔ کہ سوتے سے اٹھ کر بغیر ہاتھ دھوئے اسے کسی پانی کے برتن میں نہ ڈالا کرو۔ کیونکہ معلوم نہیں ہوتے ہیں ہاتھ کہاں کہاں لگا رہا ہے۔

مل کر کھانا

پھر فرمایا مسلمانوں کو اجازت ہے۔ کہ خواہ مل کر اکٹھے کھائیں یا خواہ الگ الگ کھائیں۔ اگر کسی بد سے دُوسرا الگ رہنے والا مریض غلیظ یا نفرت کے قابل حرکات کرتا ہو۔ تو ہم الگ کھا سکتے ہیں۔ اگر وہ صاف پاکیزہ اور بے تکلف۔ تو ہمارے ساتھ مل کر کھا سکتا ہے۔ کہ اس سے بے تکلفی۔ یگانگت۔ محبت اور تعلقات بڑھتے ہیں۔ کیا اعتدال ہے۔ کیا تعلیم ہے!! کیا خوبی ہے!!! صلی اللہ علیہ وسلم

پھر فرمایا۔ مل کر کھاؤ۔ تو اپنے آگے سے کھاؤ۔ تاکہ دوسرے کو کراہت نہ پیدا ہو۔ اور کھانا گرایا ہوا معلوم نہ ہو۔ برتن سامنے سے اُٹھے۔ تو صاف ہو۔ ایسا نہ ہو۔ کہ دیکھ کر کراہت آئے۔ دُودھ پیو۔ تو کلی ضرور کر لو۔ تاکہ منہ میں چکنائی لگی رہے۔

اسی طرح حفظانِ صحت کے لئے یہ حکم دیا۔ کہ جانوروں کی طرح اور بھوک سے زیادہ حلق تک اٹا اٹ کر نہ کھاؤ۔ سال میں کم از کم ایک ماہ روزے رکھا کرو۔ تاکہ صحت جسمانی کو بھی فائدہ ہو۔ فربہ امراء کے لئے خصوصاً یہ نسخہ اکسیر ہے۔ پاک طیب سب اشیاء کھاؤ پیو۔ مگر اسراف نہ کرو۔ حد سے زیادہ نہ کھاؤ۔ نہ ایک ہی چیز کی کثرت اور مداومت کرو۔ نہ پُرخوری ہو۔ پانی کے برتن ڈھک کر رکھو خصوصاً رات کے وقت۔ تاکہ ان میں باہر سے کوئی ضرر رساں چیز نہ پڑ جائے۔

نشوں کی ممانعت

ایک عظیم الشان احسان آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہم پر یہ ہے۔ کہ آپ نے تمام نشوں اور خصوصاً شراب کو جو ان سب کی سردار اور ام الخبائث ہے۔ اور جو انسان کی دماغی طاقتوں اور اس کی جسمانی صحت کے لئے زہر کا اثر رکھتی ہے۔ بالکل حرام اور منع قرار دے دیا۔ بلکہ شراب پینے والوں پر سزا اور تعزیر مقرر فرمائی۔

برخلاف اس کے ہمارے ملک میں بعض۔ مذاہب ایسے ہیں جن میں خدا رسیدگی اور تقدس کے مقام پر صرف وُہ لوگ سمجھے جاتے ہیں جو پانچ مکے پر بغیر کراہت عمل کریں۔ یعنی پہلے گوشت کھائیں پھر شراب پئیں۔ پھر چند لقمے نجاستِ انسانی کے زہر مار کریں۔ اس کے بعد چند گھونٹ انسانی پیشاب کے پئیں۔ اور آخر میں اپنی سگی ماں سے زنا کریں۔ جب وُہ یہ کر چکتے ہیں۔ تو پھر ان کی تمام قوم ان کو سب سے زیادہ خدا رسیدہ اور رُب اور روحانی انسان سمجھ کر ان کے قدموں پر گر پڑتی ہے۔ اور وُہ مذہبی پیشوا تسلیم کئے جاتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آج امریکہ۔ یورپ اور ہندوستان شراب سے آزاد ہونا چاہتے ہیں۔ شکر ہے کہ ۱۳ سو سال بعد ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا ایک حصہ مفید اور بابرکت معلوم ہوا۔ مگر حقیقت میں اگر غور سے دیکھیں گے۔ تو حضور کی ساری تعلیم اور اس کے ہر شعبہ کو ایسا مفید پائیں گے۔

پانی کے متعلق حکم

پانی کے متعلق حکم ہے۔ کہ اس کا مزہ۔ بُو یا رنگ بدل جائے تو خراب ہے۔ اسے مت استعمال کرو۔

ماں کا دُودھ پینے کی مدت

بچوں کو دو سال سے زیادہ اس کی ماں کا دُودھ نہ پلاؤ۔ کہ خود اس بچہ کی صحت اس کی ماں کی صحت اور اگر وہ حاملہ ہے۔ تو جنین پر بھی اس کا بُرا اثر پڑتا ہے۔

معاشرت میں حفظانِ صحت اور پاکیزگی

اس ضمن میں سب سے مفید حکم ہے۔ کہ حیض اور نفاس کے دنوں میں خاوند اپنی بی بی سے صحبت نہ کرے۔ کیونکہ اس سے کئی امراض اور بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ مگر ساتھ ہی یہ ظلم نہیں۔ کہ حائضہ بیوی کو اچھوتوں کی طرح گھر کی کسی چیز کا ہاتھ نہ لگانے۔ اور اس کا تمام بدن نجس اور گندا سمجھا جائے۔

ہم ایک دفعہ بمبئی گئے۔ کرایہ کے مکان کی تلاش میں تھے۔ ایک عمدہ مکان ایک خاص قوم کے مجرمین کا تھا۔ وُہ کسی ہندو مسلمان یا انگریز کو گھسنے نہیں دیتے۔ اس قوم کے لوگ ہر مکان کے نیچے حصہ کو حائض عورتوں کے لئے مخصوص کر دیتے ہیں۔ اور ہر مکان کی نیچے والی منزل میں ان قابلِ رحم نجس اور پلید مخلوقات کو ہر مہینہ میں آٹھ۔ دس روز کے لئے جلا وطن کر دیا جاتا ہے۔ جہاں نہ ان کے عزیز ان کو مل سکتے ہیں۔ نہ ان کو اجازت ہے۔ کہ باقی حصہ مکان کو گندا کریں۔ آٹھ روز بعد نہا دھو کر ان کو اپنے اپنے حصہ مکان میں جانے کی اجازت ملتی ہے۔ یہ نظارہ چونکہ وُہ کسی غیر قوم کو دکھانا نہیں چاہتے تھے۔ اس لئے اپنے محلہ میں سوائے اپنے ہم قوم آدمیوں کے کسی کو رہنے نہیں دیتے تھے۔ نصرانیوں میں چونکہ شریعت ہی معدوم ہے۔ اس لئے ان کے ہاں حائضہ کے جاذبے بچنا اور نہ بچنا دونوں برابر ہیں۔

اسی طرح کثرتِ جماع سے بھی روکا ہے۔ چنانچہ عورت کو کھیتی سے تشبیہ دی ہے۔ اور شہوت پرستی کے لئے نکاح کرنا حرام فرمایا ہے۔ پیشہ ور زانیہ عورت اور ایسے ہی مشہور اور ثابت شدہ زانی مرد کے ساتھ دوسرے لوگوں کا نکاح کرنا حرام ٹھہرایا ہے۔ جس میں حکمتِ حفظانِ صحت یہ بھی ہے۔ کہ چونکہ ایسے لوگوں میں امراض خبیثہ اکثر پائے جاتے ہیں۔ اس لئے ان سے پرہیز کیا جائے۔ کیونکہ بعض امراض ایسے موذی ہوتے ہیں۔ کہ آئندہ نسلوں کو بھی خراب کرتے ہیں۔ زنا کو بھی حرام اور قابلِ سزا جُرم قرار دیا۔ کہ اس سے قویٰ تباہ ہوتے ہیں۔ صحت پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ اور بیماریوں کا خطرہ ہے۔

لواطت کو بھی حرام اور سخت قابلِ سزا جُرم بتایا۔ اور استمنا بالید کرنے والے پر لعنت فرمائی۔ کہ یہ باتیں صحت و عافیت کی برباد کر دالی ہیں۔

زناکار عورتوں کے اڈوں کا اسلام نے نام و نشان مٹا دیا۔ سو دُرّے کی مار اور جلا وطنی ہی صرف ایسی سزا ہے جس سے یہ شہوت بھاگ سکتا ہے۔ صرف چکلہ بند کر دینا کافی نہیں۔ مگر پرستش ہے۔ کہ خود پکٹنگ کرنے والے چند روز کے بعد آپ اس گندگی میں مبتلا ہو گئے۔ جس سے وُہ پبلک کو بچانے کے لئے کھڑے ہوئے تھے۔

متفرق اصولِ حفظانِ صحت

اب میں مضمون کو مختصر کرتا ہوں۔ اور بجائے الگ الگ ہیڈنگ کے چند متفرق باتیں یہاں جمع کر دیتا ہوں۔

مکانات کے متعلق - ہوا اور روشنی کے لئے دریچوں کو پسند فرمایا۔ ایک صحابی نے مکان بنایا۔ اس میں کھڑکی رکھی۔ آپ نے پوچھا یہ کیوں رکھی۔ عرض کیا۔ روشنی اور ہوا کے لئے۔ پسند فرمایا۔ اور کہا کہ ساتھ ہی یہ نیت بھی ہوتی۔ کہ آذان کی آواز آیا کرے گی۔ تو اور بھی ثواب ہوتا۔ کسی اہلِ مکان کا حق نہیں۔ کہ وُہ اپنے مکان میں کوئی ایسی گندگی پھیلائے جس سے اوروں کو تکلیف ہو۔

شہر میں بازار کھلے کھلے بنائے جائیں۔ لوگ رستے روک کر نہ بیٹھا کریں۔ نہ رستہ میں اور سایہ دار درختوں کے نیچے جہاں پبلک چلتی ہو۔ اور آرام لیتی ہو۔ پاخانہ پھرنے والے پر لعنت فرمائی ہے۔

پبلک جگہوں کے قریب کوئی گندگی نہ پھیلائی جائے۔ نہ انہیں تھوک یا بلغم سے خراب کیا جائے۔ پسندیدہ اور پاکیزہ عادات کی پابندی کی جائے۔

اسی طرح کھڑے پانی کو گندا کرنے والے اور اس میں پیشاب کرنے والے کے لئے تہدید فرمائی ہے۔ وبائی امراض کسی جگہ ہوں۔ مثلاً پلیگ۔ تو حکم دیا۔ کہ وہاں سے دوسرے شہروں میں منتشر نہ ہو۔ بلکہ اسی شہر کے باہر میدانوں میں الگ الگ ہو جاؤ۔ تاکہ وبا پھیلے نہیں۔

متعدی بیماروں سے احتیاط رکھنے کا حکم ہے۔ چنانچہ مجذوم کے متعلق فرمایا۔ کہ اس سے ایسا بھاگو جس طرح شیر سے۔

کتا ایک ایسا جانور ہے۔ جس سے خطرناک بڑی ہلاکت کا باعث ہو سکتا ہے

اسے نجس قرار دیا۔ اور سوائے چوکیداری اور شکار کے صرف دلچسپی اور پیار کے لئے پالنا مکروہ ٹھیرایا۔ اور فرمایا۔ جہاں یہ ہو۔ وہاں رحمت کا فرشتہ نہیں آتا۔ کتے سے خاص طور پر دو بیماریاں انسان کو لگتی ہیں۔ ایک تو باولا پن یا ہائڈروفوبیا ہے۔ جو ہمیشہ مہلک ہے دوسرے ہائی ڈے ٹڈ Hydatid Disease یہ کتے سے لگتی ہے۔ جو جسم کے مختلف اعضا میں پیدا ہو جاتی ہے اور کبھی مہلک بھی ہو جاتی ہے۔ اسی لئے گورنمنٹ کی ڈیوٹی مقرر فرمائی۔ کہ شہر کے آوارہ کتوں کو وقتاً فوقتاً مارا جائے۔ نیز چیل اور جانوروں کے مارنے کا حکم بھی دیا۔ جن میں چوہا بھی داخل ہے جو پلیگ کو انسانوں میں پھیلاتا ہے۔

سونے کے متعلق یہ حکم دیا۔ کہ اوندھا نہ سویا جائے۔ بلکہ سیدھا یا پہلو پر۔ تعجب ہے کہ میں نے آج کل مغربی تہذیب کے دلدادوں کو اکثر اوندھا ہی سوتے دیکھا ہے۔ جو صحت کے لئے مضر ہے۔ اور دیکھنے میں کتنا مکروہ۔

حاصل کلام

ماحصل اس سلسلہ بیان کا یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ کامل نبی تھے۔ اور آپ کی شریعت انسانوں کی ہر قسم کی ضروریات پر حاوی تھی۔ اس لئے آپ نے جہاں روحانیات اور اخلاقیات میں عالم کی راہ نمائی فرمائی۔ وہاں جسم کی طرف سے بھی بے توجہی نہیں کی۔ اور جو جو باتیں انسانی جسم کے لئے نقصان دہ تھیں۔ یا ان کا بُرا اثر رُوح پر جا کر پڑتا تھا۔ ان سے ہم کو آگاہ کر دیا۔ اور جو مفید تھیں۔ ان کو کرنے کا حکم دیا۔ آپ سے پہلے عموماً مذہبی لوگوں کا یہ خیال تھا۔ کہ رُوحانی ترقی کرنے کے لئے ضروری ہے کہ جسم اور اس کی صحت اور غذا اور لباس اور متعلقہ چیزوں کو خراب اور گندا رکھا جائے۔ مگر آپ نے آکر دُنیا کو سیدھا راستہ دکھایا اور بتایا۔ کہ ظاہر کی صفائی پر روحانی صفائی کا دارو مدار ہے۔ اور حلال طیب۔ کھانوں پر عمدہ اخلاق۔ نیک اعمال اور قبولیت دُعا کا انحصار ہے۔ اور اچھی صحت کے بل پر انسان خدا کی عبادت اور مخلوقات کی خدمت عمدہ طور پر سرانجام دے سکتا ہے۔ آخر اسی جسم نے خدا کی رضا کے لئے محنت کرنی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اس کی طرف سے بکلی لاپرواہی برتی جائے۔ یہ بھی ہمارے پاس خدا تعالےٰ کی ایسی ہی امانت ہے جیسی کہ رُوح اور قواعد حفظان صحت سے اگر جسم اعلیٰ حالت میں رہیگا۔ تو وُہ روحانی مدارج کے لئے مشقتیں اور مجاہدات بھی خوب کر سکے گا۔ ہاں رُوح مقدم ہے۔ اور جسم ثانی اسلئے مؤخر۔ مگر چونکہ وُہ رُوح کا قالب اور اس کا کارکن ہے۔ اس لئے اس کا بھی تم پر ویسا ہی حق ہے۔ جیسے رُوح کا۔ اور اس کی ضروریات پُورا کرنا۔ اور اس کو صحت کی حالت میں رکھنا بھی انسان کا ضروری فرض ہے۔ (ولنفسك عليك حق) والصلوٰة والسلام علےٰ محمدٍ وعلےٰ آلہٖ واصحابہٖ۔

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا فقر

از جناب میاں عطاء اللہ صاحب پلیڈر وان شہر

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جس گھر میں پیدا ہوئے۔ اس کی بے سامانی کا اندازہ اس سے لگ سکتا ہے۔ کہ آپ کے والد ماجد نے ترکہ اپنے بچے کے لئے چھوڑا۔ صرف دو چار اونٹ اور چند بکریاں تھیں۔ ابھی آپ پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ کہ باپ نے وفات پائی۔ چھ سال کی عمر میں والدہ نے بھی داغ جُدائی دیا۔ دو سال آپ اپنے دادا عبد المطلب کے زیر تربیت رہے۔ جو خود کثیر الاولاد انسان تھے۔ اور انہوں نے اپنی ساری عمر اپنے زبردست حریفوں بنو امیہ و بنو عبد شمس سے برسر پیکار رہ کر گزاری۔ ان کے بعد آپ اپنے چچا ابو طالب کی تربیت میں آئے۔ جو اور بھی غریب عیالدار تھے۔

اگر عام فطرت انسانی پر قیاس کیا جائے۔ تو چاہیئے تھا کہ ایک ایسا نوجوان جو پیدائش سے لے کر جوانی تک راحت کے نام سے نا آشنا رہا۔ جس کے دل پر بچپن کے سارے شوق حسرت بن کر رہ گئے۔ جس کی آرام و آسائش کی ہزاروں آرزوئیں کبھی نہ پوری ہوئیں۔ وُہ اگر دولت و ثروت پاتا۔ تو اپنے دل کے سارے ارمان نکالتا۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے۔ کہ کسی چیز کی محرومی اس کے حصول کے شوق کو تیز کر دیتی ہے۔ پس یہ حالات صاف بتاتے ہیں۔ کہ اگر کوئی غیر معمولی قوت تنزیہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندر کام نہ کر رہی ہوتی۔ تو حضورؐ کے دل میں مال کی غیر معمولی محبت ہونی چاہیئے تھی۔

کیونکہ خلق کا کمال یہ ہے۔ کہ انتہائی مخالف حالات میں اپنی انتہائی خوبصورتی کے ساتھ ظاہر ہو۔ اسی معیار کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم دیکھنا چاہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال سے جس بے رغبتی کا ثبوت دیا۔ وُہ کس قدر عظیم الشان ہے۔

مفلسی میں پرورش پانے والا غنی

اس کے لئے اوّل جو قابل توجہ ہے۔ وُہ یہ ہے۔ کہ اگر آپ کسی امیر گھر میں پیدا ہوتے یا امارت میں اپنے ابتدائی ایام زندگی بسر کرتے۔ تو کہا جا سکتا تھا۔ کہ کثرت مال نے آپ کی طبیعت میں اس سے بے رغبتی پیدا کر دی۔ کیونکہ یہ بھی فطرت انسانی ہے۔ کہ کسی چیز کا کثرت سے استعمال اس چیز سے سیری اور بے رغبتی پیدا کر دیتا ہے۔ یا تنگ ہو کر اپنے آرام اور دوسروں کے دکھ کا مقابلہ کر کے ہی دُنیا کو ترک کیا تھا۔

کثرت مال و دولت کے باوجود فقر

دوسری غور طلب بات یہ ہے۔ کہ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں مال و دولت سے محروم رہتے۔ تب بھی آپ کی قناعت کا دعویٰ بے ثبوت رہ جاتا۔ مگر خدا تعالےٰ نے آپ کو اس کثرت سے مال دیا کہ اس کی کوئی حد نہ رہی۔ آپ سارے ملک عرب کے بادشاہ ہوئے۔ غنیمت اور محاصل کی آ کثیر رقمیں مدینہ میں آئیں۔ کہ اس سے قبل اہل مدینہ نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ آپ ایک ایسی قوم کے فرمانروا ہوئے۔ جس کی فطرت میں فخر و خیلاء داخل تھا۔ پھر آپ کی دونوں ہمسایہ سلطنتیں یعنی سلطنت روم اور سلطنت ایران اتنی زینت پسند اور عیش پرست تھیں۔ کہ آج کی بے انتہا مہذب اور فیشن پر مرمٹنے والی یورپ کی قومیں بھی ایرانیوں کی نفاست اور زینت پسندی پر حیران ہیں۔

عرب کے لوگ طبعی طور پر یہ بات چاہتے تھے۔ کہ ان کا سردار اپنے ہمسایوں سے ہر رنگ میں بڑھا ہوا ہو۔ پس اگر آپ ان اموال سے متمتع فرماتے۔ تو عرب ناخوش نہ ہوتے۔ بلکہ جو محبت ان کے دلوں میں اپنے آقا کی تھی۔ اس کی رُو سے وُہ اس پر فخر کرتے۔

لیکن اس مقدس پاک ترین انسانؐ نے دُنیا سے جس بے تعلقی کا نمونہ دکھایا ہے۔ اس کی مثال دُنیا کی ساری تاریخ میں نہیں ملتی۔ ذیل میں ہم رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے بعض پہلو پیش کرتے ہیں۔

رہائش

حدیث میں آتا ہے۔ آخر ایام میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نو بیویاں تھیں۔ جو الگ الگ حجروں میں رہتی تھیں۔ جن میں نہ صحن تھا۔ نہ دالان نہ ضرورت کے الگ الگ کمرے۔ ہر حجرے کی وسعت عموماً چھ سات ہاتھ سے زیادہ نہ تھی۔ دیواریں اس قدر کمزور تھیں کہ اُن میں شگاف پڑ گئے تھے۔ چھت کھجور کی شاخوں اور پتوں سے چھائی تھی۔ بارش سے بچنے کے لئے کمبل لپیٹ دیئے جاتے۔ بلندی اتنی تھی۔ کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو ہاتھ چھو سکتا تھا۔ ان حجروں میں رات کو چراغ تک نہیں ہوتا تھا۔ گھر کی آرائش حضورؐ کو بالکل پسند نہ تھی۔ ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیواروں پر دھاریدار کپڑے منڈھے۔ تو آپ نے فرمایا۔ ہمیں دیواروں کو لباس پہنانے کے لئے مال نہیں دیا گیا۔ انہیں حجروں میں سے حضرت عائشہ رضؓ کے حجرے میں آپ کی وفات ہوئی۔

لباس

لباس کے متعلق آتا ہے کہ اکثر موٹے اور کھردرے کے بال کے

سے بنے ہوئے کپڑے پہنتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:۔ لَا یُطْوٰی لَہٗ ثَوْبٌ۔ آپ کے لئے کبھی کپڑے تہ نہیں کئے گئے یعنی صرف ایک جوڑا ہوتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیال تھا۔ کہ جمعہ وعیدین میں یا سفراء کے ورود کے موقعہ پر آپ شان و تجمل کے کپڑے زیب تن فرمائیں۔ اتفاق سے ایک بار ایک ریشمی کپڑا بک رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ یہ کپڑا حضورؐ خرید لیں۔ اور جمعہ اور سفراء کی آمد کے موقعہ پر ملبوس فرمائیں۔ ارشاد ہوا۔ "یہ وہ پہنے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو"۔

ایک دفعہ کسی نے کمخواب کی قبا بھیجی۔ آپؐ نے پہن لی۔ پھر خیال آیا۔ اور اتار کر حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دی۔ کہ فروخت کر دیں۔

یمن کی دھاری دار چادریں آپؐ کو پسند تھیں۔ ایک دفعہ نوشیروانی قبا بھی جس پر دیبا کی سنجاف تھی۔ استعمال فرمائی۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انتقال ہوا۔ تو حضرت عائشہ نے کمبل جس میں پیوند لگے ہوئے تھے۔ اور گاڑھے کی تہمد دکھائی۔ کہ ان کپڑوں میں آپؐ نے وفات پائی۔

چونکہ آپؐ خدا تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر کرنا بھی سکھانا چاہتے تھے۔ اس لئے آپؐ نے کبھی کبھی اچھے کھانے بھی کھائے اور اچھے کپڑے بھی استعمال فرمائے۔ لیکن اصل میلان طبع ان چیزوں کی طرف نہ تھا۔

طعام

تمام عمر آپؐ نے چپاتی کی صورت تک نہیں دیکھی۔ ایک دفعہ ام ہانی کے ہاں تشریف لے گئے۔ اور پوچھا۔ کچھ کھانے کو ہے۔ انہوں نے کہا۔ سرکہ ہے۔ فرمایا جس گھر میں سرکہ ہو۔ اس کو نادار نہیں کہہ سکتے۔ حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں۔ دو دو مہینے ہمارے گھر میں آگ نہیں جلی۔ اور کھجور اور پانی پر ہمارا گزارہ تھا۔ انصار ہمسایہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بکریوں کا دودھ بھیج دیتے۔ اور حضورؐ وہ دودھ ہمیں پلا دیا کرتے۔ مدینہ کے قیام سے وفات تک کبھی آپؐ نے سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں۔ ایک دفعہ میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ تو دیکھا حضورؐ نے اپنے پیٹ کو کس کر باندھا ہوا ہے دریافت کرنے پر معلوم ہوا۔ کہ بھوک کے سبب سے ایسا کیا ہے۔ ایک دفعہ صحابہ نے فاقہ کشی کی شکایت کی۔ اور پیٹ پر پتھر بندھے ہوئے دکھائے آپؐ نے اپنے شکم کو کھولا۔ تو ایک کی بجائے دو پتھر تھے۔

گوشت عرب میں عام ہوتا۔ حضورؐ اسے استعمال فرماتے کدو آپؐ کو پسند تھا۔

گھی میں پکا ہوا پنیر اور کھجور آپؐ کو بہت پسند تھے بے شک اگر کوئی اچھی غذا آپؐ کے پیش کی جاتی۔ تو آپؐ تناول فرما لیتے۔ لیکن خود کبھی ایسی چیز کی خواہش نہیں فرمائی۔

بستر

کمبل کا بستر تھا۔ کبھی چمڑے کا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوتی تھی۔ کبھی معمولی کپڑا جو دو تہہ کر دیا جاتا تھا حضرت حفصہ بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ میں نے بستر مبارک چار تہہ کر کے بچھایا۔ کہ ذرا نرم ہو جائے تو صبح اٹھ کر حضورؐ نے ناپسندیدگی ظاہر فرمائی۔

گھر کا سامان

سنہ ۹ھ میں جبکہ یمن سے شام تک اسلام کی حکومت تھی۔ فرمانروائے اسلام کے گھر میں صرف ایک چارپائی اور چمڑے کا سوکھا ہوا مشکیزہ تھا۔ ایک دفعہ حضرت عمر رضؓ حاضر خدمت ہوئے۔ تو دیکھا۔ کہ کوٹھڑی میں ایک چارپائی بچھی ہے۔ سرہانے ایک تکیہ پڑا ہے جس میں کھجور کی چھال بھری ہے۔ ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہیں۔ پائے مبارک میں کسی جانور کی کھال پڑی ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضور علیہ السلام نے رونے کا سبب دریافت فرمایا۔ تو عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں کیوں نہ روؤں چارپائی کے بان سے جسم اقدس میں بدھیاں پڑ گئی ہیں۔ یہ آپؐ کے اسباب کی کوٹھڑی ہے۔ اس میں جو سامان ہے۔ وہ نظر آ رہا ہے قیصر و کسریٰ تو باغ و بہار کے مزے لوٹیں۔ اور آپؐ خدا کے نبی ہو کر اس حالت میں ہوں۔ ارشاد ہوا:۔ "اے ابن خطاب۔ تم کو یہ پسند نہیں کہ وہ دنیا لیں۔ اور ہم آخرت!"

جود و سخا

حضور علیہ السّلام کی اس سادہ زندگی کے ساتھ ساتھ حضورؐ کے جود و سخا کو دیکھیں۔ تو اور بھی حیرت ہوتی ہے۔ کہ خدا کا یہ سب پیارا بندہ کس طرح مال و دولت کو ایک نہایت ہی حقیر چیز سمجھتا تھا فرمایا کرتے۔ انی انا قاسم وخازن واللہ یعطی۔ ایک دفعہ ایک شخص خدمت اقدس میں آیا۔ اور دیکھا۔ کہ دور تک آپؐ کی بکریوں کا ریوڑ پھیلا ہوا ہے۔ اس نے آپؐ سے درخواست کی۔ اور آپؐ نے سب کی سب دے دیں۔ اس نے اپنے قبیلے میں جا کر کہا۔ کہ اسلام قبول کرو۔ محمدؐ ایسے فیاض ہیں۔ کہ مفلس ہو جانے کی پرواہ نہیں کرتے۔

تمام عمر کسی کے سوال پر "نہیں" کا لفظ نہیں فرمایا۔ ایک دفعہ حضرت ابوذر رضؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اے ابوذرؓ اگر احد کا پہاڑ میرے لئے سونا ہو جائے۔ تو میں کبھی پسند نہ کروں گا۔ کہ تین راتیں گزر جائیں۔ اور میرے پاس ایک دینار بھی رہ جائے۔ ایک دفعہ حضورؐ گھر میں تشریف لائے۔ تو چہرہ متغیر تھا۔ حضرت ام سلمہ رض آپؐ کی زوجہ مطہرہ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ خیر ہے۔ فرمایا۔ کل جو سات دینار آئے تھے۔ شام ہو گئی۔ اور وہ بستر پر پڑے رہے ہیں۔

ترکہ

وفات کے وقت کوئی چیز بطور ترکہ نہیں چھوڑی حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔ ما ترک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم دینارًا ولا درھمًا ولا بعیرًا ولا شاۃً۔

اہم ذمہ داریوں کے باوجود استغنار

تیسری توجہ طلب بات یہ ہے۔ کہ اگر حضور علیہ السلام مجرد ہوتے اور مال سے مستغنی رہتے۔ تو یہ کوئی بڑی بات نہ تھی۔ لیکن حضورؐ ایک بھاری کنبہ رکھتے تھے۔ آپؐ کے بچے تھے۔ بیویاں تھیں۔ ظاہر ہے کہ ایک آدمی جس کی ساری کائنات اُس کا اپنا وجود ہو۔ اس کے لئے یہ امر بہت آسان ہے۔ کہ وہ اپنی حرص و آز کی آتش کو ٹھنڈا کرے۔ اور اپنی دنیا کو مختصر بنا لے۔ لیکن جہاں بیوی بچے ہوں۔ وہاں یہ بات بہت مشکل ہے۔ اگر کسی کی طبیعت میں ذاتی طور پر قناعت زیادہ بھی ہو تو شادی کے بعد اس کا نقطہ نگاہ ضرور بدل جاتا ہے۔ اب اس کے سر پر کسی کی خورش و پوشش کی ذمہ داری ہے۔ پہلے وہ ننگا اور بھوکا رہ سکتا تھا۔ لیکن اب کسی کو کھلانا اور پہنانا اس کے فرائض میں سے ہے۔

پھر اگر ایک بیوی ہو۔ تو یہ بھی ہو جاتا ہے۔ کہ بیوی اپنے خاوند کی محبت کے نشے میں تنگی برداشت کرے۔ لیکن اگر ایک سے زیادہ بیویاں ہوں۔ تو پھر ان کی راحت و آرام کا بہت بڑا سامان مال ہی ہے۔ عورت جس کی محبت کی واحد قیمت مرد کے دل کی ملکیت ہے اپنی سوکن کی موجودگی میں اسے یہ قیمت پوری نہیں مل سکتی۔ وہ اس کمی کو اولاد یا مال سے پورا کرنا چاہتی ہے۔ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے اس پہلو کو جب دیکھیں۔ تو حیرت ہوتی ہے۔ حضور علیہ السلام نے اپنی زندگی میں کئی نکاح کئے۔ اور ایک وقت میں حضور علیہ السلام کے عقد میں نو بیویاں تھیں۔ حضور علیہ السلام کا یہ ایک اخلاقی معجزہ ہے۔ کہ آپؐ نے ان کی دنیوی آرام کی کسی بھی خواہش کی کبھی حوصلہ افزائی نہیں فرمائی۔ لیکن اس کے باوجود وہ آپؐ پر دل و جان سے قربان تھیں۔ اور آپؐ کے عقد میں آنا اپنی انتہائی خوش بختی سمجھتی تھیں۔ وہ ایک نہیں۔ دو نہیں۔ نو تھیں دنیا کی کوئی آسائش میسر نہ تھی۔ اولاد نہ تھی۔ کہ اس سے دل بہلائیں۔ ایک ترپن۔ چون ۵۳-۵۴ سال کی عمر کا بوڑھا خاوند ہے۔ رہنے کو ایک ایک حجرہ ہے۔ جو بارش پڑنے پر ٹپک ٹپک کر سارا کیچڑ سے بھر جاتا ہے۔ گھروں میں دو دو مہینے آگ نہیں جلتی۔ فاقہ کشی پہ فاقہ کشی آتی ہے۔ اور اس پر انہیں سنایا جاتا ہے۔ کہ یا ایہا النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیوٰۃ الدنیا وزینتھا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحًا جمیلًا۔ اس کے مقابل میں اُن کی طرف سے اس پاک اور بے انتہا محبت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ کہ اس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔ اگر عام حالات ہوتے۔ تو کوئی ان کی بیزاری کا اندازہ کر سکتا تھا۔ لیکن وہ محصنات۔ قانتات۔ کبھی بیزاری یا احساس تکلیف کی بجائے شکر و امتنان سے لبریز دل کے ساتھ اپنے مولا کے حضورؐ اس فخر کے لئے سجدہ کرتی تھیں۔ کہ وہ دنیا کے بہترین انسان کے عقد میں ہیں۔ وہ کیا چیز تھی جو ان کی کلفت اور فاقہ کشی کا سارا احساس مٹا دیتی تھی یقیناً وہ

رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلق عظیم اور آپ کی حد درجہ پاکیزگی تھی۔ جس سے بہرہ اندوز ہو کر وہ ساری دُنیا کی نعمتوں سے بے نیاز ہو جاتی تھیں ۔

کیسا ہی عجیب نظارہ ہے ۔ دو جہان کا شہنشاہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مال و دولت سے لاکھوں انسانوں کے گھر بھر دیتا ہے۔ اور وہ اپنے حصہ میں جَو کی روٹی بھی پیٹ بھرنے کے لئے نہیں رکھتا۔

تمام اقربا کے لئے فقر

چوتھی بات غور طلب یہ ہے۔ کہ ایک بے اولاد انسان کبھی دُنیا کے لئے تگ و دو کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ لیکن رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم صاحب اولاد تھے۔ آپ کے آخری ایام تک اولاد ہوئی۔ بیٹیاں تھیں۔ نواسے تھے۔ چچا زاد بھائی تھے۔ چچے تھے۔ اور سب آپ کے مطیع و منقاد تھے۔ لیکن آپ کو اسی فقر میں کچھ ایسا مزا آیا تھا۔ کہ آپ نے ان سب کے لئے بھی یہی فقر پسند کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اکثر یہ دُعا فرمایا کرتے تھے۔ کہ خداوندا مجھے مسکین زندہ رکھ مسکین اٹھا۔ اور مسکینوں کے ساتھ ہی میرا حشر کر۔

لوگ اولاد کو آرام پہونچانے کے لئے کیا کچھ نہیں کرتے۔ اور پیرانہ سالی میں ہر حال سے اپنی اولاد کو فائدہ پہونچانے کے لئے کیا کیا ذرائع نہیں سوچتے۔ ایسے قانون ایجاد کرتے ہیں۔ جن سے وہ مال و دولت ہمیشہ ان کی اولاد کے ہاتھوں میں رہے۔ لیکن یہاں دیکھئے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حاصل کردہ مقام تو ویسے ہی کسی کو حاصل نہ ہو سکتا تھا۔ خلافت کی بنیاد بھی انتخاب پر رکھی۔ لوگوں کے لئے صدقات دیئے۔ آپ نے اپنی اولاد کے لئے صدقہ حرام فرما دیا۔ خود جو ترکہ چھوڑا۔ اس کے متعلق فرما دیا لانورث ما ترکنا صدقۃ ۔

غرض دُنیا کی کوئی بھی ایسی تحریک جو جمع مال کے لئے آمادہ کرے۔ وہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے موجود تھی لیکن پھر جیسے زہد حضور علیہ السلام نے دکھائی۔ اور جس طرح فقر اختیار فرمایا۔ وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ اور تاریخ عالم اس شاہنشاہی کے ساتھ ایسی تنگدستی۔ اس مال و دولت کے ساتھ ایسی بے سامانی اور فقر پسندی کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔

میرے ماں باپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نثار ہوں۔ آپ نے شاہنشاہ ہو کر فقر میں راحت محسوس کی۔ دُنیا کی تمام نعمتوں کے ہوتے ہوئے کسی کی طرف نظر نہ کی۔ اور ہر وقت یار یگانہ کی یاد اور اس کی مخلوق کی بھلائی میں راحت و آسائش پائی۔

صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وبارک وسلم

رسولِ کریمؐ نے بیوی کی عزت قائم کی

(از محترمہ سعیدہ صادقہ صاحبہ قادیان دارالامان)

اسلام سے قبل بیوی کی حالت

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل عورتوں سے حیوانوں سے بھی بدتر سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ صحرا کے جاہل فرزند عورت کو انسانیت کی توہین سمجھتے تھے۔ اور وہ مردوں کے ہر قسم کے ظلم و ستم کا نشانہ بنتی تھی۔ شادی کے بعد اس کی کوئی مستقل حیثیت نہ ہوتی تھی۔ شادی کے وقت عورت تمام عمر غلام رہنے کا معاہدہ کرتی۔ خاوند کی اجازت کے بغیر اسے کوئی کام کرنے کی اجازت نہ ہوتی۔ اس کی جو جائداد ہوتی۔ وہ خاوند کی ملکیت سمجھی جاتی تھی۔

انگلستان میں عورت کو طلاق لینے کا حق اس وقت تک حاصل نہ تھا۔ جب تک وہ خود بدکاری نہ کرے۔ یا خاوند کو بدکار ثابت نہ کر دے۔ ہندو مذہب میں عورت کی جب تک شادی نہ ہوتی۔ وہ باپ کی غلام ہوتی۔ اور شادی کے بعد خاوند کی۔ یہودی شریعت میں بھی عورت کو طلاق لینے کی اجازت نہیں۔ حضرت مسیحؑ نے بھی عورت کو یہ حق نہ دیا۔ عربوں میں عورت مرد کی جائداد خیال کی جاتی تھی۔

ہندو لا کے ...... مطابق ایک لڑکی خواہ بچپن میں بیوہ ہو جائے۔ اسے دوسری شادی کا حق حاصل نہیں۔ قدیم یونانی جو عروج تہذیب پر تھے۔ ان میں بھی عورت کی کوئی جداگانہ حیثیت نہ تھی۔ وہ ایک مرد سے دوسرے مرد کے پاس منتقل کی جاسکتی تھی۔ اور دوسری اشیاء کی طرح بیچی جاسکتی تھی۔ ایک مرد جس قدر بیویاں چاہتا۔ اسے آزادی تھی۔

ایک یورپین مسٹر ہنٹر اسلام سے قبل عورتوں کی حالت کے متعلق لکھتے ہیں۔ عورت برائے نام قیمت پر خاوند کے سپرد کر دی جاتی تھی۔ اور اس سے وہی سلوک روا رکھا جاتا۔ جو غلاموں سے۔ قدیم عربوں اور یہودیوں میں عارضی شادیوں کا رواج تھا۔ یہودی لڑکی بلوغت سے پہلے بیچی جاسکتی تھی۔ قدیم عربوں میں عورتیں ترکے میں بانٹی جاتی تھیں۔ عورتوں کی تھوڑی بہت قدر محض اس لئے تھی۔ کہ ان کے بغیر مردوں کا گزارہ نہیں ہو سکتا۔ ہندوستان میں ستی جیسی وحشیانہ رسم موجود تھی۔ قدیم یونانیوں میں عورتوں کو قید رکھنے کا دستور تھا۔ بہنوں سے شادی کی اجازت تھی۔

اسلام میں بیوی کی حالت

خدا تعالےٰ کی ہزار ہزار رحمتیں ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر۔ جنہوں نے اپنی امت کو یہ تعلیم دی خیرکم خیرکم لاھلہ کہ تم میں سے بہتر شخص وہ ہے۔ جو اپنے اہل سے اچھا سلوک کرتا ہے۔ آخری وعظ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو وصیت کی۔ اور فرمایا۔ اے لوگو! میں نہیں جانتا۔ کہ آئندہ سال میں زندہ رہوں گا۔ یا نہیں۔ تمہارے کچھ حقوق عورتوں پر ہیں۔ اور عورتوں کے کچھ تم پر۔ اپنی بیویوں سے محبت اور نرمی کا سلوک کرو۔ خدا تعالےٰ نے انہیں تمہارے پاس امانت رکھا ہے۔ اور وہ تم پر حلال کی گئی ہیں۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عمل سے بھی حسن سلوک کا وہ نمونہ پیش فرمایا۔ جو بے مثال ہے۔ ۲۵ سال کی عمر میں ایک چالیس سال کی بیوہ سے شادی کی۔ عرب جیسے گرم ملک میں عورتیں چھوٹی عمر میں بالغ ہو جاتی تھیں۔ اس لئے اس ملک کی آب و ہوا کے لحاظ سے چالیس سال کی عمر معمولی عمر نہیں۔ بلکہ ایک عورت کے لئے کافی سے زیادہ عمر ہے۔ مگر ۲۵ سال کے طویل عرصے میں گھر میں ایک دفعہ بھی بدمزگی پیدا نہ ہوئی۔ بلکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد بھی حضور علیہ السلام ان کا ذکر نہایت محبت کے ساتھ کرتے۔

بیہقی حضرت انسؓ سے روایت کرتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

اذا تزوج العبد فقد اکمل نصف الدین فلیتق اللہ فی النصف الباقی۔ یعنی جب انسان شادی کرتا ہے۔ تو اپنا نصف دین پورا کر لیتا ہے۔ اس لئے اسے لازم ہے۔ کہ دوسرے نصف میں بھی خدا کا تقویٰ اختیار کرے۔

پھر فرمایا۔ اکمل المومنین احسنھم خلقا۔ وخیارکم خیارکم لنسائھم۔ جس قدر انسان اپنی بیوی سے محبت اور پیار کا سلوک کرتا ہے۔ اتنا ہی اس کا ایمان مکمل ہوتا ہے جنت صرف مردوں کے لئے وقف نہیں۔ عورتیں بھی اس میں برابر کی حصہ دار ہیں۔

المرأۃ اذا صلت خمسھا وصامت شھرھا واحصنت فرجھا واطاعت بعلھا فلتدخل من ای ابواب الجنۃ شاءت

یعنی جو عورت نمازوں کی حفاظت کرتی ہے۔ رمضان کے روزے رکھتی ہے۔ اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرتی ہے۔ اور اپنے خاوند کی اطاعت کرتی ہے۔ جس دروازہ سے چاہے۔ بہشت میں داخل ہو گی۔

غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف دُنیا میں کتنا مرتبہ عالی بیوی کو وہ درجہ عطا کیا جس کی وہ مستحق تھی بلکہ انسانیت کے لحاظ سے اس کی ضروری تھا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور غلامی

(از جناب ماسٹر علی محمد صاحب بی اے۔ بی ٹی۔ قادیان دارالامان)

غلامی کا رواج

یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ غلامی کا رواج دنیا میں قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے لیکن اپنی صورت کے لحاظ سے ہم اسے اسلام سے قبل اور اسلام کے بعد دو زمانوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ اسلام سے پہلے دنیا کا شاید ہی کوئی ملک ہو۔ کہ جس میں غلامی کا رواج نہ ہو۔ ہر چند کہ رومی اور ایرانی سلطنتیں اس وقت کی مہذب سلطنتوں میں شمار ہوتی تھیں۔ مگر وہاں غلامی اپنی بدترین صورت میں موجود تھی۔ عرب میں افریقہ سے غلام آتے تھے۔ ہندوستان میں دکھنی ذات کے ہندوؤں نے شودروں کو اپنا غلام بنا رکھا تھا۔ ترکستان اور کوہ قاف کی عورتیں بڑی قیمت پر فروخت ہوتی تھیں اس کے علاوہ جو لوگ جنگوں میں گرفتار ہوتے تھے۔ قیدی بنا لئے جاتے تھے۔ اور اگر ان کا فدیہ دینے والا کوئی نہ ہوتا۔ تو وہ ساری عمر غلام بن کر اپنی زندگی گزار دیتے۔ اور ان کی رہائی کی کوئی صورت نہ تھی۔ غلاموں سے نہایت ادنیٰ درجہ کے اور مشقت آمیز کام لئے جاتے اور ان کے مالک آرام سے بیٹھے رہتے ۔

اسلام نے غلامی کو مٹایا

مگر اسلام دنیا کے لئے سرچشمہ رحمت بن کر آیا۔ جس نے کمزوروں کو اٹھایا۔ اور بے کسوں کو اکسایا۔ غلاموں کو آزاد کرایا۔ اور ان کو قعر ذلت سے نکلوایا۔

یہ سچ ہے۔ کہ اسلام نے غلامی کو یک قلم بند کرنے کے لئے اس طرح کے احکام نازل نہیں فرمائے جس طرح شراب اور جوا وغیرہ کے متعلق فرمائے بلکہ اس کو آہستہ آہستہ مختلف طریقوں اور مختلف رنگوں سے مٹایا ہے چنانچہ اس کے لئے اسلام نے دو طریق اختیار کئے۔ یعنی مسلمانوں کو فرداً فرداً بھی غلام آزاد کرنے کے لئے مختلف شکلوں میں ترغیب دی۔ اور پھر حکومت کو بھی تاکید فرمائی۔ کہ غلاموں کی آزادی کے لئے ایک مخصوص رقم سالانہ خرچ کیا کرے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیہا والمؤلفة قلوبھم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ فریضة من اللہ واللہ علیم حکیم۔ (توبہ رکوع ۸)

گویا خلیفہ وقت کے لئے صدقات کے مصرف میں سے غلاموں کی آزادی پر خرچ کرنا ایک فریضہ قرار دیا ہے۔ اور مسلمانوں کو فرداً فرداً بھی توجہ دلائی ہے۔ کہ اگر کوئی غلام مکاتبت چاہیں۔ تو ان کو اجازت دو۔ کہ مقررہ میعاد کے اندر اندر تمہاری شرائط کو پورا کر کے اپنی آزادی حاصل کر لیں۔ اور اگر تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کو ماں کہہ بیٹھے۔ تو بھی اسے کفارہ کے طور پر غلام آزاد کرنا چاہیئے۔ اور اگر کوئی اپنی قسم توڑنا چاہے۔ تو اسے لازم ہے۔ کہ ایک غلام بطور کفارہ آزاد کرے۔ اور اگر کوئی مسلمان غلطی سے کسی دوسرے مسلمان کو قتل کر ڈالے۔ تو اس کا کفارہ بھی غلام آزاد کرنا ہے اور جہاں اور نیکیاں مسلمانوں کے لئے قابل عمل قرار دی ہیں۔ وہاں غلام آزاد کرنا بھی ایک نیکی قرار دی ہے ۔

غلاموں کے ساتھ حسن سلوک

اسی پہلو کے علاوہ اگر ہم دیکھیں۔ تو شارع اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی جس قدر تاکید فرمائی ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے۔ کہ آخری وقت جب حضور علیہ السلام اس دنیا سے رخصت ہونے والے تھے۔ آپ نے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی بابت الفاظ وصیت فرمائی۔ الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم (ابن ماجہ) کہ اپنی نمازوں اور غلاموں اور لونڈیوں کی خبر گیری کرو۔ پھر جو سلوک آپ نے اپنے غلام زید کے ساتھ کیا وہ مشہور ہے۔ کہ زید نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کو چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ لیکن اپنے ماں باپ کی جدائی گوارا کر لی ۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ جس شخص کے پاس کوئی لونڈی ہو۔ اور وہ اس کی تعلیم و تربیت اعلیٰ پیمانہ پر کرے۔ اور پھر اس کو آزاد کرے۔ اور اس کو اپنے نکاح میں لے آئے۔ تو اس کے لئے دوہرا اجر ہے حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ کہ جو شخص کسی کا غلام ہو۔ اور پھر نیک عمل کرے۔ اس کے لئے دوہرا اجر ہے۔ اور ابو ہریرہ رضی فرماتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے اور حج کرنے کی تاکید نہ ہوتی۔ تو آپ (ابو ہریرہ) پسند کرتے۔ کہ وہ بھی غلام ہوں۔ تاکہ دوہرے اجر کے مالک ہو سکیں پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو منع کیا۔ کہ وہ اپنے غلاموں اور لونڈیوں کو عبد اور امۃ کہہ کر پکاریں۔ بلکہ فرمایا۔ ان کو اپنے لڑکے اور لڑکیاں کہہ کر پکارا کریں۔ تاکہ ان کی دل شکنی نہ ہو۔

ایک دفعہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلاموں کے متعلق حضرت ابوذر غفاری کو فرمایا۔ یہ تمہارے بھائی ہیں۔ جن کو خدا تعالیٰ نے تمہارے ماتحت کر دیا۔ ان کو گالی مت دو۔ بلکہ ان کو ویسا ہی کھلاؤ۔ اور ویسا ہی پہناؤ۔ جیسا خود پہنتے ہو۔ اور ان سے وہ کام سپرد نہ کرو۔ جس کو وہ کر نہ سکتے ہوں۔ اور اگر کوئی مشکل کام ان کے سپرد کرو بھی۔ تو خود ان کا ہاتھ بٹاؤ۔ ابوذر غفاری نے ارشاد نبوی کی تعمیل میں اپنے غلام کو بھی ایسا ہی اچھا کوٹ بنوا کر دیا۔ جیسا انہوں نے خود اپنے لئے بنوایا تھا۔

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ غلاموں کو اگر ذرا بھی تکلیف اپنے مالکوں کے ہاتھوں سے پہنچتی۔ تو ان میں جرأت تھی۔ کہ وہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچتے۔ اور اپنے حقوق حاصل کرتے۔ غلاموں سے حسن سلوک کا نمونہ جو صحابہ نے پیش کیا۔ وہ بھی بے نظیر تھا۔ لکھا ہے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس کی فتح کے لئے روانہ ہوئے۔ تو آپ نے اپنے غلام کو ہمراہ لے لیا۔ ایک ہی اونٹ سواری کے لئے تھا۔ باری باری حضرت عمر اور آپ کا غلام باری باری سوار ہو کر منزلیں طے کرتے جاتے تھے۔ جب آخری منزل پر پہنچے۔ تو اونٹ پر سوار ہونے کی باری غلام کی تھی۔ اور اس کے بعد بیت المقدس کا شہر آتا تھا۔ غلام نے اپنی باری حضرت عمرؓ کو دینی چاہی۔ حضرت عمرؓ نے پیدل جانا پسند کیا۔ اور اپنے غلام کو اس کی باری کے مطابق اونٹ پر سوار کر دیا۔ اور اسی حالت میں شہر بیت المقدس کے دروازے پر پہنچے۔ اہل شہر کے زعماء نے فوراً دروازے کھول دیئے کیونکہ ان کے صحیفوں میں یہ پرانی روایت چلی آتی تھی۔ کہ اس شہر کو وہی شخص فتح کرے گا۔ جو باوجود مخدوم ہونے کے خادمانہ حیثیت سے آئے گا چنانچہ ان کی وہ پیشگوئی حضرت عمرؓ کے اس فعل سے پوری ہو گئی۔ اور بیت المقدس مسلمانوں کے قبضے میں آگیا ۔

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو رحمۃ للعالمین ہو کر آئے تھے۔ غلاموں کی دنیا کے لئے بھی رحمت عظیم ثابت ہوئے۔ اور آپ نے اس کمزور مخلوق کے ساتھ حسن سلوک کا وہ نمونہ دکھایا جس کی نظیر دنیا میں ملنی مشکل ہے ۔

اسلام اور غلامی

(از جناب ماسٹر علی محمد صاحب بی اے۔ بی ٹی قادیان)

نسل انسانی کو آزادی ودیعت کی گئی
اور غلامی کی شریعت میں مذمت کی گئی

کیا عرب کیا ہند۔ کیا ایران کیا یونان کیا
بحر و بر میں ہر طرف انساں کی ذلت کی گئی

درجۂ انسانیت ان کو کبھی حاصل نہ تھا
تھے بشر لیکن بشر سے سخت نفرت کی گئی

جب ہوئی فاران سے شمع ہدایت منور تگن
نسل انسانی کی عزت اور عظمت کی گئی

رحمۃ للعالمین جو آمنہ کا لعل تھا
اس کے مذہب میں غلاموں سے مروت کی گئی

ابن آدم پر ہوئے جب خدا شلیں خاص الطاف لئی
نوع انسانی پہ آخر نظر رحمت کی گئی

سب مٹا ڈالے بلندی اور پستی کے نقوش
خادم و مخدوم میں باہم مودت کی گئی

پھر سب آئی لئے مژدہ جہاں کیلئے
سختی آزادی کو جس نے غلاموں لئے

سیدالکائنات و اخبار بالمغیبات

(از جناب قاضی اکمل صاحب)

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ سے ظاہر ہے۔ کہ نبی اور غیر نبی میں مابہ الامتیاز "وحی الہٰی" ہے۔ اور وحی الہٰی کی سچائی کثرت اظہار امور غیبیہ سے ثابت ہوتی ہے۔ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ بنا بریں میں چند غیب کی خبریں ذیل میں درج کرتا ہوں۔ جو اللہ تعالےٰ نے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ظاہر فرمائیں۔

(۱)

جابرؓ سے روایت ہے۔ کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سفر سے واپس آرہے تھے۔ جب مدینہ کے قریب پہنچے۔ تو نہایت تیز و تند آندھی چلی۔ حضورؐ نے فرمایا۔ یہ آندھی تو کسی منافق کی موت کا نشان ہے۔ چنانچہ جب ہم مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ تو معلوم ہوا کہ ایک بہت بڑا منافق مرگیا ہے (مسلم)

(۲)

عاصم بن کلیب اپنے باپ سے وہ ایک انصاری سے روایت کرتے ہیں۔ کہ ہم ایک شخص کے جنازہ پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں باہر گئے۔ جب وہاں سے واپس لوٹے تو ایک عورت نے دعوت طعام کی۔ حضورؐ نے شرف اجابت بخشا۔ جب کھانا سامنے لایا گیا۔ اور لوگوں نے کھانا شروع کیا۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام لقمہ منہ میں رکھتے ہی فرمایا۔ بکری کا گوشت معلوم ہوتا ہے۔ کہ بکری اس کے مالک کے اذن کے بغیر پکڑ کر ذبح کردی گئی ہے۔ عورت نے عرض کیا۔ کہ میں نے بقیع میں آدمی بھیجا۔ جہاں بکریاں فروخت ہوتی ہیں۔ مگر کوئی بکری نہ ملی۔ پھر میں نے اپنے ہمسایہ سے جو ایک بکری کہیں سے خرید لایا تھا۔ کہلا بھیجا۔ کہ قیمت لے لے اور بکری دیدے۔ مگر نہ ملی۔ پھر میں نے اس کی بی بی سے درخواست کی۔ تو اس نے وہ بکری بھیجدی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ یہ کھانا قیدیوں میں تقسیم کردو۔ (ابو داؤد)

(۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک بی بی نے پوچھا۔ کہ آپ کے بعد سب سے پہلے کون فوت ہوگی۔ فرمایا۔ اطولکن یدًا (جس کے ہاتھ سب سے لمبے ہیں یعنی سخی) تو بیبیاں ایک سرکنڈے کا ٹکڑا لے کر ہاتھ ناپنے لگیں جس پر حضرت سودہؓ کے ہاتھ سب سے لمبے نکلے۔ بعد میں ہمیں معلوم ہوا۔ کہ اطولکن یدًا سے مراد سخاوت کرنے والی تھی۔ اور ایک روایت میں ہے۔ کہ ہم سب میں سے سخی زینب تھیں۔ کیونکہ وہ اپنے ہاتھ سے محنت کرکے مال حاصل کرتیں۔ اور پھر صدقہ دے دیتیں (شیخین)

(۴)

حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ ایک عظیم الشان مرد خدا (ماوراءالنہر) نہر کی جانب سے نکلے گا۔ جو آل محمد (نبی کریمؐ کے حقیقی متبعین) کو جگہ پناہ دے گا۔ ہر مسلم پر اس کی نصرت اور دعوت کی اجابت فرض ہے۔

نوٹ۔ بعض علماء نے لکھا ہے۔ کہ اس سے مراد مسیح موعودؑ ہے۔ صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہٗ۔

(۵)

(ابن ابی کثیر) ابو سہم کا بیان ہے۔ کہ مدینہ میں ایک لڑکی میرے پاس سے گزری۔ اور میں نے اس سے کچھ چھیڑخانی کردی۔ نہ کسی نے دیکھا نہ پہچانا نہ شکایت کی گئی۔ صبح نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم بیعت لے رہے تھے۔ جو میں بھی حاضر دربار رسالت ہوا۔ حضور نے فرمایا۔ کل فلاں بیہودگی کا ارتکاب کرنے والے تم ہی ہو نا۔ نادم ہو کر میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ میری توبہ اب ایسا کبھی نہیں کروں گا۔ پھر میں نے بیعت کی (مدینہ)

(۶)

(جابر بن سمرۃ) حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جب کسریٰ ہلاک ہوگیا۔ تو پھر اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں۔ اور جب قیصر ہلاک ہوا۔ تو اس کے بعد کوئی قیصر نہیں۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ تم ان دونوں بادشاہوں کے خزانے فی سبیل اللہ خرچ کروگے۔ (متفق علیہ)

نوٹ۔ ایران و روم کی فتح پر یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ اور پھر اس شان کا کسریٰ یا قیصر ان ممالک میں آجتک نہیں ہوا۔

(۷)

(عدی بن حاتم) ہم رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور بیٹھے تھے۔ جو ایک شخص آیا۔ اور اس نے فقر و فاقہ کی شکایت کی۔ دوسرا آیا۔ تو اس نے بدامنی اور مار دھاڑ کے کی نسبت شکوہ کیا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اے عدی کیا تم نے حیرہ کو دیکھا۔ عرض کیا۔ نہیں حضور دیکھا تو نہیں۔ البتہ نام ضرور سنا ہے۔ فرمایا۔ اگر تم زندہ رہے تو اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھوگے۔ کہ مدینہ سے ایک عورت اکیلی اونٹنی پر سوار ہوکر کعبہ کا طواف کرنے جارہی ہوگی۔ اور اس کے دل میں خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا۔ پھر حضورؐ نے فرمایا۔ اگر تم کچھ مدت اور جیتے رہے۔ تو کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح کروگے۔ (تعجب و حیرت سے) عرض کیا۔ حضور کسریٰ بن ہرمز کے؟ فرمایا۔ ہاں۔ ہاں۔ پھر ارشاد کیا۔ کہ خدا نے تمہیں زندگی دی۔ تو تم کشائش رزق۔ فارغ البالی اور امن کا یہ نظارہ بھی دیکھوگے۔ کہ ایک شخص چاندی سونا لے کر کسی حاجتمند کی تلاش میں نکلے گا اور کوئی محتاج لینے والا نہ پائیگا۔

عدیؓ کا بیان ہے۔ کہ میں نے اپنی آنکھوں سے امن کا یہ زمانہ دیکھ لیا۔ جبکہ حیرہ سے عورت اکیلی اونٹنی پر سوار بلا خوف و خطر کعبہ کا طواف کرنے آتی ہے۔ اور میں ان لوگوں میں بھی شامل ہوا۔ جنہوں نے کنوز کسریٰ پر قبضہ کیا۔

(۸)

(ثوبان) رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ زمین سمیٹ کر میرے سامنے کردی گئی۔ اور میں نے اس کے مشارق و مغارب کو دیکھا۔ اور یہ سب ملک جو مجھے دکھایا گیا ہے۔ میری امت کے قبضہ سلطنت میں آجائے گا۔ اور مجھے سونے چاندی کے خزینے دیئے گئے۔ میں نے اپنے رب سے التجا کی ہے۔ کہ میری امت قحط سالی سے ہلاک نہ ہو۔ اور ان پر کوئی ایسا دشمن مسلط نہ ہو۔ جو ان کو تباہ و برباد کردے۔ میرے مولا نے مجھے جواب دیا۔ کہ جو آپ نے مانگا۔ وہ میں نے عطا کردیا۔ میں امت محمدیہ کو قحط سالی سے کبھی ہلاک نہیں کروں گا۔ اور نہ ہی ان پر کوئی بیرونی دشمن مسلط کروں گا۔ جو ان کے خون کو مباح کردے۔ سوائے اس کے کہ آپس میں جنگ و پیکار ہو۔ ایک دوسرے کو ہلاک کریں۔ یا قیدی بنالیں۔ میں اپنی امت کی نسبت اس بات سے ڈرتا ہوں۔ کہ ان میں گمراہ کرنے والے پیشوا پیدا ہوں گے۔ اور جب ایک دفعہ امت میں تلوار چل پڑی۔ تو پھر قیامت تک یہی حال رہیگا۔ اور الساعۃ نہیں آئے گی۔ جب تک میری امت کے کچھ قبائل مشرکین سے نہیں مل جائیں گے۔ بلکہ بُت پرستی کرنے لگیں گے۔ میری امت میں تیس کذاب پیدا ہوں گے۔ ہر ایک کا زعم ہوگا۔ کہ میں نبی ہوں۔ حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں۔ میری مُہر تصدیق کے بغیر میری امت سے باہر کوئی نبی نہیں۔ اور میری امت میں سے

ایک نہ ایک گروہ ایسا رہے گا۔ جو حق کا حامی وناصر ہوگا کسی کی مخالفت اس جماعت اہل حق کو نقصان نہ پہنچا سکیگی۔

(۹)

(حضرت ابوہریرہؓ) جب خیبر فتح ہوا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بکری کا گوشت ہدیتہً پیش کیا گیا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ یہاں جتنے یہودی ہیں۔ ان کو جمع کرو۔ جب وہ حاضر ہوئے۔ تو فرمایا۔ میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں۔ کیا تم سچ سچ بتا دوگے۔ انہوں نے کہا۔ ہاں۔ یا ابا القاسم۔ حضورؐ نے پوچھا۔ تمہارا باپ کون ہے۔ جواب سُنکر فرمایا۔ بالکل جھوٹ تمہارا باپ تو فلاں ہے۔ کھسیانے ہوکر کہنے لگے۔ آپ سچ فرماتے ہیں۔ پھر حضورؐ نے فرمایا اچھا اب سچ بولوگے۔ کہنے لگے۔ ضرور۔ اور اگر ہم نے جھوٹ بولا۔ تو آپ فوراً معلوم کر جائیں گے۔ جیسے پہلے کر لیا۔ فرمایا اچھا دوزخی کون ہے۔ جواب دیا۔ کہ ہم اگر دوزخ میں پڑے تو تھوڑی سی دیر کے لئے آپ لوگ (مسلمان) ہی اس میں رہیں گے۔ اور ہمارے قائم مقام ہوں گے۔ فرمایا۔ تم ہی اس میں ذلیل رہو۔ ہم تمہارے قائم مقام نہیں۔ پھر حضورؐ نے فرمایا اچھا۔ تو سچ بولوگے۔ یہود نے کہا۔ ہاں۔ سچ سچ جواب دینگے۔ اس پر فرمایا۔ کہ اس بکری میں تم نے زہر ملایا ہے یا نہیں۔ آخر ان (یہود) کو اپنی اس کرتوت کا اقرار کرنا پڑا۔ تو فرمایا کہ ایسا کیوں کیا۔ کہنے لگے۔ ہم نے یہ سوچا۔ کہ اگر تو آپ کاذب ومفتری ہیں۔ تو ہم آپ سے چھٹکارا پا جائیں گے۔ اور اگر آپ صادق ومصدوق ہیں۔ تو پھر آپ کو کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا۔ (بخاری)

نوٹ:۔ حضورؐ نے اعلام الٰہی سے معلوم کیا۔ کہ اس میں زہر ہے۔

(۱۰)

(حضرت ابوہریرہؓ) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ کہ اللہ ہر صدی کے شروع میں ایک مجدد کو مبعوث کرتا رہیگا۔ جو دین اسلام کو تر وتازہ کرتا رہے گا۔ (ابوداؤد)

نوٹ:۔ کسی قوم میں ایسے مصلحین پیدا کرنا جو اس قوم کو اٹھائیں۔ اور ان میں آ جانے والی خرابیوں کو دور کرتے رہیں۔ کسی انسان کے اختیار کی بات نہیں۔ ملت اسلامیہ میں ہر صدی میں ایسے برگزیدے پیدا ہوتے رہے۔ جو اس زمانے کے حالات کے مطابق اصلاح فرماتے اور گرے ہوؤں کو اٹھاتے رہے۔ یہاں تک کہ چودھویں صدی میں جبکہ علیٰ راس کل مأۃ سنۃ کے مطابق کل صدیوں کے سرجمع ہوگئے۔ ایک عظیم شان مصلح جری اللہ فی حلل الانبیاء مبعوث ہوا۔ سلام اللہ علیہ وعلیٰ مطاعہ سیدنا محمد خاتم النبیین۔

خدا تعالیٰ کا کامل ترین نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(محترمہ مریم بیگم صاحبہ اہلیہ جناب حافظ روشن علی صاحب مرحوم)

نبی کریم صلے اللہ علیہ کے کمالات واحسانات پر۔ آپ کے تقویٰ وطہارت اور آپ کی دیگر صفات پر قلم اٹھانا اور پھر یہ امر حق ادا ہو گیا۔ ایسا ہی دشوار ہے۔ جیسا بحر ذخار عبور کر پار جانے کا ارادہ کرنا۔ اللہ تعالےٰ قرآن کریم میں آپ کے فرماتا ہے۔ انک لعلیٰ خلقٍ عظیم۔ کہ آپ تمام ان اخلاق کے جامع ہیں۔ جو نبیوں میں متفرق طور پر پائے جاتے۔ ہر کے لفظ کے ساتھ جس چیز کی تعریف کی جائے۔ عرب کے ہاں اُس چیز کے انتہائی کمال کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ وجہ سے اس آیت کا یہ مفہوم ہے کہ جس قدر اخلاق وشمائل حسنہ نفس انسانی کو حاصل ہوسکتے ہیں۔ وہ تمام اکا طرح تامہ نفس محمدی میں موجود ہیں۔ یہ تعریف اعلیٰ درجہ کی ہیں ہے بڑھ کر ممکن ہی نہیں۔

بعثت رسول کریمؐ

اللہ تعالےٰ فرماتا۔ ان من امۃ الا خلا فیھا نذیر۔ دنیا میں کوئی قوم جماعت کوئی ملک کوئی علاقہ ایسا نہیں۔ جس میں کوئی ہادی رسول۔ کوئی اوتار یا پیغامبر نہ آیا ہو۔

شرک کے خلاف تعلیم

ہر قوم ہر ملک میں ایسے ہادی پیدا ہوئے۔ جنہوں نے غفلت کی گہری بند سونے والوں کو بیدار کیا۔ قعر ظلمت میں گرنے والوں کے دستگیر۔ بحر عصیاں میں ڈوبنے والوں کے لئے سہارا ہوئے۔ سب علی کو انہوں نے بتایا۔ کہ تم اس وراء الورا ہستی کی مخلوق ہو جس کا نام اللہ ہے۔ لیکن جبکہ ہر قوم ہر ملک ہر بستی اللہ تعالیٰ سے منہ موڑ چکی تھی۔ اور خدائے لم یزل لایزال کی بجائے طرح طرح کی اوہام پرستی اصنام شجر قبر پرستی۔ چرند پرند پرستی سے جاہلانہ عقائد کی گردش میں پھنسی ہوئی تھی۔ اور اس وجہ سے لوگوں کے دماغ کند اور خیالات پست ہو چکے تھے۔ آزادی ضمیر مفقود اور روحانیت مر چکی تھی۔ انسانی حریت تباہ اور خود داری کا دیوالہ نکل چکا تھا۔ اس ارحم الرحمین کی رحمت نے جوش مارا اور اپنے پیارے اور کامل انسان محمد مصطفےٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بندوں کی رہنمائی کے لئے مبعوث کیا۔ تب اس کامل راستباز نے دنیا کو نجات دلانے کے لئے تمام عداد کی بھیانک یورشوں اور پرشور غضب حملوں کا نہایت صبر اور استقلال سے مقابلہ کرتے ہوئے سسکتی روحوں اور گمراہ لوگوں کو حقیقی خالق ومالک کا پتہ بتایا۔ اور یہ بات ذہن نشین کی۔ کہ دنیا کی تمام چیزیں تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری خدمت اور مصرف کے لئے پیدا کی ہیں۔ نہ کہ یہ تمہاری معبود ہیں۔ وہ چیزیں جنہیں اپنے وجود تک کی خبر نہیں۔ اور دوسری ہستی کی محتاج ہیں۔ وہ تمہاری حاجت روا کس طرح ہوسکتی ہیں۔ پس تم اُس ایک خدا کی پرستش کرو جس کی رضاجوئی اور وصال انسانی زندگی کی غرض وغایت ہے۔ لاتسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا للہ الذی خلقھن۔ سورج چاند کو مت پوجو۔ عبادت کے لائق صرف اللہ ہی ہے۔ جس نے ان سب چیزوں کو پیدا کیا ہے۔ تمام لوگوں نے زندگی کا مقصد اعظم یا علت غائی نجات حاصل کرنا تسلیم کیا ہے۔ اور اس میں کوئی کلام نہیں۔ نجات وصال الٰہی کا ہی نام ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فداہ روحی فرماتے ہیں ؎

کیا زندگی کا ذوق اگر وہ نہیں ملا
لعنت ہے ایسے جینے پہ گر اس سے ہیں جدا

اُس رُخ کو دیکھنا ہی تو ہے اصل مُدعا
جنت بھی ہے یہی کہ ملے یار آشنا

سو کامل اتم راستباز نبی کی تعلیم شرک کے متعلق جو اس نے بندگان خدا کو دی یہ ہے۔ اے لوگو تم شرک کی نہاں در نہاں معرفت رساں باریکیوں میں بھی مت مبتلا ہو۔ یاد رکھو کہ تمہیں بے جان چیزوں کی پرستش اور انسانوں کی بندگی تحت الثریٰ کے عمیق گڑھے میں گرادیگی۔ اس ذلت سے بچو۔ کیونکہ شرک کھلی خطاکاری اور گند ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ ومن یشرک باللہ فکانما خر من السماء فتخطفہ الطیر او تھوی بہ الریح فی مکان سحیق۔ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بنایا گو یا وہ بلندی سے گرا۔ پھر اسے پرندے اُچک کر لے گئے۔ یا ہواؤں نے دور پستی میں لے جا پھینکا غرض اس کامل نبیؐ نے شرک کی برائیاں اور توحید کے فوائد ایسے کھول کھول کر بیان فرما دیئے۔ کہ اس سے زیادہ تو درکنار ان کے برابر بھی کسی سے ممکن نہ تھے۔

سیّد الرسل علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی نظافت پسندی

(از مولوی محمد یعقوب صاحب مولوی فاضل اسسٹنٹ ایڈیٹر الفضل)

مکمل شریعت

پھر جو شریعت و تعلیم آپ دنیا میں لائے۔ وہ ایسے کمالات وخصوصیات کا مجموعہ ہے۔ کہ جس کی کوئی مثال نہیں۔ وہ آسان ہے۔ عالمگیر ہے۔ مدلل ہے۔ مکمل ہے۔ یہ چاروں باتیں ایسی ہیں جو دنیا کی کسی اور شریعت میں نہیں پائی جاتیں۔ یا تو ان میں مشکل اور ناقابل عمل باتیں ہیں۔ یا مختص القوم ہیں۔ یا مختص الملک۔ یا غیر مکمل بے دلیل ہیں۔ جو جبراً منوائی جاتی ہیں۔ حالانکہ جو کتاب مختلف طبائع اور مختلف طاقتوں کا لحاظ نہیں رکھتی۔ وہ گویا دنیا کے ایک بڑے حصہ کو نجات پانے سے محروم کر دیتی ہے۔ اور اس طرح خود اس غرض کو معدوم کرتی ہے جس کی خاطر اُسے دنیا میں بھیجا گیا۔

یہ کامل تعلیم ہے اس راستباز انسان کی جو کامل نبی تھا۔ اور کامل برکتوں کے ساتھ اس کا ظہور ہوا تھا۔ اسے ہر لحہ و ہر آن خدا کا تصور رہتا تھا۔ اسے نکلتے آفتاب۔ برستے پانی۔ اُگتی روئیدگی میں اللہ تعالیٰ کا ہی ہاتھ نظر آتا تھا۔ اسے غرش رعد آواز آب۔ اور طیور کے نغمہ میں حمد الٰہی سنائی دیتی تھی۔ اسے ریگستانوں سنسان وادیوں۔ خاردار جنگلوں پہاڑوں کی چوٹیوں اور ان کی غاروں میں سطوت وجبروت خدا کے جلوے نظر آتے تھے۔ آپؐ کے تیئیس سالہ مواعظ حسنہ اور مساعی جمیلہ آپ کی جانفشانیوں عرقریزیوں اور جانکاہیوں کا یہ نتیجہ ہوا۔ کہ صراط مستقیم سے بھٹکی ہوئی دنیا کو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے عَلَم کے نیچے جمع کر لیا۔ اور آج کروڑوں انسان آپؐ کے نام لیوا اور آپ پر درود بھیجنے والے موجود ہیں۔ اور قیامت تک موجود رہیں گے۔ اللھم زد فزد :

دُنیا کی اصلاح

حقیقی توحید قائم کر کے آپ نے دنیا میں ایسا عظیم الشان تغیر پیدا کر دیا۔ کہ روحانی موتی نے زندگی حاصل کر لی۔ روحانی بیماروں نے صحت پائی۔ روحانی کمزوروں نے طاقت کی لہر اپنے اندر محسوس کی۔ اور دنیا کا نقشہ ہی بدل گیا۔ جہاں ظلم و تعدی کی حکومت تھی۔ وہاں عدل وانصاف کا دور دورہ ہو گیا۔ جہاں سحاب ظلمت وجہالت منڈلا رہے تھے۔ وہاں معرفت کے علوم کا ماہتاب چمکنے لگا۔ جہاں پژمردگی وجمود تھا۔ وہاں عمل وسعی کی سرگرمی نظر آنے لگی۔ غرض انسان کی ہر پہلو سے آپ نے ایسی راہنمائی فرمائی جس کی قطعاً کوئی نظیر نہیں مل سکتی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے عشق اور محبت میں اسقدر سرشار تھے۔ کہ اکثر موقعوں پر جب وصفیاء نے آپؐ کا اور بعض نے آپ کے صحابہؓ کا نام لے کر پکارا تاکہ معلوم کریں۔ وہ زندہ ہیں یا نہیں۔ آپ نے خاموش رہنے کا حکم دیا۔ لیکن جب اس نے ہبل بت کی تعریف میں نعرہ لگایا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہو اللہ اعلیٰ و

اسلام کا وہ نظریہ

شریعت اسلامی جن عظیم حقائق کی حامل و ناشر ہے اور جن کی وجہ سے اسے دیگر مذاہب پر فضیلت حاصل ہے۔ ان میں سے ایک اہم حقیقت یہ نظریہ بھی ہے۔ کہ انسانی روح اس کے جسم کے ساتھ نہایت تعلق رکھتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں رائج الوقت مذاہب میں سے بعض غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ روحانی ترقی کے لئے ظاہری صلاح اور حفاظت ونگہداشت کی ضرورت نہیں۔ بلکہ سمجھتے ہیں۔ کہ جس قدر جسم کو خراب وخستہ رکھا جائے۔ اسی قدر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ ان مذاہب والے اجسام پر نہایت تارواقیود عائد کرتے ہیں۔ بعض اعضاء خشک کر دیتے ہیں۔ بعض بدن پر راکھ ملتے ہیں۔ بعض جٹا رکھتے ہیں۔ بعض طیبات سے پرہیز کرتے ہیں۔ بعض منہ بلا ہی کو روحانیت کے لئے زہر ہلاہل قرار دیتے ہیں۔ اس کے بالمقابل ہمیں ایسے کئی اہل مذاہب دکھائی دیتے ہیں۔ جن کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ خدا سے ملنے کے لئے کسی ظاہری پابندی۔ عبادات اور ریاضات شاقہ کی ضرورت نہیں۔ بلکہ صرف اپنے دل میں اللہ کا ذکر کرنا نجات کے لئے کافی ہے۔ غرض بعض ایسے مذاہب ہیں۔ جنہوں نے جسم کو معطل کر دیا۔ اور بعض ایسے ہیں۔ جنہوں نے روح کو آزاد کر دیا۔ لیکن اسلام نے اپنے متبعین کو میانہ روی کی تعلیم دی۔ اس نے ایک طرف قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق کہہ کر طیبات کے استعمال کا حکم دیا اور لا رھبانیۃ فی الاسلام کا ارشاد پہنچا کر یہ فرض قرار دیا۔ انسان دنیا کے معاملات میں حصہ لیتے ہوئے خدا کا قرب حاصل کرے۔ تو دوسری طرف عبادات اور ریاضات روحانیہ کا بجا لانا بھی ضروری قرار دے دیا۔ گویا اسلام کے نزدیک روحانیت میں وہی شخص ترقی کر سکتا ہے۔ جو اپنے جسم اور روح دونوں کو بعض پابندیوں اور بعض مراعات سے بہرہ ور کرتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل

ہم دیکھتے ہیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس حقیقت کو پوری احتیاط کے ساتھ قائم رکھا۔ اور اگر آپ کے سامنے کسی شخص نے اسے نظر انداز کرنا چاہا۔ تو اسے سختی سے ڈانٹا۔ احادیث میں آتا ہے

ایک دفعہ بعض صحابہ نے یہ عہد کیا۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کا اور زیادہ قرب حاصل کرنے کے لئے اپنے نفوس پر بعض پابندیاں عائد کریں گے۔ چنانچہ بعض نے عہد کیا۔ کہ وہ ساری رات نماز میں گزار دیا کریں گے۔ بعض نے کہا۔ وہ نکاح نہیں کریں گے۔ اور بعض نے یہ عہد کیا۔ کہ وہ ہر روز روزہ رکھیں گے۔ جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی۔ آپ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا۔ میرا عمل دیکھو۔ میں رات کو سوتا بھی ہوں۔ اور نماز بھی پڑھتا ہوں۔ روزہ بھی رکھتا ہوں۔ اور افطار بھی کرتا ہوں۔ اور میری بیویاں بھی ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا۔ جو شخص میری سنت سے اعراض کرے۔ اسکا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

اسی طرح ایک اور صحابی نے ایک دفعہ اسی قسم کا عہد کیا۔ تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے۔ تیرے اقارب کا بھی تجھ پر حق ہے۔ اور تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے۔ غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ روحانیت میں وہی شخص ترقی کر سکتا ہے۔ جو اگر ایک طرف اپنی روح کی نگہداشت کرتا ہے۔ تو دوسری طرف اپنے جسم کا بھی خیال رکھتا ہے۔ اور یہ بات اپنے عمل سے دکھا دی۔ چنانچہ اگر ایک طرف آپ کی یہ حالت تھی کہ ماسویٰ اللہ آپ کسی چیز کو اپنا مقصود ومطلوب قرار نہ دیتے تھے۔ تو دوسری طرف بعض ظاہری پابندیوں کا خیال رکھنا بھی ضروری سمجھتے تھے۔ غرض ایسے ہی امور میں سے جن کا تعلق گو بالواسطہ انسانی روح کے ساتھ ہے۔ مگر براہ راست اس کا تعلق انسانی جسم کے ساتھ ہی ہے۔ طہارت جسمانی اور نظافت پسندی بھی ہے۔

وحیٔ الٰہی میں صفائی کی تاکید

ظاہری صفائی کی اہمیت کا اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ جب احکام و فرائض کا آغاز ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی اشاعت کا حکم دینے کے بعد وحی الٰہی میں طہارت کا ہی حکم دیا گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ یا ایھا المدثر قم فانذر وربک فکبر وثیابک فطھر والرجز فاھجر (مدثر) اے چادر میں لپٹے ہوئے انسان۔ خدا کا نام لے کر اٹھ۔ اور لوگوں کو اپنے رب سے ڈرا۔ خدائے ذوالجلال کی کبریائی بیان کر۔ اپنے کپڑوں کو پاک کر۔ اور ناپاکی کو دور کر دے۔

پھر قرآن شریف میں آتا ہے۔ ان اللہ یحب التوابین و یحب المتطھرین۔ اللہ ان لوگوں سے محبت رکھتا ہے۔ جو اس کی طرف

بار بار رجوع کرنیوالے اور ظاہری صفائی کے پابند ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی آیت کریمہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

"توّابین کے لفظ سے خدا تعالیٰ نے باطنی طہارت اور پاکیزگی کی طرف توجہ دلائی۔ اور متطہرین کے لفظ سے ظاہری طہارت اور پاکیزگی کی ترغیب دی۔ اور اس آیت سے یہ مطلب نہیں۔ کہ صرف ایسے شخص کو خدا تعالیٰ دوست رکھتا ہے۔ جو محض ظاہری پاکیزگی کا پابند ہو۔ بلکہ توّابین کے لفظ کو ساتھ ملا کر بیان فرمایا۔ تا اس بات کی طرف اشارہ ہو۔ کہ خدا تعالیٰ کی اپنے بندوں کے لئے اکمل اور اتم محبت جس سے قیامت میں نجات ہوگی۔ اسی سے وابستہ ہے۔ کہ انسان علاوہ ظاہری پاکیزگی کے خدا تعالیٰ کی طرف سچا رجوع کرے۔" پھر فرمایا۔

"جو لوگ اپنے گھروں کو خوب صاف رکھتے ہیں۔ اور اپنی بدرروں کو گندہ نہیں ہونے دیتے۔ اور اپنے کپڑوں کو دھوتے رہتے ہیں۔ اور خلال کرتے اور مسواک کرتے اور بدن پاک رکھتے ہیں۔ اور بدبو اور عفونت سے پرہیز کرتے ہیں۔ وہ اکثر خطرناک وبائی بیماریوں سے بچے رہتے ہیں۔ پس گویا وہ اسطرح پر یحب المتطہرین کے وعدہ سے فائدہ اٹھالیتے ہیں" (خزینۃ العرفان)

پاکیزگی کے حصول کیلئے دُعا

صفائی کی اہمیت جتانے کے لئے ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو یہ دعا سکھائی۔ اللھم انی اعوذ بک من الخبث والخبائث۔ اے خدا میں ہر قسم کی ناپاکیوں اور پلیدیوں سے تیرے حضور پناہ چاہتا ہوں۔ پس یہ ایک اٹل صداقت ہے کہ اسلام نے صفائی کی بیحد تاکید کی۔ نظافت کو غیر معمولی طور پر ضروری قرار دیا۔ اور گندگی سے ہر وقت محفوظ رہنے کی تلقین کی۔

معلوم ہوتا ہے۔ مگر سونگھنے سے معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ اسے اچھی طرح نہلایا نہیں گیا۔

مسواک کی تاکید

صفائی کی غرض ہی رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسواک کا حکم دیا۔ اور اس کی اسقدر تاکید کی۔ کہ فرمایا۔ لولا ان اشق علی امتی لامرتھم بالسواک مع کل وضوء عند کل صلوٰۃ۔ اگر میری امت پر گراں نہ گزرتا۔ تو میں اسے ہر نماز پر ہر وضو کے ساتھ مسواک کا حکم دیتا۔ خود رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس پر ایسا عمل رہا۔ کہ آپ رات کو جب تہجد کے لئے اُٹھتے۔ تب بھی مسواک کرتے۔ حتیٰ کہ وفات سے چند منٹ قبل بھی آپ نے مسواک کی۔

آنکھوں کی صفائی

پھر صفائی کے لئے ہی رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سرمہ لگانے کا حکم دیا۔ خود آپ بلا ناغہ سوتے وقت سرمہ آنکھوں میں لگایا کرتے تھے۔

بلکہ تیل لگا کر کنگھی کی جایا کرے۔ چنانچہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی اپنی عادت میں یہ بات داخل تھی۔ کہ اکثر اپنے بالوں میں تیل ڈالتے اور ایک دن بیچ دیکر کنگھی بھی فرماتے۔

خوشبو سے محبت

صفائی کی غرض سے ہی رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مردوں اور عورتوں کو خوشبو لگانے کی نصیحت فرمائی۔ خوشبو رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت پسند تھی۔ تاریخ سے ثابت ہے۔ کہ اگر کوئی شخص خوشبو کی چیز آپ کو ہدیۃً بھیجتا۔ تو آپ کبھی رد نہ فرماتے۔ آپ ہمیشہ خوشبو استعمال فرمایا کرتے۔ صحابہ کا بیان ہے۔ کہ آپ جس گلی سے نکل جاتے۔ وہ معطر ہو جاتا۔ بعض دفعہ مشک اور عنبر کا بھی استعمال فرماتے۔ آپ نے فرمایا ہے۔ حبّب الیّ من دنیاکم ثلاث الطیب والنساء وقرۃ عینی فی الصلوٰۃ۔ ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ اپنے گھروں اور گھر کے صحنوں کو کوڑا کرکٹ سے صاف رکھو کیونکہ اللہ تعالیٰ پاک ہے۔ اور وہ پاکیزہ فطرت انسانوں سے محبت رکھتا ہے۔ پھر آپ نے عام ارشاد بھی فرما دیا۔ کہ گندگی اور تکلیف دہ چیزوں کا راستوں سے ہٹانا شعبۂ ایمانیات میں داخل ہے۔

پانی کی صفائی

نفاست ہی تھی۔ جس کی وجہ سے رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ ایسا پانی جس کا رنگ یا بُو کسی چیز کے گرنے یا ملنے سے بدل جائے۔ یا ایسا کھڑا پانی جس پر نجاست کا اثر غالب ہو۔ اس سے وضو کرنا منع ہے۔ نفاست کو ہی مدنظر رکھتے ہوئے اسلامی شریعت اس قسم کے احکام کی حامل ہے۔ کہ اگر کنوؤں میں کوئی جانور گر کر مر جائے تو پانی نکال کر صاف کیا جائے۔

اجتماع کے موقعہ پر صفائی

تضمین!

(از جناب مفتی ضیاء الدین صاحب ضیاءؔ مفتی پونچھ)

وردِ زباں جن و بشر ۔ دارند چنیں شام و سحر ۔ چوں از زمیں خیر البشر

بلغ العلیٰ بکمالہ

در دشت و صحرا و جبال ۔ ہم وحش و طیورِ خوش بیاں ۔ ہستند ہمہ رطب اللساں

کشف الدجیٰ بجمالہ

رضواں بجنت ہر زماں ۔ دارد چنیں وردِ زباں! ۔ ہم ذکر جملہ قدسیاں!

حسُنت جمیعُ خصالہ

اے مؤمنانِ باصفا ۔ کیں حکم ایزد شد ضیاؔ ۔ بہرِ نبی صبح و مسا!

صلّوا علیہ و آلہ

عمدہ اشیاء کی خواہش

احادیث میں آتا ہے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے عرض کیا۔ مجھے اس امر کی خواہش رہتی ہے کہ میرے کپڑے عمدہ ہوں سر میں تیل لگا ہو۔ جوتی بھی اچھی ہو۔ اسی طرح اور بھی بہت سی چیزوں کا اس نے ذکر کیا۔ یہاں تک کہا۔ کہ مجھے خواہش رہتی ہے۔ میرا کوڑا بھی اچھا ہو۔ آپ نے سنکر فرمایا۔ ذالک جمال واللّٰہ جمیلٌ یحب الجمال۔ یہ سب اچھی باتیں ہیں۔ اور خدا ایسی نظافت کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ کیا یہ تکبر ہے۔ کہ میں عمدہ لباس پہنوں۔ آپ نے فرمایا۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ تو خوبصورتی ہے۔ اور خدا ایسی خوبصورتی کو پسند فرماتا ہے۔

(مستدرک حاکم جلد اول)

بچے کی صفائی کا خیال

بخاری میں آتا ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صاحبزادہ حضرت ابراہیم کو جب دیکھنے جاتے تو اسے پیار کرتے۔ اور پھر سونگھتے۔ یہ سونگھنا اسی لئے تھا۔ تا آپ معلوم کریں۔ کہ آیا صفائی میں کمی تو نہیں رکھی گئی۔ کیونکہ بسا اوقات بچہ دیکھنے میں صاف

غسل اور کپڑوں کی تبدیلی کا ارشاد

پھر بدن کی عام صفائی کے لئے ہی رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غسل کا حکم دیا۔ یہ غسل جمعہ اور عیدین پر جبکہ لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے۔ اور کثرت انفاس کی وجہ سے بو پیدا ہونے کا امکان ہوتا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ ضروری قرار دیا۔ علاوہ ازیں اور بہت سے مواقع ہیں۔ جن پر الٰہی احکام کے ماتحت غلاظت دور کرنے یا نفاست حاصل کرنے کیلئے غسل ضروری ہوتا ہے۔ ایسے ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کم از کم ہر جمعہ کو لباس کی تبدیلی اور صفائی کا بھی حکم دیا۔ اور خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حالت تھی۔ کہ گو آپ کو تکلف اور جاہ پسندی سے نفرت تھی مگر لباس ہمیشہ صاف اور عمدہ رکھتے۔ اور سفید رنگ کا کپڑا تمام کپڑوں سے زیادہ پسند فرماتے۔

بالوں کی صفائی

پھر بالوں کے متعلق ارشاد فرمایا۔ انہیں پریشان نہ رکھا جائے

پھر صفائی کا رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس قدر اہتمام تھا۔ کہ بعض دفعہ آپکی مجلس میں خوشبو کی انگیٹھیاں بھی جلائی جاتیں۔ جن میں اگر اور بعض دفعہ کافور ملا ہوتا۔ اور آپ نے حکم بھی دیا۔ کہ اجتماع کے مواقع پر خوشبودار مصالحہ جات جلائے جایا کریں۔ تا ہوا صاف رہے۔ اور صحت پر ناگوار اثر نہ پڑے۔

خدا کی نعمت کے جسم پر آثار چاہئیں

ایک دفعہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص میلے کپڑے پہنے ہوئے حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ تمہیں کچھ مقدور ہے۔ اس نے عرض کیا۔ ہر طرح اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ آپ نے فرمایا۔ جب خدا نے نعمت دی ہے۔ تو صورت سے اس کا اظہار بھی ہونا چاہئیے۔ ایک دفعہ ایک شخص کو میلے کپڑے پہنے دیکھا۔ تو فرمایا۔ اس سے اتنا نہیں ہو سکتا۔ کہ اپنے کپڑوں کو دھو لیا کرے۔ ایک دفعہ بہت سے لوگ مسجد نبوی میں حاضر ہوئے۔ چونکہ مسجد تنگ تھی۔ اور کاروباری

لوگ میلے کپڑوں میں ہی چلے آتے تھے۔ اسلئے پسینہ کی وجہ سے بو پھیل گئی۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ اگر آپ لوگ نہا کر آتے۔ تو بہت اچھا ہوتا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ

ہم بآوازِ بلند کہتے ہیں کہ آج جو صاحب ہماری بہراپن کی دوا (روغن کرامات) کے برابر کوئی دیگر ایسی مجرب اور مشہور دوا بتا دیں۔ کہ جس کی دوا نے ہماری دوا کے برابر شہرت اور سارٹیفکیٹ حاصل کئے ہوں۔ اور وہ ہماری دوا کے برابر کان کی تمام بیماریوں اور نپٹ بہراپن پر ایسی ہی مفید ثابت ہوئی ہو۔ تب ہم مبلغ پچاس روپے (صہ) نقد انعام دیں گے جن صاحبان کو اعتبار نہ ہو۔ تو وہ یہاں بھی جا ہیں۔ تب تشریف لاکر علاج کرا سکتے ہیں۔ دھوکہ دینے والے ٹھگ اور مکاروں سے بچنا آپ کا فرض ہے۔ آرڈر کے وقت اپنا پورا پتہ معہ نام صاف لکھئے
نپٹ بہرا پن کا شرطیہ علاج
کان بہنے۔ زخم۔ کم سننے۔ کان بند یا جاری رہنے۔ پھنسی یا ناسور۔ کیڑے پڑ جانے۔ درد طرح بہ طرح کی آوازیں ہونے پردوں کی کمزوری۔ اور کان کی تمام بیماریوں کی ایک مجرب دوا اکسیر بے خطا دوا۔
بلب اینڈ سنز بیلی بھیت کا ایجاد کردہ روغن کرامات ہے
قیمت فی شیشی ایک روپیہ چار آنہ (عہ) تین شیشی ایک ساتھ طلب کرنے پر محصول ڈاک وپیکنگ معاف
ہمادری سرمہ
ضعف بینائی۔ سرخی دیرینہ۔ ککرے۔ نزول اور ڈھلکہ کی خاص دوا مفت ہے۔ ہر عمر اور ہر موسم میں قابل استعمال ہے۔ قیمت فی ماشہ چار آنہ (۴ر)
ہمارا پتہ یہ ہے
کان کی دوا والے بلب اینڈ سنز بیلی بھیت (یو۔پی)

اشتہارات
اخبار الفضل قادیان دارالامان
۵۹
Digitized by Khilafat Library Rabwah
حبّ رحمانی
رجسٹرڈ
دوستو! یہ گولیاں عجائبات طبّ سے ہیں۔ ہر انسان نسخہ دیکھتے ہی بخود معلوم کر سکتا ہے۔ کہ یہ ترکیب کردہ گولیاں کس قدر اپنے اندر برقی اثر رکھتے ہوئے قیام بدن کے لئے کیسی مفید و بابرکت ہونگی۔ پس ان کا استعمال ہر حال میں از بس ضروری ہے۔
حبّ رحمانی کشتہ سونا کشتہ چاندی۔ کشتہ زرد موتی۔ کیسر۔ جدوار خطائی نمک سے تیار کیگئی ہیں۔ قوت مردمی
کیسی ہی کمزور پڑ گئی ہو اور پٹھے ہی
کام سے جواب دے چکے ہوں۔
اور زندہ درگور بننے کیوجہ سے یہ دنیا
تیرہ و تار نظر آتی ہو اور آرام اور راحت
کا مقابلہ تلخ زندگی کے ہاتھ میں ہو۔ ایسی
حالت میں انشاءاللہ صرف حبّ رحمانی
ہی سادگی سے حرارت غریزی کمزور ہو کر
تمام بدن پر پژمردگی چھائی
ہوئی ہو۔ اور کمزوری دل
روز بروز بڑھتی جاتی ہو۔ تو ایسی
حالت میں بالخصوص حبّ رحمانی
مفید ہوگی۔ غرض تمام اعضائے
رئیسہ کو قوت دیگر از سر نو تازگی پیدا
ہوگی۔ سچ تو یہ ہے کہ ان کے فوائد عجیبہ اور اثرات تحریر میں نہیں آسکتے۔ صرف اس قدر بس ہے:
تریاق زعفرانی
تریاق زعفرانی خدا کے فضل و کرم سے امراض ذیل کے لئے اکسیر ہے۔ اعضائے رئیسہ خواہ کیسے ہی کمزور ہوں۔ نسیان ہو۔ معدہ کمزور ہو۔ دل دھڑکتا ہو۔ کمزوری جگر کی وجہ سے بدن میں خون کم ہو رنگ زرد ہو۔ سر چکر اتا ہو۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا آجاتا ہو طاقت کمزور پڑ گئی ہو۔ وغیرہ
غرض امراض مندرجہ بالا نے زندگی دوبھر کر دی ہو۔ اور نشاط زندگی کو بے لطف کر دیا ہو۔ تو تریاق زعفرانی کا استعمال انشاءاللہ نہایت مفید اور آرام پہنچانے کا موجب ہوگا۔
قیمت فی ڈبیہ دو روپے (عہ)
ملنے کا پتہ
عبدالرحمٰن کاغانی دواخانہ رحمانی قادیان پنجاب
یہ بے نظیر تحفہ جسمانی مریضوں کیلئے
اکسیر البدن ہے
جن دوستوں کے پاس ہماری حبّ رحمانی ہوگی پھر خدا کے فضل و رحم سے انشاءاللہ کسی اور قوی دوا کی تلاش نہ ہوگی۔ تجربہ شرط ہے: قیمت حبّ رحمانی ایک ماہ کے لئے صرف چھ روپے (سے)
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
سرٹیفکیٹ
جناب ملک فیروز الدین صاحب
سرٹیفکیٹ
جناب ملک علی احمد صاحب
دواخانہ رحمانی عبدالرحمٰن کاغانی قادیان پنجاب

ہندوستان بھر میں شور مچ جائے گا!

ہندوستان کی تمام اقوام کے متفقہ لیڈر مسلم لیگ کانگریس خلافت کمیٹی غرضیکہ ہندوستان کی تمام بڑی بڑی انجمنوں کے صدر حاذق الملک حکیم محمد اجمل خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اکلوتے فرزند اور ان کے جانشین مسیح الملک حکیم محمد جمیل خانصاحب بالقابہ رئیس اعظم دہلی ارقام فرماتے ہیں۔

جناب ایڈیٹر صاحب اخبار سلطنت

آپ نے میری رائے حاصل کرنے کے واسطے ہندوستان بھر کے قریباً ڈیڑھ سو رسالے اور اخبارات بھیجے جن کو میں نے نہایت غور سے مطالعہ کیا۔ اور اخبار سلطنت سے ان کا مقابلہ کیا۔ بعد مطالعہ کے میں تصدیق کرتا ہوں۔ کہ اخبار سلطنت میں ہر ہفتہ دس صفحے کے رنگین فوٹو اور مضامین جو شائع ہوتے ہیں۔ وہ ان تمام اخبارات اور رسالوں سے پانچ گنے زیادہ ہیں۔ اور قیمت پوری پانچ گنی کم ہے۔ اگر سلطنت دہلی ہفتہ وار کے بجائے ماہوار ہوتا۔ اور اس کی سالانہ قیمت تین روپے ہوتی تب بھی سلطنت کا چندہ بہت کم ہوتا۔ اور اب ہفتہ وار ہونے کے باوجود اور اپنی گوناگوں دلچسپیوں کے ساتھ ہفتہ وار سلطنت کا سالانہ چندہ تین روپیہ اخباری دنیا میں حیرت انگیز انقلاب پیدا کر دیگا۔ سلطنت کی اس کامیابی اور اجراء پر آپ کو دلی مبارکباد دیتا ہوں۔ اور مجھے قوی امید ہے۔ کہ ملک آپ کی اس خدمت کا بڑے زور سے خیر مقدم کریگا۔ (جمیل)

مسیح الملک بہادر کی اس تصدیق کے علاوہ ہندوستان بھر کے اخبارات اور رسالوں اور لیڈروں کی بھی یہی رائے ہے۔ اس لئے اسی وقت تین روپیہ سالانہ چندہ اخبار سلطنت کو بھیجکر آپ بھی خریدار ہو جائیے ؛

منیجر سلطنت دہلی

تجارت کرو فائدہ اُٹھاؤ

کمپنی ہذا کے کارکن احمدی ہیں مال دیانتداری سے بھیجا جاتا ہے

ہر قسم کے عمدہ ارزاں۔ زنانہ مردانہ کٹ پیس کی گانٹھ مالیتی دو صد روپیہ بغرض تجارت منگوا کر نفع اُٹھاؤ۔ ذاتی ضرورت کیلئے پچاس روپیہ کی نمونہ کی گانٹھ منگوا کر اہل و عیال کے کم خرچ بالانشین پارچات بنواؤ۔ قلیل سرمایہ کی بہترین تجارت ہے۔ پردہ نشین مستورات بھی یہ تجارت کر رہی ہیں۔ چوتھائی رقم ہمراہ آرڈر پیشگی آنی چاہیئے۔

امریکہ کی سربند سالم گانٹھیں

موسم آ رہا ہے۔ امریکن سربند سیکنڈ ہینڈ کوٹ کی گانٹھوں کا ابھی سے آرڈر بھیجئے۔ ہمارا مال سب سے اعلیٰ۔ نرخ سب سے ارزاں وقت پر آرڈر دینے والوں کو خاص رعایت کرایہ مال گاڑی بالکل معاف۔ تھوک نرخ طلب کرو۔

برساتی واٹر پروف کوٹ۔ جانماز۔ قالین ارزاں نرخ پر منگوایئے

امریکن کمرشل کمپنی بمبئی نمبر ۱۱

هُوَالشَّافِي .... هُوَالشَّافِي

کیا وجہ ہے

کہ ہماری تیار کردہ اشیاء دن بدن مقبول عام ہو رہی ہیں؟ صرف اس لئے کہ ہم قیمتی سے قیمتی ادویات اور عمدہ سے عمدہ اجزاء مہیا کر کے اپنی ادویات میں استعمال کرتے ہیں۔ آزمائش شرط ہے۔

کنارسی روغن

خون صالح پیدا کرتا ہے۔ دماغی کمزوریوں کو دور کرتا ہے۔ حرارت غریزی کو بڑھاتا ہے۔ اندرونی غدودوں کے فعل کو صحیح کر کے صحت کو دن دگنی اور رات چوگنی ترقی دیتا ہے۔ مردانہ کمزوری خواہ کسی وجہ سے پیدا ہو گئی ہو۔ کو رفع کر کے انسان کے اندر نئی روح پھونکتا ہے۔ عورتوں کے ماہواری ایام کو درست کرنے کے لئے اس سے بہتر دوائی ملنی محال ہے۔ ایک دفعہ آزما کر ہماری صداقت کا امتحان فرما دیں۔ قیمت فی شیشی عہ تین شیشی عمہ علاوہ محصولڈاک وغیرہ

دلکشا ہیئر آئیل

بہترین قیمتی ادویات جو دماغ میں فرحت و تازگی پیدا کریں سے تیار کیا جاتا ہے۔ اس سے بال جھڑنا بند ہو جاتے ہیں۔ آنکھوں میں ٹھنڈک پیدا کر کے دماغ کی تھکاوٹ کو دور کرتا ہے اس کا متواتر استعمال تمام دماغی امراض کو پاس پھٹکنے نہیں دیتا۔ بالوں کو لمبا اور ملائم کرنا اس کی خصوصیات میں سے ہے۔ قیمت فی شیشی عہـ علاوہ پیکنگ و محصول ڈاک ؛

سرمہ نورانی

یہ سرمہ آنکھوں کے گندے مادے کو دور کر کے آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتا ہے۔ خارش جلن اور سرخی فی الفور رفع کر کے بینائی تیز کرتا ہے۔ ککروں کیلئے بے حد مفید ہے۔ ککرے خواہ کتنے پرانے ہوں چند یوم کے استعمال سے بالکل رفع ہو جاتے ہیں۔ بچوں اور بوڑھوں کو یکساں مفید ہے۔ اس کا ہمیشہ استعمال کرنا بینائی کو تیز کرتا ہے۔ قیمت فی تولہ عہ علاوہ محصول ڈاک و پیکنگ ؛

ملنے کا پتہ

منیجر دلکشا پرفیومری کمپنی قادیان ضلع گورداسپور (پنجاب)

الحمد للہ "الفضل" کا عملہ اس سال بھی اپنے بزرگوں اور مہربانوں کی امداد سے سرور دو عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کے اظہار کے لئے "الفضل" کا خاص پرچہ "خاتم النبیین نمبر" شائع کرنے کی توفیق پا سکا۔ اگرچہ وقت کی قلت اور مضمون نگار اصحاب کی اہم وقتی امور میں مشغولیت کی وجہ سے ایک حد تک مشکلات کا سامنا ہوا۔ تاہم خدا تعالیٰ کا شکر ہے۔ کہ نہایت اعلیٰ پایہ کے مضامین حاصل ہو گئے۔ اور یہ پرچہ کسی لحاظ سے بھی سابقہ نمبروں سے کم نہیں ہے۔ جن اصحاب اور خواتین نے میری درخواست پر مضامین عنایت فرمائے۔ ان سب کا تہ دل سے شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ لیکن جن کے مضامین شائع نہیں ہو سکے۔ ان سے معذرت خواہ ہوں۔ شائع نہ ہونے والے مضامین میں سے بعض تو ایسے تھے۔ جو دیر سے پہونچے۔ اور بعض ایسے تھے۔ جو عجلت میں سرسری طور پر لکھے ہوئے تھے۔ اگر مضمون نگار اصحاب مقررہ وقت کے اندر پوری محنت اور کوشش سے لکھ کر مضامین ارسال فرما دیا کریں۔ تو مجھے ہر بار معذرت طلب کرنے کے لئے ان سے ناگوار اور تکلیف دہ درخواست نہ کرنی پڑے ؎

بہر حال میں تمام مضمون نگار اصحاب اور خواتین کا مکرر شکریہ ادا کرتا ہوں نیز ان اصحاب کا بھی جنہوں نے کسی نہ کسی رنگ میں اس پرچہ کی تیاری میں امداد دی ؎ خاکسار (ایڈیٹر)

اطلاع:۔ اشتہارات درج صفحہ ۶۰ کی میعاد مشتہر نے ۲۰ تا ۳۰ نومبر کر دی ہے ؎

Digitized by Khilafat Library Rabwah
سلسلہ عالیہ احمدیہ کا مشہور و معروف آرگن
اخبار الفضل قادیان
ہفتہ میں تین بار
قیمت سالانہ دس روپے
نمونہ مفت طلب کریں
یہ اخبار ۲۰×۲۶ سائز کے ۱۲ صفحوں پر ہفتہ میں تین بار شائع ہوتا ہے۔ اس میں جو عام واقعاتِ عالم پر رائے زنی ہوتی ہے وہ خدا کے فضل سے ۹۹ فیصدی صحیح نکلتی ہے۔ مسلمانوں کے مفاد کو ہر امر میں خصوصیت سے مدنظر رکھا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے خطبات جمعہ و عیدین و دیگر تقاریر بھی بالالتزام تمام درج ہوتی ہیں جنمیں اہم مذہبی سیاسی۔ قومی اور ملکی وقتی اموریں مسلمانوں کی راہ نمائی کیجاتی ہے۔ نیز تاریخ اسلام۔ اسلام کی خوبیوں دیگر مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کی فضیلتوں۔ غیر مذاہب کے متعلق تفصیلی اور اہم واقفیت دیگر مذاہب کے بنی نوع انسان کیلئے نقصان رساں مسائل اور اسلام پر غیر مسلموں کے اعتراضات کے جواب میں باقاعدہ مضامین شائع کئے جاتے ہیں آپ اس اخبار کو کم از کم چھ ماہ کیلئے اپنے نام جاری کر کے ہمارے قول کی تصدیق کر لیجئے۔ اگر آپ چاہتے ہیں اشاعت اسلام کے متعلق جماعت احمدیہ کی تبلیغی سرگرمیوں سے آپکو واقفیت ہے امریکہ۔ انگلستان۔ افریقہ۔ دمشق میں اشاعت اسلام کی تازہ خبریں پہنچتی رہیں اور پیش آمدہ مشکلات میں ایسی ہدایات ملیں جن میں نقصان کا شائبہ نہ ہونے کے برابر ہو تو الفضل ہی ایسا اخبار ہے جس کیلئے معمولی خرچ کرنا کوئی بڑی بات نہیں ۔
(سالانہ قیمت للعہ ششماہی عہ سہ ماہی ۲/۸ (اڑھائی روپے)
رسالہ ریویو آف ریلیجنز انگریزی
یہ رسالہ قادیان سے ہر مہینہ شائع ہوتا ہے ساڑھے سات روپے سالانہ قیمت ہے۔ یورپ میں تبلیغ اسلام کا بہترین ذریعہ ہے۔ ہندوستان میں اس کی اشاعت انگریزی خوانوں کے حفاظتِ ایمان اور ازدیاد عرفان کا موجب ہے۔ علی العموم ایک نہ ایک تصویر بھی دی جاتی ہے ۔ نمونہ کا پرچہ آٹھ آنے ۔
رسالہ ریویو آف ریلیجنز اردو
اس ماہوار رسالہ میں اسلامی عقائد و مسائل کی تائید اور غیر مذاہب کے اعتراضوں کی تردید اور ان کے خصوصی معتقدات پر عالمانہ تنقید ہوتی ہے۔ ہر مہینے نہایت قیمتی اور مفید علمی مضامین کا مجموعہ دلاویز ٹھیک وقت پر آپکے پاس پہنچا کریگا۔ صرف ہر ماہوار یعنی تین روپے سالانہ دیکر آپ اس نعمت عظمیٰ کو حاصل کر سکتے ہیں حجم ۴۸ صفحے طلباء کیلئے صرف عہ۔ جو احباب سلسلہ میں داخل نہیں ان کے لئے بھی رعایت ہے یعنی عہ سالانہ ۔
اخبار مصباح
قیمت سالانہ تین روپے
اخبار سن رائز انگریزی ہفتہ وار
قیمت سالانہ صرف پانچ روپے
خریداری کی درخواستیں و ترسیل زر مہتمم طبع و اشاعت قادیان کے پتہ پر ہو
عبدالرحمن قادیانی پرنٹر و پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھاپ کر مالکان کے لئے قادیان سے شائع کیا۔